بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمائے اسلام کی خونیں داستانیں

از

مورخِ اسلام مولانا قاضی اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۱۶ء-۱۹۹۶ء)

رجب ۱۳۶۴ھ مدیر اخبار زمزم لاہور جون ۱۹۴۵ء

مرتب

قاضی سلمان مبشر مبارکپوری

مدیر قاضی اطہر اکیڈمی

مدرس دار العلوم حسین آباد، انجان شہید، ضلع اعظم گڑھ

ناشر

قاضی اطہر اکیڈمی مبارک پور

ضلع اعظم گڑھ، اتر پردیش انڈیا

Ph. 05462-250640, Mob. 9936381171

ہلا سکتی نہیں ہے دولتِ کونین بھی اطہرؔ
جبینِ فقر پر رکھی ہے بُنیادِ خودی ہم نے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علماءِ اسلام کی خونیں داستانیں

تصنیف

مورّخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ

مدیر اخبار زمزم لاہور ۱۹۴۵ء

ترتیب

قاضی سلمان مبشر مبارکپوری

استاذ حدیث دارالعلوم حسین آباد انجان شہید ضلع اعظم گڑھ یوپی انڈیا

ناشر

قاضی اطہر اکیڈمی

مبارکپور ضلع اعظم گڑھ اتر پردیش انڈیا

تفصیل کتاب

سلسلۂ مطبوعات (۴)

نام کتاب	:	علماءِ اسلام کی خونیں داستانیں
مصنف	:	مورّخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ
مرتب	:	قاضی سلمان مبشر مبارکپوری
کمپوزنگ	:	علاء الدین ولد معین الدین مبارکپور، اعظم گڑھ
صفحات	:	۲۴۸ (دوسو اڑتالیس)
بارِ اوّل	:	۱۱۰۰
سن طباعت	:	۱۴۳۰ھ - ۲۰۰۹ء

ناشر

قاضی اطہر اکیڈمی

مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ، اتر پردیش، انڈیا

9936381171 , 05462-250640

ہلا سکتی نہیں ہے دولت کونین بھی اطہرؔ
جبین فقر پر رکھی ہے بنیادِ خودی ہم نے

گرمی ہے ہمارے سینوں میں شعلے ہیں نہاں تکبیروں میں
رکھتے ہیں قیامت آنکھوں میں ہم خوف قیامت کیا جانیں

قاضی اطہرؔ مبارکپوری

فہرست مضامین

شجرۂ نسب خانوادۂ قاضیان
مبارک پور ضلع اعظم گڑھ اتر پردیش انڈیا
قاضی شیخ علی
قاضی شیخ امام بخش
قاضی محمد رضا
قاضی شیخ حسام الدین
قاضی شیخ رجب
میاں جی حاجی لعل محمد
میاں جی ولی محمد
میاں جی محمد شفیع
میاں جی حاجی محمد عمر
میاں جی عبداللہ
میاں جی حاجی اسداللہ
میاں جی حاجی محمد حسین
میاں جی حاجی محمد حسن
مورخ اسلام
مولانا قاضی اطہر مبارک پوری
قاضی حیات النبی
قاضی ضیاء النبی
قاضی غلام النبی
قاضی عبدالعزیز
قاضی خالد کمال
قاضی ظفر مسعود
قاضی سلمان مبشر
قاضی حسان احمد
قاضی فوزان طارق
قاضی فرحان احمد
قاضی عدنان احمد
قاضی ریحان احمد
قاضی فیصل
قاضی محمد
قاضی ریان احمد

عرض مرتب

از: قاضی سلمان مبشر مبارکپوری

الحمد للّٰہ الّذی جعلنا من المسلمین و وقفنا لخدمة الاسلام نسئله ان یجعلنا فی زمرة الشہداء والصالحین والصدیقین والصلوٰة والسلام علیٰ من لانبی بعدهٗ وھو سید الانبیاء والمرسلین ورحمة للعالمین وعلیٰ آله واصحابه ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین امابعد۔

والدمحترم مورّخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی وفات ۱۴؍جولائی ۱۹۹۶ء کو ہوئی۔انتقال کے بعد آپ کے علمی سرمایہ کی طباعت واشاعت کی مہم شخصی اور ذاتی طور پر چل رہی ہے، جس کے نتیجے میں آپ کی کچھ غیر مطبوعہ کتابیں اشاعت پزیر ہوئیں اور بعض طبع شدہ کتابوں کی دوبارہ اشاعت عمل میں آئی۔اس طرح مرحوم کی وفات کے بعد اب تک دو درجن سے زائد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ روزنامہ انقلاب بمبئی کے مستقل تفسیری کالم ''جواہر القرآن'' اور ماہ نامہ البلاغ بمبئی کے ''مطالعات وتعلیقات'' کی جمع وترتیب کا کام جاری ہے، انشاء اللہ عنقریب یہ مفید سلسلہ بھی اشاعتی مراحل سے گزر کر قدر دانوں کے ہاتھوں میں آجائے گا۔فالحمدللّٰہ علیٰ ذالک۔

زیرِنظر کتاب ''علماء اسلام کی خونیں داستانیں'' مورّخِ اسلام کے ابتدائی تصنیفی دور کی یادگار ہے، جسے قیامِ لاہور کے زمانے میں ۱۹۴۵ء میں مشہور ومعروف شاعر احسان دانش کی فرمائش پر انہوں نے لکھا تھا، اس وقت آپ اخبار ''زمزم'' کے اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔

''علماء اسلام کی خونیں داستانیں'' احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی راہوں میں پیش آنے والی مصیبت واذیت اور اہل اللہ کی عزیمت واستقامت کے نہایت سبق آموز واقعات سے

تعلق رکھتی ہے۔ کتاب میں پہلی صدی ہجری سے موجودہ دور تک کی اسلامی تحریکوں، فتنوں اور علماء اسلام پر ہونے والے مظالم کو بیان کیا گیا ہے۔ ہر صدی کی تحریکات و واقعات کو الگ الگ ابواب کے تحت پیش کیا گیا ہے اور ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے ہر صدی میں پیدا ہونے والی تحریکوں اور فتنوں کا اجمالی ذکر ہے، پھر اس کے بعد علماء اسلام کے کردار پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ان پر روا رکھے گئے مظالم کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

اس کتاب میں انہیں واقعات و حالات اور سانحات سے سروکار رکھا گیا ہے جو شخصی اور انفرادی نوعیت کے ہیں۔ جن کا تعلق اجتماعی اور عسکری ہنگاموں سے ہے، اُن کا تذکرہ نہیں آیا ہے۔ اس لیے اس میں میدانِ کارزار کی معرکہ آرائیوں اور محاذ جنگ کی مقابلہ آرائیوں کی داستان کی جستجو سعیِ لاحاصل ہوگی۔

مورّخِ اسلام کے بقول انہوں نے یہ کتاب بڑے اہتمام سے لکھی تھی اور احسان صاحب نے بھی بڑے اہتمام سے اس کی عبارت وغیرہ درست کی تھی، اس کا پورا مسودہ احسان دانش کی نگاہِ اصلاح سے گزر چکا تھا اور جہاں جہاں انہوں نے اصلاح کی ضرورت محسوس کی تھی، سرخ روشنائی سے عبارت کی نوک پلک درست کر دی تھی اور زبان و بیان کے اعتبار سے اس کو لائق توجہ بنا دیا تھا۔ اس کتاب کی اشاعت کا انتظام خود انہوں نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ اس سلسلہ میں مورّخِ اسلامؒ اور احسان صاحب کے درمیان ایک روپیہ کے اسٹامپ پیپر پر معاہدہ نامہ بھی لکھا گیا تھا، جس کی عبارت یوں ہے:

''معاہدہ بابت علماء اسلام کی خونیں داستانیں''

قاضی اطہر مبارکپوری ولد حاجی محمد حسن صاحب ساکن مبارکپور ضلع اعظم گڑھ حال وارد لاہور کا ہوں اور اپنی کتاب ''علماء اسلام کی خونیں داستانیں'' کا مسودہ جناب احسان دانش صاحب منیجر دانش گاہِ پنجاب مزنگ لاہور کو مندرجہ ذیل شرائط پر ایک ایڈیشن کے اختتام تک حقوق منتقل کر رہا ہوں:

۱۔ حق تصنیف کے طور پر کتاب چھپنے کے بعد تین سو جلدیں مجھے دی جائیں گی۔

۲۔ یہ ایڈیشن دو ہزار کا ہوگا۔

۳۔ دوسرے ایڈیشن کے لیے احسان دانش صاحب کو ترجیح دی جائے گی۔

العبد قاضی اطہر مبارکپوری

اسسٹنٹ ایڈیٹر روزنامہ زمزم لاہور۔۱۱/اپریل ۱۹۴۷ء

احسان دانش نے اپنی خودنوشت سوانح عمری ''جہانِ دانش'' کے صفحہ ۴۶۷ پر ''علماء اسلام کی خونیں داستانیں'' کا ذکر کرتے ہوئے یہ اطلاع دی ہے کہ ''علماء اسلام کی خونیں داستانیں'' اسّی صفحات کم ہونے کے باعث ہنوز کتابت شدہ میرے پاس موجود ہے۔ مورّخِ اسلام اُسی سلسلے کو دراز کرتے ہوئے اپنی خودنوشت ''کاروانِ حیات'' میں لکھتے ہیں کہ تقریباً چار سو صفحات تک اس کی کتابت ہو چکی تھی۔

یہ کتاب مکمل ہو چکی تھی اور اس کی کتابت بھی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا احسان دانش صاحب کے اہتمام ونگرانی میں تقریباً چار سو صفحات تک ہو چکی تھی۔ یہ زمانہ ہندوستان کی آزادی کے ہنگامے کا آخری دور تھا اور آزادی کے عمل کے ساتھ تقسیم وطن کی کاروائی بھی تیز تر ہو چکی تھی۔ اُسی دَور میں مورّخِ اسلام نے تقسیم ملک کے مطالبات اور ہنگامی حالات کی وجہ سے وطن کی طرف یہ سوچ کر مراجعت کی تھی کہ جب حالات معمول پر آئیں گے تو لاہور آکر تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔ وطن واپسی کے وقت مورّخِ اسلام کتاب کا کچھ حصہ لے کر چلے آئے تھے کہ ہنگامہ کے بعد لاہور آتے وقت ساتھ لیتا آؤں گا، مگر یہ ہنگامے سرد نہیں ہوئے، ملک تقسیم ہو گیا، پھر مورّخِ اسلام لاہور نہیں جا سکے۔ پاکستان بن جانے کے بعد احسان دانش بمبئی کے ایک مشاعرے میں شرکت کی غرض سے ہندوستان آئے اور مورّخِ اسلام سے ملاقات کی غرض سے بار بار آپ کے کمرے پہ آتے رہے۔ جب کتاب کا ذکر آیا تو انہوں نے

بتایا کہ کتابت شدہ کاپیاں میرے پاس محفوظ ہیں، انہیں گم شدگی کے اندیشہ کے سبب ڈاک سے نہیں بھیجا جا سکتا۔ احسان دانش کے انتقال کے بعد معلوم نہیں کتاب کا مسودہ اور کتابت شدہ حصہ کی کیا نوعیت ہے، محفوظ ہے یا ضائع ہوگیا؟

احسان دانش نے اس کتاب کا اشتہار بھی بلاک بنوا کر شائع کیا تھا تاکہ کتاب چھپنے سے پہلے ہی علمی حلقوں اور قدر دانوں میں متعارف ہو جائے۔ یہ اشتہار پورے ایک صفحے پر چھپا تھا اور اس کی عبارت اس طرح تھی:

''علماء اسلام کی خونیں داستانیں''

تاریخ ورجال کی صدہا نادر و نایاب کتابوں کا نچوڑ، اس صدی کے اسلامی اور سیاسی لٹریچر میں غیر فانی شاہ کار کا اضافہ، آغاز اسلام سے لے کر موجودہ دور تک تاریخ کے خونیں اوراق کا البم، ہر صدی کی ابتدا میں فتنوں اور تحریکوں کا تجزیہ، علماء کے مختصر حالات و اہم واقعات جو تاریخ میں ہمیشہ تابان و درخشاں رہیں گے۔ جابر بادشاہوں، ظالم امیروں، ضمیر فروش پیشواؤں اور جاہل عوام کے ناروا سلوک اور سفاکیوں کی جیتی جاگتی تصویریں، قیدخانوں کی گہری تاریکیوں، طوق و سلاسل کی مہیب جھنکاروں، دار و رسن کی جاں گداز گرفتوں اور درّوں کی دردناک آوازوں میں صداقت کی مسکراہٹ، بے گناہوں کی سینہ سپری، حق گوئی و بے باکی اور سچے مسلمانوں کی عزیمت کے بولتے چالتے خاکے۔ قیمت پانچ روپے، مجلد چھ روپے۔

تقسیم کے بعد اس کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں خط و کتابت ہوتی رہی، مگر شائع نہ ہوسکی۔ گویا یہ کتاب تقسیم ملک کی تباہ کاریوں کا شکار ہوگئی۔ جیسے ہمسایوں، دوستوں، بھائیوں کے دلوں کی تقسیم کے بعد در و دیوار کا بٹوارا ہوتا ہے، بالکل اسی طرح اس کتاب کا بھی بٹوارہ ہوگیا۔ مسودہ کا کچھ حصہ اُدھر لاہور میں رہ گیا کچھ حصہ اِدھر ہندوستان آ گیا۔

بہر حال جو کچھ ہمارے ہاتھ لگا وہ ساٹھ برس کے طویل وقفہ کے بعد قارئین و شائقین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

لاہور سے واپس ہوتے وقت مصنف مرحوم اپنے ساتھ کتاب کا جو حصہ اپنے وطن لائے تھے اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ۴۰ رصفحات کم ہیں۔ معلوم نہیں یہاں ہندوستان آنے کے بعد یہ چالیس صفحات ضائع ہو گئے یا مصنف نے بقیہ حصوں کے ساتھ ان چالیس صفحات کو بھی احسان دانش صاحب کے پاس رکھ دیا تھا۔ جو اوراق ہم کو دستیاب ہوئے ہیں، ان میں عرضِ مصنف یا مقدمہ نہیں ہے، اس میں دوسری صدی ہجری کی تحریکات و واقعات کے بعد تیسری، چوتھی، پانچویں صدی کا ذکر نہیں ہے، اس میں کچھ صفحات بے ترتیب رکھے ہوئے ملے، کہیں کہیں اضافہ شدہ عبارتیں اور صفحات بھی ہیں۔ اگر چہ یہ نا تمام و بے ترتیب مسودہ ہے، مگر اس کی حفاظت کی نیت سے اس کی اشاعت عمل میں لائی جا رہی ہے۔

زیرِ نظر کتاب مورّخ مبارکپوری کی ابتدائی تصنیف و تالیف کا نمونہ ہے، جس سے یہ حقیقت بہت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ آپ نے شروع ہی سے قلم کو اسلام کی خدمت کا ذریعہ بنایا اور تعصب و تنگ نظری اور گروہ بندی سے الگ ہو کر صرف اسلامی علوم کی آبیاری کو اپنا مقصودِ زندگی قرار دیا، یہ طریقۂ کار اور اس کی خو اور بو اخیر تک باقی رہی۔ انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی خارجی اثر قبول نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ اسلامی علوم کی خدمت گزاری اور دوسروں کی اسلامی خدمات کا اعتراف کھلے دل سے لذت لے لے کر کیا۔

خدماتِ علمیہ کے اعتبار سے آپ کی ذات ایک انجمن تھی۔ آپ نے تن تنہا وہ کام کیا جو اکیڈمی اور اداروں کے کرنے کے لائق تھا۔ مولانا نے جس ماحول میں علمی و دینی خدمات انجام دی ہیں، اس کی مثال خال خال نظر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ مصنف مرحوم کی علمی خدمات کو قبول کرے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، آمین یارب العالمین۔

اس کتاب کو منظر عام پر لانے کے لیے مولانا قمرالزماں مبارکپوری کا پورا تعاون حاصل رہا ہے، اس لیے وہ ہماری طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

قاضی سلمان مبشر مبارکپوری
مدیر قاضی اطہر اکیڈمی
مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی۔ انڈیا
یکم محرم ۱۴۳۰ھ
۳۰/دسمبر ۲۰۰۸ء

Ph. 0091-5462-250640

Mob. 0091-9936381171

مورخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ کے
مختصر حالاتِ زندگی

از: مولانا قمرالزماں مبارکپوری۔ سکریٹری جعفر لائبریری مبارکپور ضلع اعظم گڑھ

مورخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ کا خاندانی نام عبدالحفیظ بن شیخ حاجی محمد حسن ہے۔ انہوں نے ۴؍رجب ۱۳۳۴ھ مطابق ۷؍مئی ۱۹۱۶ء کو محلّہ حیدرآباد قصبہ مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ، صوبہ اترپردیش کے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جو مغل بادشاہ ہمایوں کے دورِ حکومت میں راجہ سید شاہ مبارک رحمۃ اللہ علیہ بانی مبارکپور کے ہمراہ ضلع الٰہ آباد کے کڑا مانک پور سے ترکِ سکونت کر کے یہاں آباد ہوا تھا۔

مولانا کے خاندان میں ایک عرصہ تک نیابتِ قضا کا عہدہ قائم تھا، اسی لیے آپ بھی قاضی کہے اور لکھے جاتے ہیں۔ انگریزوں کے آخری دَور میں محکمۂ قضا ایک اعزازی محکمہ تھا۔ مبارکپور کے قریب محمد آباد گوہنہ دارالقضا تھا اور قاضی محمد سلیم متوفی ۱۲۶۶ھ، ربیع الآخر ۱۲۵۰ھ سے سولہ برس تک محمد آباد گوہنہ کے قاضی القضاۃ رہے، جنہوں نے مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ کے جدِّ اعلیٰ شیخ امام بخش کو مبارکپور کا نائب قاضی مقرر کر کے، اس حلقہ میں اقامتِ دین، امامتِ جمعہ و عیدین، پیش آمدہ وقتی مسائل، نکاح، طلاق، وراثت، اختلاف بین المسلمین کے قضایا وغیرہ کی انجام دہی کی ذمہ داریاں سپرد کیں۔

مورّخِ اسلام مبارکپوریؒ کے پردادا شیخ محمد رجب بن شیخ محمد رضا کے دو صاحبزادے تھے، میاں جی حاجی لعل محمد اور میاں جی ولی محمد۔ میاں جی ولی محمد کے دو لڑکے تھے، میاں جی محمد شفیع مرحوم اور میاں جی حاجی محمد عمر مرحوم۔ میاں جی حاجی لعل محمد زندگی بھر کسی نہ کسی درجہ میں خاندانی روایات کے حامل رہے۔ حج و زیارت کی دولت حاصل کی۔ ان کی اولاد میں ۴؍صاحبزادے اور دو لڑکیاں تھیں (۱) میاں جی عبداللہ متوفی ۱۵؍رجب ۱۳۵۷ھ

(۲) میاں جی حاجی اسداللہ متوفی ۲۵/ صفر ۱۳۸۲ھ (۳) میاں جی حاجی محمد حسین متوفی ۲۵/ رجب ۱۳۶۵ھ (۴) میاں جی حاجی محمد حسن متوفی ۲۱/ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۸/ فروری ۱۹۷۸ء۔ الحمدللہ میاں جی حاجی لعل محمد کے چاروں صاحبزادوں نے متاہل زندگی گزاری اوران کا خاندان اپنے وطن مبارکپور میں رہتا ہے۔

مورّخِ مبارکپوریؒ کے والد شیخ حاجی محمد حسن بھائیوں اور بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے، ان کے کل ۶/ اولادیں ہوئیں، جن میں ۵/ لڑکے اور ایک لڑکی۔ سب نے متاہل زندگی گزاری جن کی ترتیب مندرجہ ذیل ہے:

(۱) مورّخِ اسلام مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ متوفی بروز یکشنبہ ۲۸/ صفر ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۴/ جولائی ۱۹۹۶ء اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے تھے۔ آپ کی کل آٹھ اولادیں ہوئیں، جن میں ۶/ لڑکے اور دولڑکیاں ہیں۔

(۲) محمودہ خاتون متوفیہ ۱۹۹۵ء ان کی کل آٹھ اولادیں ہیں، جن میں ۶/ لڑکے اور دولڑکیاں ہیں۔

(۳) قاضی حیات النبی متوفی ۱۹۸۰ء ان کے دولڑکے ہیں۔

(۴) قاضی ضیاء النبی متوفی ۱۹۹۴ء کل پانچ اولادیں ہیں، جن میں دولڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

(۵) قاضی غلام النبی بقید حیات ہیں اور ۶/ اولاد کے والد ہیں، جن میں دولڑکے اور چارلڑکیاں ہیں۔

(۶) قاضی عبدالعزیز باحیات ہیں اور ان کی کل ۹/ اولادیں ہیں، جن میں ۷/ لڑکے اور دولڑکیاں ہیں۔ آپ کے تمام بھائی اور ان کی اولاد مبارکپور میں رہائش پذیر ہیں اور زندگی کی دوڑ میں جدوجہد کررہے ہیں۔

مولانا نے گھر پر اپنے والدین مکرمین سے اور محلّہ کے ایک گھریلو مکتب میں تیسرا پارہ پڑھنے کے دَوران مدرسہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں داخلہ لیا۔ یہاں حافظ علی حسن سے ختم قرآن کرکے، منشی عبدالوحید لاہرپوری سے اُردو، منشی اخلاق احمد سے ریاضی اور مولانا نعمت اللہ مبارکپوری

سے فارسی وخوشنویسی کی تعلیم پائی۔ صفر ۱۳۵۰ھ سے شعبان ۱۳۵۹ھ تک تقریباً ۱۰/برس اُسی مدرسہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور کے باصلاحیت اساتذہ حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارکپوری متوفی ۲۲/محرم ۱۴۰۴ھ سے اکثر وبیشتر کتابیں، مولانا شکراللہ مبارکپوری متوفی ۵/ربیع الاوّل ۱۳۶۱ھ سے منطق وفلسفہ کی زیادہ تعلیم، مولانا بشیر احمد مبارکپوری متوفی ۳/شوال ۱۴۰۴ھ سے علم منطق کی بعض کتابیں، مولانا محمد عمر مظاہری مبارکپوری متوفی ۱۳/اپریل ۱۹۹۵ء سے تفسیر جلالین اور اپنے حقیقی ماموں مولانا محمد یحییٰ رسولپوری متوفی ۱۱/صفر ۱۳۸۷ھ سے عروض وقوافی اور ہیئت کے بعض اسباق کی تعلیم حاصل کر کے اُردو، فارسی اور عربی میں صاحبِ کمال ہوئے۔ درمیان میں ۱۳۵۴ھ میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں داخلہ لے کر مقاماتِ زمخشری، دیوان حماسہ وغیرہ کتابیں پڑھیں، مگر کسی وجہ سے سال پورا ہونے سے پہلے ہی مبارکپور آکر احیاء العلوم میں تعلیم پانے لگے۔ بہرحال آخری سال ۱۳۵۸ھ میں دوبارہ دَورۂ حدیث کے لیے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد گئے اور وہاں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد متوفی ۱۳۹۲ھ سے صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۶/شوال ۱۳۹۵ھ سے سنن ترمذی دیوان حماسہ اوّل، مقاماتِ زمخشری اور مولانا محمد اسماعیل سنبھلی متوفی ۱۳۹۵ھ سے صحیح مسلم پڑھ کر ۱۳۵۹ھ[1] میں سند فراغ حاصل کی۔

مولانا نے اپنی طالب علمی کے زمانہ ہی میں اپنی قوت مطالعہ وکثرت کتب بینی کی وجہ سے عربی زبان وادب کے متعلقات ومبادی جیسے لغت، اشتقاقِ ابواب، صلات نحو، صرف، خاصیات وغیرہ کے باب میں بڑی صلاحیت وبصیرت حاصل کر لی تھی۔ ان کے عربی کا ذوق مقامات حریری، دیوان حماسہ، دیوان متنبی، سبعہ معلقہ کے درس اور لغت وادب کی کتابوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ ابتداء میں کڑی محنت ومطالعہ کی برکت تھی کہ قاضی صاحب نے اپنی تعلیمی زندگی میں مشکل مقامات کو حل کرنے کی پوری پوری صلاحیت پیدا کر لی تھی، جس کی وجہ سے اس دَور کو انہوں نے نہایت نشاطِ علمی کے ساتھ گزارا۔ یہی وجہ تھی کہ قاضی صاحب کو اپنی طالب علمی

[1] مئے طہور میں ۱۳۶۰ھ غلطی سے درج ہے۔ (قمر)

کے دَور ہی میں مدرسہ احیاء العلوم کے عربی تلامذہ کو بعض درسی کتابوں کی تعلیم وتدریس کی ذمہ داری ارباب بست وکشاد کی طرف سے سونپی گئی، جس کو مورّخِ مبارکپوریؒ نے نہایت خوش اُسلوبی اور تمام تر علمی کامیابیوں کے ساتھ سرانجام دیا۔

مولانا کو ابتدا ہی سے کتابوں کے جمع کرنے اور خریدنے کا شوق تھا۔ اُنھوں نے جِلد سازی کر کے اس کی رقم سے بڑی اہم اہم کتابیں جمع کیں۔ کتاب ومطالعہ کے اسی ذوق کی وجہ سے ان میں مضمون نگاری اور شعر وشاعری کا رُجحان پیدا ہوا۔ اس طرح مولانا کا پہلا مضمون ''مساوات'' کے زیرِ عنوان رسالہ ''مومن بدایوں'' کے دسمبر ۱۹۳۴ء مطابق ۱۳۵۳ھ میں شائع ہوا جوان کے حصولِ تعلیم کی مُدّت ہے۔ اسی طرح مولانا کی پہلی نظم رسالہ الفرقان بریلی کے شمارۂ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ میں ''مسلم کی دعا'' کے عُنوان سے چھپی۔

مولانا مبارکپوری تکمیل تعلیم کے بعد شوال ۱۳۵۹ھ سے محرم ۱۳۶۴ھ تک یعنی تقریباً سوا چار سال تک اپنی مادرِ علمی احیاء العلوم میں عربی کے مدرّس رہے، کچھ وقفہ کے بعد شوال ۱۳۶۶ھ سے صفر ۱۳۶۷ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء تا جنوری ۱۹۴۷ء کل چار ماہ تک اسی مدرسہ میں عربی کے عارضی مدرّس بھی رہے۔

مولانا فراغت کے بعد کافی مالی پریشانی میں رہے، امرتسر اور لاہور گئے۔ وہاں جنوری ۱۹۴۷ء میں مولانا عثمان فارقلیط مدیر روزنامہ ''زمزم'' کے نائب اڈیٹر بنائے گئے اور ان کی رہنمائی میں صحافت میں قدم رکھا، لیکن وہ ۱۰/جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کی شورش سے وطن لَوٹ آئے اور پھر کبھی نہ جا سکے۔ محرم ۱۳۶۷ھ مطابق نومبر ۱۹۴۷ء تا رجب ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء بہرائچ میں ہفتہ وار اخبار ''انصار'' کے مُدیر رہے۔ جو سات ماہ کے بعد حکومتِ اُتر پردیش کی معاندت کے بعد بند ہو گیا۔ شوال ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء سے شعبان ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۹ء تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مدرّس رہے۔ یہاں کا ایک سالہ تدریسی دَور مولانا کی علمی وقلمی زندگی کا اہم ترین دَور ہے۔ ''رجال السند والہند'' کی ابتداء یہیں ہوئی، جو علمائے سِندھ اور ہند کے احوال وکوائف میں ایک اہم کتاب سمجھی گئی ہے۔

تلاشِ معاش میں قاضی صاحب ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ مطابق نومبر ۱۹۴۹ء میں بمبئی گئے اور وہاں جمعیۃ العلماء صوبہ بمبئی کے دفتر میں کام کرنے لگے۔ اس طرح آٹھ ماہ گزارنے کے بعد جب ۱۵ر جون ۱۹۵۰ء کو روزنامہ ''جمہوریت'' بمبئی کا پہلا شمارہ اشاعت پذیر ہوا تو مولانا اس کے نائب مُدیر بنا دیے گئے۔ آپ کی محنت اور لگن کی وجہ سے یہ روزنامہ چند ہی دِنوں میں بمبئی کا مقبول ترین روزنامہ سمجھا جانے لگا اور روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی کی مقبولیت اور دائرۂ اثر کو بھی متاثر کرنے لگا۔ فروری ۱۹۵۱ء میں بمبئی کے مقبول ترین اخبار ''انقلاب'' سے وابستہ ہوکر اس کے نائب مُدیر کے فرائض انجام دینے لگے۔ مولانا کے مضامین اور قلمی نوادر کی وجہ سے ''انقلاب'' کو بہت فروغ ملا۔ اس اخبار میں مولانا کے تو ہونے کو تین تین چار چار کالم ہوتے تھے مگر ان میں احوال و معارف کو جو ہر قسم کی معلومات کا خزانہ ہوا کرتا تھا۔ قدیم وجدید دونوں حلقوں میں مقبولیت حاصل تھی۔ ۲۳ر فروری ۱۹۵۱ء سے ۱۰ر اپریل ۱۹۹۱ء تک کے ''انقلاب'' میں مطبوع احوال و معارف کو اگر کتابی صورت میں الگ الگ عنوان کے تحت مرتب کیا جائے تو کئی معیاری کتابیں صورت پذیر ہوسکتی ہیں اور اس طرح یہ منتشر اور پھیلا ہوا کالم علمی حلقوں میں مصادر و مراجع کا بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔ مگر یہ کام ایک مرد کار کی توجہ سے ہی انجام پا سکتا ہے۔

جب ۱۴ر مئی ۱۹۵۴ء کو ہفت روزہ ''البلاغ'' بمبئی کا اجرا ہوا تو اسی کے ساتھ ماہنامہ ''البلاغ'' کی تاسیس بھی ہوئی اور دوسرے دو مدیروں کے ساتھ مولانا کو بھی اس کی ادارت میں شریک کیا گیا۔ کچھ دِنوں کے بعد دونوں مدیران نے رسالہ سے ترکِ تعلق کرلیا، مگر مولانا مبارکپوری نے تقریباً ۲۶ر سال تک ''البلاغ'' کا مُدیر تحریر رہ کر اس کو جاری رکھا۔

مولانا کی علمی زندگی، علمی و قلمی انہماک و اشتغال، سادگی و پُرکاری، توکل واستغنا، ایمان ویقین، خوداعتمادی وخوش اعتقادی، حزم واحتیاط، نظم وضبط، کم گوئی واستغراق، تفکر وتبحر، محنت و جانفشانی، جگر کاوی و دل سوزی، یکسوئی و دل جمعی، ترتیب وتنظیم، تہذیب وشائستگی، خوش نظری و جہاں بینی اور خوش روئی وخوش خلقی سے عبارت تھی۔ بمبئی جیسے دولت کے شہر میں

رہ کر مولانا کو دنیا داری اور دولت کمانے کے بہت سے مواقع نصیب ہو سکتے تھے، مگر مولانا میں جو دنیا بیزاری، علم پروری اور اخلاص دینی کا جذبہ تھا، اس نے دولت کمانے کے تمام راستوں سے گریز کیا۔ سعودیہ عربیہ اور عرب ممالک کے سلطانوں، رئیسوں، تاجروں اور قدردانوں میں اپنا علمی اثر ونفوذ رکھنے کے باوجود اس طرح کی تمام پیشکش کو انھوں نے ٹھکرادیا، جس سے دولتِ دنیا میں اضافہ ہوسکتا تھا۔ مولانا اپنے دینی وعلمی اور قلمی اشتغال میں یوں کھوئے رہے کہ قوتِ لایموت سے صرف تعلق باقی رکھا، دوسرے تمام رشتوں اور رسم دل بستگی ودل جوئی کو اپنی ذاتی زندگی میں کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔ آپ کو پانچ مرتبہ حج وزیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔

مولانا صرف ایک ادیب اور شاعر ہی نہیں تھے، وہ دین وسیاست کے ساتھ عملی زندگی میں بھی ربط رکھتے تھے اور دوسری تحریکوں سے دلچسپی رکھنے کے دوش بدوش علمی ودینی اداروں کی تاسیس میں بھی سرگرمی دکھاتے تھے۔ ۱۱/ جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۱ء کو مدرسہ مفتاح العلوم بھیونڈی جاری کیا، جو آج بھی ترقی کی منزلیں طے کررہا ہے۔ مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری اور محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی مشترکہ کوششوں سے حدیث کی نادر ونایاب کتابوں کی تحقیق وتعلیق کی غرض سے ۱۹۶۰ء میں ''ادارہ احیاء المعارف'' مالیگاؤں مہاراشٹر کا قیام عمل میں آیا، اس ادارہ سے حدیث کی قدیم ونادر غیر مطبوعہ کتابیں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق وتعلیق سے شائع ہوئیں، اِس سلسلہ کی پہلی کڑی ''انتقاء الترغیب والترہیب'' ہے، جو حافظ ابن حجر عسقلانی کی مشہور حدیث کی کتاب ''الترغب والترہیب'' کا اختصار ہے۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت گجرات کے فارغ اور دار العلوم دیوبند سے بھی فیض تعلیم اٹھائے ہوئے مولانا ابوسلمہ شفیع احمد بہاری نے ایک اشاعتی ادارہ ترجمہ وتالیف بہار کو قائم کیا، جس سے حدیث وغیرہ کی کئی کتابیں اشاعت پزیر ہوئیں، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری کو بھی انہوں نے اس کا رکن منتخب کیا تھا، اسی طرح مبارکپور میں تصنیف وتالیف کے لیے دائرۂ ملیہ قائم کیا۔ اس ادارہ کے ذریعہ آپ کی کچھ کتابیں شائع ہوئیں۔ جدید تعلیم کے لیے ۱۰/ اپریل ۱۹۷۶ء کو انصار گرلس اسکول مبارکپور اور ۱۴۰۰ھ میں مدرسہ حجازیہ کی تاسیس عمل میں آئی۔

قاضی صاحب کے اساتذۂ احیاء العلوم میں کوئی ادیب وشاعر، صحافی وانشا پرداز اور مصنف ومرتب نہیں تھا، مگر انھوں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں اور خداداد مہارت سے اس تصور کو عملاً سچ کر دکھایا کہ اگر انسان میں شاہین کا تجسس اور چیتے کا جگر ہے نیز عزم وحوصلہ کی کمی نہیں ہے تو وہ چھوٹی جگہ رہتے ہوئے بھی مرحلۂ وہم وگماں سے گزر کر رجال علم کی صف میں اپنی جگہ بنا سکتا ہے اور معاشرہ کو اپنی موجودگی کا احساس دلاسکتا ہے۔ مولانا کی ایک ایک سطر اپنے اندر علمی وتعلیمی نشاط، تاریخی وکتابی جذبۂ شوق، بلند حوصلگی، عالی ہمتی، خودسازی وعہد سازی کا تموج واہتزاز رکھتی ہے۔

مورّخِ اسلام مبارکپوریؒ کے زرنگار قلم سے پچاس سے زائد کتابیں منصۂ شہود پر آئی ہیں۔ سب سے پہلی کتاب ''اسلامی نظامِ زندگی'' ۱۹۴۹ء میں بمبئی سے شائع ہوئی اور سب سے آخری کتاب وفات سے چندروز پہلے ۱۹۹۶ء میں ''خواتین اسلام کی علمی ودینی خدمات'' شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوئی۔ ان کی اکثر کتابیں دوبارہ شائع ہورہی ہیں۔ آپ کی کتاب ''عرب و ہند عہد رسالت میں'' اور ''ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں'' کا ترجمہ عربی اور سندھی زبانوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اسی طرح ''رجال السند والہند'' کا اُردو ترجمہ منتظر اشاعت ہے۔ آپ کی زندگی میں بعض کتابیں شائع نہیں ہوسکی تھیں، جن کی اشاعت کی اب تیاری ہورہی ہے۔ آپ کی تصانیف کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

(۱) ائمہ اربعہ

(۲) اسلام اور مسلمان

(۳) اسلام میں قربانی کی حقیقت اور صفات مومن

(۴) اسلامی شادی

(۵) اسلامی نظامِ زندگی

(۶) اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ

(۷) افاداتِ حسن بصری

(۸) الحکومات العربیہ فی الہند والسند (عربی)

(۹) الخطبات والرسائل العربیہ (عربی)

(۱۰) الطبابۃ عندالعرب قبل انتشار الطب الیونانی (عربی)

(۱۱) العرب والہند فی عہد الرسالۃ (عربی)

(۱۲) العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین (عربی)

(۱۳) الہند فی عہد العباسیین (عربی)

(۱۴) امثال العرب (عربی)

(۱۵) آثار واخبار

(۱۶) آسودگان خاک

(۱۷) بناتِ اسلام کی دینی وعلمی خدمات

(۱۸) تاریخ اسماء الثقات (عربی)

(۱۹) تاریخ مبارکپور

(۲۰) تبلیغی وتعلیمی سرگرمیاں عہدِ سلف میں

(۲۱) تدوین حدیث

(۲۲) تدوین سیر ومغازی

(۲۳) تذکرہ علمائے مبارکپور

(۲۴) جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول (عربی)

(۲۵) جواہر القرآن

(۲۶) حج کے بعد

(۲۷) خلافتِ راشدہ اور ہندوستان

(۲۸) خلافتِ امیہ اور ہندوستان

(۲۹) خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان

(۳۰) خواتین اسلام کی علمی و دینی خدمات

(۳۱) خیر الزاد فی شرح بانت سعاد (عربی)

(۳۲) خیر القرون کی درسگاہیں

(۳۳) دعاءِ ماثورہ

(۳۴) دیارِ پورب میں علم اور علماء

(۳۵) دیارِ پورب کے علمی خانوادے

(۳۶) دیوانِ احمد (عربی) (تعلیق وتصحیح)

(۳۷) رجال السند والہند الی القرن السابع (عربی)

(۳۸) سوانح امام جوزی

(۳۹) سیرت رسول خود حضور کی زبان مبارک سے

(۴۰) صالحات

(۴۱) طبقات الحجاج

(۴۲) عرب وہند عہد رسالت میں

(۴۳) علمائے اسلام کے القاب وخطابات

(۴۴) علمائے اسلام کی خونیں داستانیں

(۴۵) علمائے اسلام کے قصص واحوال

(۴۶) عہد نبوی کی درس گاہیں اور ان کا نظامِ تعلیم

(۴۷) علیؓ وحسینؓ

(۴۸) قاضی اطہر مبارکپوریؒ کے سفرنامے

(۴۹) قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک

(۵۰) کاروان حیات (خودنوشت سوانح)

(۵۱) مآثر ومعارف

(۵۲) محمد کے زمانہ کا ہندوستان مع ہندوستان صحابہ کے زمانہ میں
(۵۳) مرآۃ العلم
(۵۴) مسلمان
(۵۵) مسلمانوں کے ہر طبقہ میں علم اور علماء
(۵۶) مسئلہ خلق قرآن کی سیاسی حیثیت
(۵۷) مطالعات وتعلیقات
(۵۸) معارف القرآن
(۵۹) مقالاتِ اطہر
(۶۰) مکتوبات امام احمد ابن حنبلؒ
(۶۱) منتخب التفاسیر
(۶۲) مئے طہور (مجموعۂ کلام)
(۶۳) نسخہ شفاء
(۶۴) ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں
(۶۵) ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت
(۶۶) ہندوسند کے قدیم علماء (رجال السند والہند عربی کا اردو ترجمہ)۔

مولانا مرحوم کے ان مستقل تصنیفی کاموں کے علاوہ سینکڑوں علمی، دینی اور تاریخی مقالات ومضامین ''البلاغ'' بمبئی، ''معارف'' اعظم گڑھ، ''برھان'' دہلی، ''صدقِ جدید'' لکھنؤ، ''دارالعلوم'' دیوبند اور دیگر اخبار ورسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ ان بکھرے ہوئے علمی ودینی جواہر پاروں کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

مولانا کی علمی وقلمی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ حکومت ہند نے ۱۹۸۵ء میں صدرِ جمہوریہ ایوارڈ دیا۔ ۱۹۸۴ء ۱۹۸۶ء میں صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق نے اعترافِ علمی میں دیگر تحائف اور نشانِ پاکستان دیا، اسی کے ساتھ پاکستانی دانشوروں کی طرف سے

''محسن سندھ'' کے خطاب سے بھی نوازے گئے۔

مولانا انجمن تعمیراتِ ادب، لاہور کے معتمد، مدرسہ مفتاح العلوم ہندوستانی مسجد بھیونڈی مہاراشٹر، انصار گرلس انٹر کالج مبارکپور ضلع اعظم گڑھ اتر پردیش، جامعہ حجازیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ اتر پردیش کے بانی، دارالسلام ادری ضلع مئو اتر پریش کے نگراں، ادارہ التراث العربی کویت کے مشیر علمی، جمعیۃ العلماء مہاراشٹر کے صدر، دینی تعلیمی بورڈ مہاراشٹر کے صدر، انجمن خدام النبی بمبئ کے رکن، رویتِ ہلال کمیٹی بمبئ کے رکن، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تاسیسی، شیخ الہند اکیڈمی دیوبند کے سربراہ، دارالمصنفین اعظم گڑھ کے رفیق اعزازی، برہان دہلی کے اعزازی مدیر، دارالعلوم تاج المساجد بھوپال، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ حسینیہ لال دروازہ ضلع جونپور اتر پریش اور جامعہ اشرفیہ نیا بھوج پور (بہار) کے رکن مجلس شوریٰ بھی بنائے گئے۔

اللہ نے مولانا کے علم، اولاد اور مال میں بڑی برکت دی ہے، جو کسی کسی کے ہی حصے میں آتی ہے۔ یہ مولانا کے دینی اخلاص، علمی انہماک، باطنی طہارت، تزکیۂ نفس اور دنیا بیزاری کا نتیجہ ہے۔ علمی دنیا کا یہ بطل عظیم اور رجل کریم یکشنبہ ۲۷ر صفر ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۴ر جولائی ۱۹۹۶ء کو شب ۱۰ر بجے علائق دنیا سے رشتہ توڑ کر اپنے مالکِ حقیقی سے جاملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو رحمت و انوار کی بارشوں میں رکھے۔ آمین

اولاد واحفاد

مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ دنیاوی نعمتوں کے اعتبار سے بھی خوش نصیب تھے۔ مولانا مرحوم کی کل آٹھ اولادیں ہوئیں، جن میں چھ اولاد ذکور اور دو اولاد اناث تھیں۔ مولانا کے دو بچے شریف انور اور انور جمال صغر سنی ہی میں فوت ہوگئے۔ مولانا نے علم و دینداری کی جو روایات آگے بڑھائیں، ان کی اولاد میں بھی تعلیم وتعلم اور دین و دیانت کی وہ وراثت پروان

چڑھی اور سب کے سب لڑکے اور لڑکیاں تعلیم یافتہ اور صاحب صلاحیت ہیں۔ بلکہ یہ سلسلہ اب اولاد سے گذر کر احفاد تک بھی آ گیا ہے اور ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کی بہترین مثال پیش کر رہا ہے۔

(۱) مورّخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ مرحوم کے سب سے بڑے فرزند مولانا خالد کمال مبارکپوریؒ تھے۔ یکم دسمبر ۱۹۳۸ء ان کی تاریخ ولادت ہے۔ بڑے ذہین وفطین وخوش مزاج تھے۔ ابتدائی اُردو کے بعد فارسی اور عربی کی تعلیم مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں حاصل کرنے کے بعد دو سال تک دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث مکمل کر کے ۱۹۵۸ء میں سندفراغ حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں کچھ عرصہ تدریسی خدمات انجام دیں، پھر اپنے والد مرحوم کے ۱۹۵۱ء میں قائم کردہ مدرسہ مفتاح العلوم بھیونڈی میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ اس دوران آپ کی ذہانت وصلاحیت سے متاثر ہو کر حکومتِ مصر کے قونصل جنرل عبدالمنعم النجار نے مشہور عالمی درسگاہ جامعہ ازہر میں سرکاری وظیفہ پر داخلہ کے لیے زور دیا، لیکن مولانا قاضی اطہر اسلامی تہذیب وشرافت کی اقدار پر دل وجان قربان کیے ہوئے تھے۔ انھیں یہ دیکھ کر سخت ذہنی اذیت ہوتی تھی کہ جامعہ ازہر سے پڑھ کر واپس آنے والے اسلامی لباس سے عاری اور بے ریش ہو جایا کرتے تھے اور اپنے رہن سہن میں یہود ونصاریٰ کا نمونہ بن جاتے تھے، اس لیے مولانا کو وہاں بھیجنے میں سخت تکدر وتامل تھا۔ مگر جب مدینہ یونیورسٹی قائم ہوئی تو مولانا نے اپنے فرزند کے علمی وفنی کمالات اور دینی حمیت میں اضافہ کے لیے نشاط وانشراح کے ساتھ ۱۹۶۲ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخل کرادیا۔ پانچ برس تک لائق اساتذہ سے علم دین کی تکمیل کر کے ۱۹۶۷ء میں مدینہ یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ سے فارغ ہوئے اور حکومتِ سعودی عرب کی وزارتِ اسلامی امور کی طرف سے گھانا مغربی افریقہ میں مبعوث بنا کر دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے مامور کیے گئے۔ مغربی افریقہ میں مولانا خالد کمال کی علمی ودینی اور اصلاحی وتبلیغی سرگرمیوں نے قومی ودینی زندگی میں بڑی نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں۔ ان کی کوششوں سے سعودی حکومت نے قادیانیوں کو

غیر مسلم قرار دے کر حج سے روکا۔مولانا خالدکمال نے گھانا میں چودہ برس تک اہم دینی و علمی خدمات انجام دیں۔وہاں سے انگریزی میں ''اطہر'' کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا۔حکومتِ سعودی عرب نے مولانا خالدکمال کی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں ۱۹۸۱ء میں نیوزی لینڈ تبادلہ کردیا، جہاں وہ اپنی وفات ۵/دسمبر ۱۹۹۹ء تک برسر کار رہے۔آپ نے پندرہ بار حج بیت اللہ ادا کیا تھا۔

نیوزی لینڈ میں مولانا خالدکمال مبارکپوریؒ نے ایک عظیم الشان اسلامک سینٹر قائم کرکے، اس میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ نیوزی لینڈ میں مسلمانوں کی یہ پہلی مسجد قرار پائی۔اس کی تعمیر وتزئین کے لیے مولانا خالدکمال نے یورپ اور امریکہ کا دورہ کرکے مالیات کی فراہمی کی تھی۔

مولانا خالدکمال میں بڑی خوبیاں تھیں، وہ ادیب وشاعر اور اسلامی دانشور بھی تھے۔ طالب علمی کے زمانے ہی میں والد صاحب کی طرح قرطاس وقلم کی امانت انھیں حاصل ہوگئی تھی۔ان کے مضامین نظم ونثر جو''البلاغ''اور دوسرے رسائل میں شائع ہوئے،ان سے علمیت اور ادبیت کا احساس ہوتا ہے۔مولانا بڑے ہنس مکھ اور محفل کو زعفران زار بنادینے والی شخصیت کے مالک تھے۔وہ جہاں بھی ہوتے اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے تھے۔انھیں اداروں کو ترقی دینے اور انھیں قومِ مسلم کے لیے کارآمد بنانے کا بہت اچھا سلیقہ معلوم تھا۔ ۵/دسمبر ۱۹۹۹ء کو نیوزی لینڈ میں غریب الوطنی کی موت آئی وہیں پیوندِ خاک ہوئے:

مرتبہ بخشنے شہادت کا
موت پردیس ہی میں آدھمکی

مولانا خالدکمال مبارکپوری کے ایک لڑکے فوزان طارق اور پانچ لڑکیاں ہیں۔مولانا کی تمام اولاد متاہل زندگی گزار رہی ہیں اور سب کی سب نیوزی لینڈ میں مقیم ہیں، وطن آنا جانا رہا کرتا ہے۔

فوزان طارق کی ابتدائی تعلیم مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں ہوئی، پھر نیوزی لینڈ میں یونیورسٹی کی سطح تک تعلیم حاصل کی اور عربی پڑھنے کے لیے قاہرہ بھی گئے۔فوزان طارق اس

وقت نیوزی لینڈ میں سرکاری صیغۂ ملازمت سے وابستہ ہیں۔

(۲) مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ کے دوسرے صاحبزادے قاضی حاجی ظفر مسعود صاحب ہیں۔ان کی تاریخ پیدائش یکم دسمبر ۱۹۴۱ء؁ ۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ؁ ہے۔انھوں نے مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور سے پرائمری درجات پاس کرنے کے بعد ایم پی انٹر کالج مبارکپور سے ۱۹۶۰ء؁ میں ہائی اسکول پاس کیا۔پھر دینی و مذہبی تعلیم کی لیے مدرسہ احیاء العلوم میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۹ء؁ میں مدرسہ مفتاح العلوم مئو سے پہلی پوزیشن میں عالم کا امتحان پاس کیا۔دو مرتبہ شرف حج بیت اللہ حاصل کیا۔۱۹۶۸ء؁ میں فخر المحدثین علامہ سید فخر الدین شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے آپ کی علمی لیاقت سے خوش ہوکر خصوصی سند حدیث سے نوازا۔قاضی ظفر مسعود کی علمی و دینی سرگرمیوں سے کئی میدان سرسبز ہیں۔

انھیں مشاعروں، ادبی تقریبات اور علمی گفتگو سے خاص تعلق حاصل ہے۔مطالعہ کے موضوعات میں بڑا تنوع اور پھیلاؤ ہے۔مبارکپور میں لڑکیوں کی پہلی انگریزی درسگاہ انصار گرلس انٹر کالج کے بانیوں میں سے ہیں۔اس سے پہلے بھی کئی انجمنوں، لائبریریوں اور اداروں کو وجود میں لانے کا فخر حاصل ہو چکا ہے۔انھیں موقع محل کے اچھے اور معیاری اشعار خوب ازبر ہیں اور ان کے استعمال میں بڑی برجستگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔انھوں نے مولانا قاضی اطہر کے سلسلے میں کئی اشاریے ترتیب دیے ہیں۔ جو تحقیقی کام کرنے والوں کی رہنمائی کا بہتر فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے ۹؍اولادوں کی ولدیت کا شرف بخشا ہے۔جن میں صرف ایک لڑکے مولوی قاضی فرحان سلمہٗ ہیں۔ان کی ولادت ۱۱؍نومبر ۱۹۷۶ء؁ کو ہوئی۔ان کی ابتدائی اُردو اور عربی کی تعلیم مدرسہ احیاء العلوم میں ہوئی اور فراغت ایشیا کی شہرۂ آفاق درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے ہوئی۔گھر پر عائلی زندگی گزار رہے ہیں اور کاروبار میں اپنے والد کی مدد کر رہے ہیں۔

(۳) مورّخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری علیہ الرحمہ کے تیسرے فرزند مولانا قاضی سلمان مبشر مبارکپوری (ولادت یکم جنوری ۱۹۵۱ء؁) ہیں۔اُردو، فارسی اور عربی کی تعلیم احیاء

العلوم میں پانے کے بعد ایک سال کے لیے دارالعلوم دیوبند گئے اور وہاں سے ۱۹۷۲ء میں سند فراغ لینے کے بعد ۱۹۷۴ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۸ء میں کلیۃ الدعوۃ و اصول الدین کی تکمیل کر کے حکومتِ سعودی عرب کی وزارت اسلامی امور کی طرف سے مبعوث بنا کر غانا مغربی افریقہ میں مامور کیے گئے۔ وہاں فیملی کے ساتھ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۹۲ء تک ۱۴ برس رہے اور دینی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۹۲ء میں سعودی حکومت نے تبادلہ کر کے ہندوستان بھیجا اور مختلف مدارس میں انھوں نے تعلیم دی، جس کی تفصیل اس طرح ہے:

آپ نے ۱۹۹۲ء سے دسمبر ۱۹۹۳ء تک جامعہ حجازیہ مبارکپور سے وابستگی رکھی، یہ مدرسہ نئ صدی ہجری کے استقبال کے لیے مورخ اسلام مبارکپوریؒ کی عملی جدوجہد اور تعلیم و تدریس سے ان کی ذہنی مناسبت کے زیر اثر وجود پزیر ہوا۔

۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۹ء تک مدرسۃ المساکین بہادر گنج ضلع غازیپور میں تدریسی خدمات انجام دیں، مدرسۃ المساکین کا نام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے رکھا ہے، یہاں ان کا علمی و دینی اور تبلیغی و اصلاحی دورہ ہوتا رہا ہے، یہ مدرسہ ضلع غازیپور کے اہم عربی مدارس میں سے ہے، اس کا تدریسی عملہ بڑا ہے، اس کے بعد آپ کا تبادلہ مرکز العلوم سونگڑا ضلع کٹک صوبہ اڑیسہ میں ہوا، مرکز العلوم کا قیام ۱۹۴۶ء میں مولانا اسماعیل کٹکی فاضل دارالعلوم دیوبند کی کوششوں سے عمل میں آیا تھا، اس کے ناظم مولانا سید سراج الساجدین بھی فاضل دیوبند تھے، اس عربی درس گاہ کا شمار اہم دینی مدرسوں میں ہوتا ہے، مولانا سلمان کا تبادلہ تو اس ادارے میں ضرور ہوا مگر انہوں نے کچھ وجوہات کی بنا پر یہاں قیام نہیں فرمایا، ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۶ء تک جین پور ضلع اعظم گڑھ کے ''جامعۃ البنات'' میں معلّمی پر مامور رہے، جامعۃ البنات جین پور ضلع اعظم گڑھ کے بانی مجاہد آزادی مولانا عبدالحکیم تھے، انہوں نے جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں تعلیم پائی اور مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری سے افادۂ درس حاصل کیا تھا، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کی تھی، قاضی سلمان یہاں سے تبادلے پر ۲۰۰۷ء میں ضلع اعظم گڑھ کے مشہور مدرسہ دارالعلوم حسین آباد انجان شہید آ گئے، یہاں آپ کے ذمہ صحیح بخاری و

صحیح مسلم کے علاوہ فقہ کی تعلیم تفویض ہوئی، ہنوز درسِ صحیحین وفقہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اس مدرسہ کے بانی مولانا عبدالحیٔ چشتی متوفی ۱۹۷۵ء فاضل دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد اوران کے خلیفۂ مجاز تھے، انہوں نے ۱۹۵۴ء میں دارالعلوم حسین آباد کو شیخ الاسلام کی یادگار میں پیراہن وجود بخشا۔

آپ نے چھ مرتبہ حج کیا ہے۔ اپنے والد مورّخِ مبارکپوریؒ کے علمی ودینی کارناموں کو منظرِ عام پر لانے کے لیے دل میں تڑپ رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں مختلف افراد وادارہ سے مسلسل رابطہ قائم کیے ہوئے ہیں۔ مولانا مرحوم کی جن کتابوں کے ایڈیشن ختم ہو گئے ہیں، ان کی اشاعت ثانی اور جو کتابیں منتظر اشاعت ہیں ان کو زیور طبع سے آراستہ کرنے کی تگ ودو میں اپنے وقتِ عزیز اور زرِ کثیر کو لگا رہے ہیں۔ جواہر القرآن کی ترتیب میں ہمہ تن مصروف ہیں، مورّخِ مبارکپوری نے قرآن کریم کی تفسیر متواتر چالیس برس تک لکھی تھی، جو روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی کی روزانہ کی اشاعت میں چھپتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔ مولانا قاضی سلمان مبشر کے حبالۂ عقد میں مورّخِ اسلام مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ کے حقیقی ماموں حضرت مولانا محمد یحیٰ رسولپوری کی صاحبزادی نزہت خاتون ہیں۔ جن کے بطن سے پانچ اولاد ہیں، جن میں تین اولاد ذکور اور دو اولاد اناث ہیں۔ بڑے صاحبزادے قاضی فیصل نے ابتدائی تعلیم غانا (مغربی افریقہ) میں حاصل کی اور اس کے بعد ۱۹۸۸ء سے اپنے تایا مولانا خالد کمال کے سایۂ شفقت میں رہ کر نیوزی لینڈ کے مختلف اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں تعلیم مکمل کی۔ وکٹوریہ یونیورسٹی ولنگٹن سے کمپیوٹر سائنس میں اعلیٰ قابلیت کی سند حاصل کر کے اسی شعبہ میں ملازمت کرلی۔ پانچ سال کے بعد کمپنی نے انھیں اپنی نئی برانچ سڈنی (آسٹریلیا) میں کارِ منصبی کی انجام دہی کے لیے بھیج دیا ہے، جہاں اب تک اپنے بیوی بچوں کے ساتھ برسرکار ہیں۔ دوسرے صاحبزادے قاضی محمد ہیں، جن کی ابتدائی تعلیم غانا میں ہوئی۔ ۱۹۹۵ء میں مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ منتقل ہو گئے۔ یہاں ۲۰۰۳ء میں ایم.اے. ویسٹ ایشیا اسٹڈی میں ٹاپ کیا اور مڈل کے مستحق ہوئے۔ اس وقت آسٹریلیا میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ تیسرے لڑکے قاضی ریان احمد

ہیں، جنھوں نے غانا میں پڑھنے کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور کے شعبۂ فارسی میں داخلہ لیااور شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج اعظم گڑھ سے بی کام کیا۔

(۴) مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ کے سب سے چھوٹے بیٹے قاضی حسان احمد (متولد یکم جمادی الآخر ۱۳۷۳ھ) ہیں۔ جنھوں نے مدرسہ احیاء العلوم میں اپنا تعلیمی سلسلہ شروع کیا اور شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ ڈگری کالج اعظم گڑھ سے بی.اے.کیا۔ اس کے بعد اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا۔ اس وقت انصار گرلس انٹر کالج میں امورِ مفوضہ کی انجام دہی میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی پرورش و پرداخت میں آٹھ اولادیں ہیں، جن میں ۲/ذکور اور ۶/اناث ہیں۔ ان کے بڑے بیٹے قاضی عدنان کی ابتدائی تعلیم مدرسہ احیاء العلوم میں ہوئی اور سند فراغ مظاہر العلوم سہارن پور سے حاصل کی۔

(۵) اَمَۃُ الرحمٰن ام سلمٰی (پ یکم مارچ ۱۹۴۸ء مطابق ۱۹/ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ) مولانا قاضی اطہر کی بڑی صاحبزادی ہیں، جو اپنے نانہالی رشتے میں محمد آباد گوہنہ ضلع مئو کے رہنے والے ماسٹر مصباح الدین محمد رافع سے منسوب ہیں۔ اولاد میں ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں۔ ماسٹر مصباح الدین مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی زوجہ سائرہ خاتون مرحومہ کے ماموں زاد ہیں۔ شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ سے بی. ایس. سی کر کے گورکھپور یونیورسٹی سے ایم.ایس.سی.کیا۔ ۱۹۶۷ء سے اسلامیہ انٹر کالج فیروز آباد میں بائیلوجی کے لکچرار رہے ہیں، اب ۲۰۰۵ء سے پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہیں۔ مع اہل وعیال فیروز آباد میں قیام ہے۔

مولانا قاضی اطہرؒ کے نواسے سعد الدین ولد ماسٹر مصباح الدین نے فیروز آباد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے فیض درس اٹھایا۔ اس کے بعد منی پال (کرناٹک) سے ڈینٹل کا کورس کیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے نیوزی لینڈ گئے۔ تکمیل تعلیم کر کے وہیں طبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۶) مولانا کی چھوٹی بیٹی شمیمہ عائشہ (پ ۵/شعبان ۱۳۷۹ھ) رضوان احمد علیگ نوادہ مبارکپور کے عقد مناکحت میں ہیں۔ جو مولانا کے حقیقی ماموں مولانا محمد یحییٰ رسولپوری کے سگے

نواسے ہیں۔انھوں نے مبارکپور میں تحصیل علم کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی راہ لی اور وہاں رہ کر بی.اے.کیا۔اس کے بعد ملک سعود یونیورسٹی ریاض (سعودیہ عربیہ) میں تکمیل درس کی۔۶ ؍اولاد میں ۴؍اولاد نرینہ اور ۲؍اولاد اناث ہیں۔ان کے بڑے لڑکے صفوان احمد ہیں، سعودی عرب میں پرائیویٹ کمپنی میں بسلسلۂ ملازمت مقیم ہیں۔دوسرے لڑکے شیبان ہیں اور برہان پور(ایم.پی.) میں بی.یو.ایم.ایس.کا میڈیکل کورس کر رہے ہیں۔

اس طرح دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ مولانا قاضی اطہر کے اخلاص نیت کے اثرات کو اللہ نے اولاد واحفاد اور قریب کے رشتہ تک میں منتقل کر دیا ہے۔یہ خداوند قدوس کی بہت بڑی دین ہے۔

قمر الزماں مبارکپوری
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
۸؍مئی ۲۰۰۸ء

تاثرات دل

بیادگار حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ

نقیب موسم گل تھا متاعِ عزت تھا
وہ دورِ شوکتِ و اقبال کی علامت تھا

گزر گیا سریر آرائے علم و حکمت تھا
وہ فخر دین کا پروردہ فخر ملت تھا

اداسیوں کے ہر اِک سمت سلسلے کیوں ہیں
تھکن سے چور ہمارے یہ قافلے کیوں ہیں

یہ کس کے جانے پہ دنیائے علم سونی ہے
فضائے صحن چمن ماتمی ہے، خونی ہے

ادیب و شاعر و راز آشنا و نکتہ داں
خطیب و عالم و فاضل، مورّخِ دوراں

ادب کے گیسوئے پیچاں سدھارنے والا
غزل کی زلف پریشاں سنوارنے والا

وہ تاجدار معارف وہ بادشاہِ قلم
عرب کا نغمۂ شیریں از زبانِ عجم

وہ علم وفن کا نگہبان تھا زمانے میں
وہ عہد ماضی کی پہچان تھا زمانے میں

پیامِ نو تھا ہر اِک فن کے راہ رو کے لیے
خدا تعالیٰ کا انعام نسل نو کے لیے

علوم دیں کی امانت کا پاسبان تھا وہ
دیارِ شرق کی عظمت کا اِک نشان تھا وہ

اب اپنے خواب کی تعبیر کون لکھے گا
ہمارے عہد کی تاریخ کون لکھے گا

اے شمعِ خفتۂ زندہ دلانِ اعظم گڑھ
بہارِ رفتۂ دیں پرورانِ اعظم گڑھ

ہمیشہ یاد میں روئیں گے تیرے ساقی ورند
جہاں میں باقی ہے جب تک رجال سندوہند

تمہاری ذات تواضع تھی، خاکساری تھی
تھا حسن خلق، بصیرت تھی، بردباری تھی

تجھے سعادت دنیا و دیں میسر تھی
تمہارے نور سے ساری زمیں منور تھی

تم اپنی صورت وسیرت میں رشک اختر تھے
تم اسم عرف میں کہتے ہیں لوگ اطہر تھے

حسین پھول تھا وہ ایک باغ امت کا
یہ کس ہوا نے بجھایا چراغ امت کا

اُف اے وحیدؔ کہ ابر گریز پا تھا وہ
ہمارے سر کے لیے سایۂ ہما تھا وہ

چمن اداس تھا کل آبدیدہ شبنم تھی
وحیدؔ اس کی جدائی ہمالۂ غم تھی

ازـ

مولانا عبدالوحید قاسمی
پارہ کمال، ضلع جونپور، اتر پردیش

۱۴۱۷ھ - ۱۹۹۶ء

نعت

از: مصنف

مرے لب پہ کس کا یہ نام آرہا ہے
فضاؤں سے پیہم سلام آ رہا ہے

مرے کارواں کی اذان سحر سے
محبت کا رنگیں پیام آ رہا ہے

میں جنت میں ہوں یا کہ کنج قفس میں
خیالوں میں بیت الحرام آ رہا ہے

اُدھر روئے روشن پہ زلفیں مچلتی
اِدھر صبح میں دورِ شام آ رہا ہے

جھکی جا رہی ہے ہر اِک شاخِ سدرہ
کہ مرکوبِ خیرالانام آ رہا ہے

دعاء کیجیے شاہِ بطحا خدا سے
دعاء کے لیے اِک غلام آ رہا ہے

درِ ساقیِ جامِ کوثر پہ اطہؔر
عطش العطش تشنہ کام آ رہا ہے

عکس

ہجرت سے پہلے ۱ نبوی سے ۱۳ نبوی تک

فتنے اور تحریکیں

اس تیرہ سالہ دورِ مصائب کی خونیں داستان کا سرچشمہ ''کفرو اسلام'' کی آویزش ہے۔ صداقت کے اعلان و تبلیغ کے مقابلہ میں اربابِ کفر کی فتنہ انگیزی کے نتیجہ کے طور پر اہل صداقت و ایمان پر ظلم و مصائب کے یورش کاروں نے ہنگامۂ ابتلاء و آزمائش برپا کیا۔ خاندانی اقتدار، عزت و جاہ کے غرور، باطل کی حمایت نے چند مفلوک الحال، زیردست اور بے یارو مددگار انسانوں کی مختصر سی جماعت پر، روح فرسا مظالم کے دروازے کھولے۔

سر برآوردگانِ ستم

اس دور میں ظلم وستم کے بانی مبانی مظلوموں کے خاندان اور اہل قرابت تھے۔ ماں، باپ، چچا، بھتیجا اور دیگر ذمہ دارانِ خاندان نے اپنے صداقت پسند و حقانیت شعار فرد پر مصائب کے پہاڑ توڑے۔ بڑے بڑے سردارانِ قوم، رؤساءِ قبائل اور اربابِ ثروت و جاہ نے اپنی قوت و شوکت کی آزمائش بندگانِ خدا کی گردن تسلیم و رضا پر کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل ابن ہشام، ابولہب ابن عبدالمطلب، اسود ابن عبد یغوث، حارث ابن قیس بن عدی (اس کی ماں غیطلہ تھی) ولید ابن مغیرہ، امیہ ابن خلف، ابی ابن خلف، ابوقیس ابن فاکہ بن المغیرہ، عاص ابن وائل، نضر بن حارث، مُنَبَّہ ابن حجاج، زُہیر ابن ابوامیہ، سائب ابن صیفی بن عابد، اسود ابن عبدالاسد، عاص ابن سعید ابن عاص، عاص ابن ہاشم، عقبہ ابن ابومعیط، ابن لاصدیٰ الہذلی اور عُتیبہ بن ابی لہب (یہ وہی بدبخت ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کی بددعا کی وجہ سے قافلہ والوں کے بیچ میں سونے کے باوجود شیر نے چیڑ پھاڑ کر پھینک دیا) حکم ابن ابوالعاص، عدی ابن الحمراء تھے۔ حالاں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوسی بھی تھے اور یہی رسول دشمنی میں حد انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ ابوجہل، ابولہب، عقبہ ابن ابومعیط، عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ، ابوسفیان

ابن حرب دوسرے اہل قریش کی طرح ہر وقت آمادۂ ظلم وستم رہا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ ان میں سے ابوسفیان اور حکم کے علاوہ کوئی بھی صاحب ایمان نہیں ہوا۔ (طبقات ابن سعد۔ ج:ا۔ قسم ا۔ ص:۱۳۳-۱۳۴)

مگر اس دور کے ظلم وستم کے ہیرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور ابولہب اور ابوجہل جیسے شقی القلب، بد باطن اور عداوت پسند جامۂ انسانیت میں ارواحِ ابلیس تھے۔

رسمِ ستم گری

چناں چہ زمانہ کے موافق ہر امکانی سزا دی گئی، مارنا پیٹنا، گردن میں رسی اور چادر کے پھندے ڈالنا، بازاریوں کو اُکسا کر پیچھے لگانا، گرم ریت پر لٹانا، سینے پر پتھر کی گرم چٹان رکھ دینا، چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دینا، جسموں پر گندگی اچھالنا، ترک وطن پر مجبور کرنا، ترکہ اور جائداد سے برطرف کر دینا، گھر سے نکال دینا، برادری سے الگ کر دینا، کھانا پانی بند کر دینا، قتل کر دینا اور طرح طرح کی جسمانی اذیتیں پہنچانا، اس دور کے ظلم وستم کے کارنامے ہیں۔ چناں چہ نماز سے روکنا، حالت نماز میں گندگی ڈالنا، چادر اور رسی کے پھندے گلے میں ڈال کر کھینچنا، سیٹھی بجانا، نماز کا مذاق اڑانا، گالی گلوج اور سخت وسست کلمات بکنا، طرح طرح کے تفریحی جملے، استہزاء آمیز الفاظ کا استعمال کرنا، بیکس ومجبور جماعت کی روحانی اذیت کے لیے رائج تھا۔

سرخیل مظلومین

اس دور میں کیا دنیا کے ہر فتنہ فساد کے دور اور ابتلاء وآزمائش کے ہر مقام پر سرِ گروہ انبیاء ورسل رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ''امامِ مظلومان'' ہے۔ اور مستضعفین اسلام میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے دست مظلومی میں امامت کا جھنڈا نظر آتا ہے۔

مددگارانِ حق وصداقت

ابتدائی دور میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، پھر خواجہ ابو طالب اور ناصرین اسلام میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہستی امتیازی شان رکھتی ہے۔تن، من اور دھن سے داعیِ اسلام اور مظلومانِ اسلام کے فدائی رہے۔آخر میں مدینہ کے انصار اسلام کی وہ پناہ گاہ ہیں جن کے دامن امداد میں اسلام کا ہرا پودا رنگ وبو کا گہوارہ بن گیا اور کفر و باطل کی خزاں سے ہمیشہ کے لیے مامون ہوگیا۔مگر اس کے باوجود اسلام ہر شخص کے احسان سے سبک دوش ہوگیا، البتہ صدیق اکبر کا احسان دنیا میں سبک دوشی سے برتر ہے۔

سرخیل مظلومان رحمت عاصیان

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

غارِ حرا سے نکلنے کے بعد سے غارِ ثور تک کی مدت اسلام اور داعیِ اسلام کے مصائب ونوائب کا دور ہے۔اس دس سال کی مدت میں ایک دن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔امت کے صدیقین، شہداء اور صالحین پر جو کچھ ایذائیں آنے والی تھیں، سب کی سب کفار کے ہاتھوں جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رحمت صفات پر آئیں۔گالی گلوج اور سخت کلامی کے سلسلہ میں آپ کو ناصبی، کاہن، شاعر، مجنوں، ساحر اور بہتان طراز کہا گیا۔جسمانی اذیتوں میں پتھر مارنا، گلے میں چادر اور رسی ڈال کر گھسیٹنا، راستوں میں کانٹے بچھانا، جسم پر گندگی اچھالنا، اور طرح طرح کی ناپاک حرکتیں داخل ہیں۔قید و بند کے مصائب کے لیے شعبِ ابی طالب کی محصوری کا تذکرہ کافی ہے۔دارِ ارقم کی روپوشی بھی قید و بند سے کم نہیں۔پھر غارِ ثور کی مہمان نوازی خدا کے رسول کے لیے اسیری ہی ہے۔

ان تمام بلاؤں اور مصیبتوں کا سبب کیا تھا؟ اعلانِ توحید کا جرم اور تبلیغ اسلام کا گناہ، سچائی کی آواز نے اہل وطن، خویش واقرباء اور اپنے بیگانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن بنادیا۔ دنیا کی خیرخواہی باعث اذیت بن گئی۔ اصلاح کی کوشش پر فساد نے سر اٹھایا۔

ان تمام تکالیف ومصائب کے پہنچانے والے اپنے ہی لوگ، اپنا ہی خاندان اور اہل وطن تھے۔ ستم گروں کی سرداری کا سہرہ ہمیشہ ابوجہل اور ابولہب کے سر رہا۔

آپ کے سامنے جن قدوسیوں اور صادقین کی داستانِ خوں چکاں پیش کی جارہی ہے۔ ان کے حالات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر تطبیق دے کر دیکھیے آپ کو بالکل یکساں حالات نظر آئیں گے۔ جن حالات میں، جن طریقوں سے اور جن جرائم کے بدلے دنیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئی، بالکل انہیں حالات میں، انہیں طریقوں سے اور انہیں جرائم کے بدلے یہ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پس روؤں اور نقش قدم پر چلنے والوں کے ساتھ بھی پیش آتی رہی ہے۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے کھل کر کوہِ صفا پر اسلام کی تعلیمات کو پیش کیا، تو کفار قریش بھی بیبا کانہ آپ کی ایذارسانی کے درپے ہوگئے۔ آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے، راستہ میں کانٹے بچھاتے، نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے اور بدزبانیاں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔

آپ ایک مرتبہ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، رؤساء قریش بھی موجود تھے، ابوجہل نے کہا کاش! اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھڑی نجاست سمیت لاتا اور جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا۔ عقبہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔ چناں چہ وہ گیا اور اونٹ کی اوجھڑی لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر ڈال دی۔ قریش ہنس ہنس کر ایک دوسرے پر گرے جارہے تھے۔ کسی نے حضرت فاطمہؓ کو اس واقعہ کی خبر کی، وہ

گرچہ اس وقت صرف پانچ سال کی تھیں، لیکن دوڑی آئیں اور اوجھڑی کو ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کسی مجمع یا میلے میں اسلام کا وعظ فرماتے تو ابولہب جو آپ کے پیچھے پیچھے رہتا تھا، لوگوں سے برابر کہتا تھا کہ ''یہ جھوٹ ہے'' بالکل جھوٹ!۔

ایک صحابی بیان فرماتے ہیں کہ میرے مسلمان ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار ''ذوالمجاز'' میں گئے اور حسب دستور آپ نے لوگوں سے کہا کہ لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰــہ کہو، مگر پیچھے سے ابوجہل آپ پر خاک پھینکتا رہا اور کہتا جارہا تھا کہ ''تم لوگ اس کے فریب میں نہ آنا، یہ چاہتا ہے کہ لات وعزیٰ کی پرستش بند ہوجائے''۔

ایک مرتبہ کفارِ مکہ نے آپ کو مارا جب صدیق اکبرؓ کو خبر ہوئی تو دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ تم لوگ ایسے شخص کو مارتے ہو جو خدا کی وحدانیت کی دعوت دیتا ہے۔ صدیق اکبرؓ کا یہ کہنا تھا کہ کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آپ پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ وہ بے ہوش ہوگئے۔ سر کے بال جہاں ہاتھ لگتا اکھڑ جاتے ۔ ۷ ؁ نبوی میں جب کفار ہر قسم کی ایذا رسانی کے باوجود آپ کی طرف سے ناامید ہوگئے تو یہ تدبیر سوچی کہ آپ کا اور آپ کے خاندان کا بائیکاٹ کردیا جائے۔ چناں چہ تمام قبائل نے لکھ کر ایک معاہدہ تیار کیا کہ کوئی شخص خاندانِ بنی ہاشم سے قرابت نہ رکھّے۔ ان کے ہاتھ خرید وفروخت کا معاملہ نہ کرے۔ نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے۔ نہ ان سے ملاقات کرے۔ جب تک کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کردیں۔ یہ معاہدہ لکھ کر کعبہ میں آویزاں کردیا گیا۔

ابوطالب مجبور ہوکر اپنے بھتیجے اور تمام خاندان سمیت ''شعب ابی طالب'' میں پناہ گزیں ہوئے۔ (یہ مقام پہاڑ کا ایک درّہ تھا) تین سال تک تمام خاندان نے اس شہر بدری، اسیری میں بسر کی۔ اس زمانہ میں ایسے ایسے سخت اوقات گزرے کہ سوکھے پتے اور چمڑے کھا کھا کر گزارا کیا اور ان سخت اور سوکھی چیزوں کے کھانے سے مسوڑے اور کلّے چھل چھل گئے۔ بچے بھوک سے روتے تو گھاٹی کے باہر تک آواز پہنچتی، جن کو قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ بعض

اہل قریش اگر کبھی کبھی کوئی کھانے پینے کی چیز بھیجتے تو ابوجہل وغیرہ روک دیتے تھے۔

۱۰ھ نبوی میں جب ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا تو کفارِ قریش نے بری طرح ستانا شروع کیا۔ آپ ایک مرتبہ کہیں جارہے تھے، ایک کافر نے آکر سرِ مبارک پر خاک ڈال دی، اسی حالت میں آپ مکان تشریف لائے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا تو پانی لے کر دوڑیں اور یہ عالم تھا کہ سر دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا ''جانِ پدر! نہ رو خدا تیرے باپ کو بچائے گا''۔

مکہ سے ناامید ہوکر آپ نے تبلیغ کے لیے طائف کا رخ کیا، مگر وہاں کے بدبختوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام نہیں قبول کیا، بلکہ نہایت بری طرح پیش آئے اور بہت مایوس کن گفتگو کی، مگر رحمت عالم کے یہاں مایوسی کہاں؟ ان بدبختوں نے طائف کے بازاریوں کو اکسایا، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور دورویہ صف باندھ کر کھڑے ہوگئے، جب آپ اُدھر سے گزرے تو آپ کے پائے مبارک پر پتھر مارنا شروع کردیے یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ زخموں سے چور ہوکر بیٹھ جاتے تو بازو پکڑ کر آپ کو کھڑا کرتے، جب آپ پھر چلنے لگتے تو پھر پتھروں کی بارش کرتے، ساتھ ہی گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے تھے۔ آخر آپ نے ایک باغ میں انگور کے درخت کے نیچے پناہ لی۔

غرض کہ مکہ کی زندگی ابتلاء و آزمائش کے پرآشوب دور میں گزری اور اس گزرگاہ کی آخری منزل یعنی ہجرت کی داستان مصائب و آلام کا مجموعہ ہے۔ دارالندوہ میں کفار کا اجتماع، آپ کے متعلق قسم قسم کے ناپاک مشورے، کاشانۂ نبوت کو نوجوانانِ عرب کا محاصرہ میں لے لینا اور نعوذباللہ آپ کے ختم کردینے کی ہر امکانی کوشش کرنا، یہ تمام چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مظلومی کی آخری داستان ہیں۔ پھر آگے چل کر غارِ ثور کی سہ روزہ مہمانی، سراقہ وغیرہ کا آپ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑانا، پتہ لگانے کے لیے انعام کا اعلان، اور اسی قسم کی کفار کی حرکتیں جانِ رسالت کے لیے کچھ کم خطرناک نہ تھیں۔

حضرت خبّاب بن الارت رضی اللہ عنہ

آپ تمیم کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کیے گئے اور ام اغار نے خریدا۔ یہ اس زمانہ میں اسلام لائے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے گھر میں مقیم تھے اور صرف چھ سات شخص اسلام لائے تھے۔

قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایک مرتبہ کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے اور اس پر آپ کو چت لٹایا گیا، ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھّے کھڑا ہو گیا کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں، یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے۔ خباب نے مدتوں کے بعد یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی۔

حضرت خباب جاہلیت میں لوہار کا کام کرتے تھے۔ اسلام لائے تو بعض لوگوں کے ذمہ ان کی مزدوری وغیرہ باقی تھی۔ مانگتے تو صاف جواب ملتا کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار نہ کرو گے ایک کوڑی نہ ملے گی، یہ کہتے نہیں۔

(سیرۃ النبی۔ بحوالہ طبقات ابن سعد۔ ج ۳۔ بخاری شریف)

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ

جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو ان کا آقا اُمیّہ ان کو جلتی ریت پر لٹا دیتا اور سینہ پر پتھر کی وزنی سل رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں۔ ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آ، ورنہ یوں گھٹ گھٹ کر مر جائے گا۔ لیکن اس وقت بھی آپ کی زبان سے ''احد'' کا لفظ نکلتا۔ جب آپ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے، تو گلے میں رسی باندھی اور لڑکوں کے حوالہ کیا۔ وہ ان کو شہر کے اِس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے، لیکن اُن کی اب وہی رٹ تھی ''احدٌ احدٌ''۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ

یمن کے رہنے والے تھے۔ان کے والد یاسرؓ مکہ میں آئے۔ابوحذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سمیہؓ تھا،شادی کردی۔عمار انہیں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

جب آپ مسلمان ہوئے تو آپ سے پہلے صرف تین آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔قریش ان کو جلتی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ آپ بے ہوش ہوجاتے اور ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا۔

حضرت سُمیَّہ رضی اللہ عنہا

حضرت عمار کی والدہ تھیں۔ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری جس سے ہلاک ہوگئیں۔

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ

حضرت عمار کے والد تھے۔آپ کفار کے ہاتھوں مصائب برداشت کرتے کرتے واصل بحق ہوگئے۔

حضرت صُہیب رومی رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت صہیب اور حضرت عمار بن یاسر اسلام لانے کی غرض سے ایک ساتھ آئے اور آپ کی ترغیب سے دونوں مسلمان ہوگئے۔قریش صہیب کو اسقدر اذیت دیتے کہ ان کے حواس باختہ ہوجاتے۔جب آپ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار نے کہا کہ اپنا سارا مال واسباب چھوڑ کر جانا چاہو تو جاسکتے ہو۔آپ نے یہ بات نہایت خوشی سے منظور فرمائی۔

حضرت ابو فکیھہ رضی اللہ عنہ

یہ صفوان ابن امیّہ کے غلام تھے اور حضرت بلالؓ کے ساتھ اسلام لائے۔ امیّہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور لوگوں سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لے جائیں اور تپتی ہوئی ریگ پر لٹائیں۔ ایک ''گبریلا'' راہ میں جا رہا تھا، امیّہ نے آپ سے کہا ''تیرا خدا یہی تو نہیں؟'' آپ نے جواب دیا ''میرا اور تیرا خدا اللہ تعالیٰ ہے'' اس پر امیّہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا۔ ایک دفعہ ان کے سینہ پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیا کہ زبان مبارک نکل پڑی۔ (اصابہ۔ ج ۸۔ ص ۱۷۹)

حضرت لبیبہ رضی اللہ عنہا

ایک کنیز تھیں، اسلام لانے کے جرم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ان کو مارتے مارتے جھک جاتے تو کہتے تھے میں نے تم کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں، وہ جواب دیتیں اگر تم مسلمان نہ ہو گے تو خدا اس کا بدلہ لے گا۔

حضرت زنّیرہ رضی اللہ عنہا

حضرت عمرؓ کی کنیز تھیں۔ ان کے مسلمان ہو جانے پر حضرت عمرؓ ان کو خوب خوب اذیت پہنچاتے۔ ابو جہل نے ان کو اس قدر مارا کہ آپ کی بینائی خراب ہوگئی۔ مگر ثابت قدمی کا یہ عالم تھا کہ جب کفار یہ کہتے کہ تمہارے اسلام لانے کی وجہ سے لات وعزیٰ نے غصہ ہو کر تمہاری آنکھیں لے لیں۔ اس پر آپ فرماتیں ''سب کچھ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے، لات وعزیٰ کچھ نہیں کر سکتے'' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی بینائی واپس کر دی۔ (اصابہ۔ ج ۸)

حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا

آپ بنی تمیم بن مرہ کی کنیز تھیں۔ اسلام لانے کے بعد سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کی گئیں۔ آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد فرمایا۔ (استیعاب۔ ج۲۔ص۸۰۱)

حضرت ہندیہ رضی اللہ عنہا

کنیز تھیں، اسلام لانے کے جرم میں مصائب کا شکار ہوئیں اور اللہ کی راہ میں صبر و رضا سے کام لیا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

آپ ساتویں مسلمان ہیں۔ جب مسلمان ہوکر کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو کفار قریش نے آپ کو مارتے مارتے لٹا دیا۔ (بخاری شریف)

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

آپ پانچویں مسلمان ہیں۔ آپ کے مسلمان ہوجانے پر آپ کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر آپ کی ناک میں دھواں دیتا تھا۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ جب آپ اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے جکڑ دیا۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

عقبہ ثانیہ میں جب ستر انصاری صحابہ نے مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت فرمائی تو کفار قریش ان کے پیچھے پڑ گئے اوران کی تلاش میں آدمی دوڑائے۔تمام انصاری صحابہ مدینہ کی راہ لے چکے تھے اور کوئی نہ مل سکا۔البتہ حضرت سعد بن عبادہ کو کفار پا گئے۔کفار نے آپ کے دونوں ہاتھ گردن میں رسی سے باندھ دیئے اور خوب مارا۔آپ کے سر کے بال بڑے بڑے تھے،اس لیے بال پکڑ کر زمین پر گھسیٹا بھی اور اسی حال میں مکہ لے گئے۔اس کے بعد کفار ہی میں سے دو آدمی مطعم بن عدی اور حارث بن امیّہ نے آکر آپ کو چھڑایا۔

اِدھر انصار کا قافلہ حضرت سعد کی گم شدگی پر حیران تھا اور ان کی تلاش میں مکہ واپس جانے کی تیاری ہی ہو رہی تھی کہ حضرت سعد اُدھر سے چھوٹ کر آگئے۔اس کے بعد یہ قافلہ مدینہ روانہ ہوا۔(طبقات ابن سعد۔ج۱۔قسم اول۔ص۱۵۰)

حضرت مصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہما

آپ اپنے والدین کے لاڈلے بیٹے تھے۔ماں باپ بڑی محبت کرتے تھے۔ماں تو کھلانے پہنانے میں باپ سے بھی بڑھ گئی تھی۔آپ خود بھی نہایت حسین وجمیل تھے۔مکہ میں عطر لگانے میں سب سے آگے تھے۔

جس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم میں اسلام کی دعوت دے رہے تھے، آپ خفیہ مسلمان ہوئے۔ماں اور قوم کے ڈر سے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں فرماتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پوشیدہ طور سے حاضر ہوا کرتے تھے۔ایک مرتبہ عثمان بن طلحہ نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور پھر آپ کی ماں اور قوم کو اس کی خبر کر دی۔جس کے نتیجہ میں آپ کو قید کر دیا گیا اور اس وقت رہائی نصیب ہوئی، جب کہ مظلوم مسلمان پہلی مرتبہ ہجرت حبشہ کے لیے نکلے اور ان کے ہمراہ آپ بھی حبشہ چلے گئے۔پھر وہاں سے واپس آئے تو

حالت متغیر ہوچکی تھی۔ ناز ونعمت کا رنگ اتر چکا تھا اور اسلامی رنگ غالب ہو چکا تھا۔ واپسی کے بعد ماں نے بھی ملامت بند کردی۔

جب آپ مدینہ سے تعلیم دینے کے بعد مکہ واپس ہوئے تو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مدینہ میں اسلام کی رفتار اور تعلیمی کیفیت بیان فرمائی۔ پھر اس کے بعد اپنی ماں کے پاس گئے تو ماں نے پھر برا بھلا کہا اور قید کردینے کا ارادہ کیا، مگر آپ نے نہایت سختی سے جواب دیا کہ جو شخص میرے پاس برے ارادے سے آئے گا، اسے قتل کردوں گا۔ اس کے بعد قید سے آپ کو نجات ملی۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۳۔ قسم ا۔ ص ۸۲-۸۴)

پہلی صدی ہجری

فتنے اور تحریکیں

ہجرت کے بعد مسلمانوں کو افلاس و تنگ دستی کی حالت میں کفار مکہ کے عذاب سے تو نجات مل گئی مگر اب تین طاقتوں سے مقابلہ تھا، ''کفارِ مکہ کی حربی قوت سے'' اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی ''مذہبی اور سیاسی نبرد آزمائی'' سے۔ یہ دونوں مقابلے کھلم کھلا تھے۔ ایک تیسری ''منافقانہ طاقت'' بھی تھی۔ جو مسلمان بن کر درپۓ آزار تھی۔ یہ منافقین، اسلام کے پردے میں مسلمانوں کی قوت کے خاتمہ کے لیے کوشاں تھے اور یہ کوشش اسلام کے لیے سب سے خطرناک تھی، کیوں کہ مارآستین سے مفر دشوار ہوتا ہے، نیز بعض مرتبہ مکہ کے کفار خفیہ سازش کر کے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچاتے تھے۔ چناں چہ قُرَّاءِ صحابہ کے کئی گروہ تعلیم کے بہانے سے بلوا کر شہید کر دیئے گئے۔

اسلام اپنے ہر مقابل سے ٹکراتا ہوا آگے بڑھا۔ مگر انہیں منافقین نے اسلام میں ''داخلی فتنے'' پیدا کر کے اسلام کی سیاسی برتری دنیا سے ختم کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ ان مردودوں کا باقاعدہ ظہور ''شہادت عثمان غنیؓ '' سے ہوا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ شہادتِ عمرؓ ہی ان کی منظّم سازش کی پہلی منزل ہے تو غالبًا تاریخ اس کی تصدیق کرے گی۔ ابولؤلؤ فیروز کے ساتھ دو فتنہ گر اور شامل مشورہ تھے، جیسا کہ آئندہ آئے گا۔ بانیِ رفض ''عبداللہ بن سبا'' ایک منافق تھا۔ جس نے اسلام اور آلِ رسول کی محبت کے پردے میں یہودیت نوازی کر کے اسلام کی قوت کو ہمیشہ کے لیے فنا کرنے کی کوشش کی اور ایک حد تک اپنی کوشش میں وہ ملعون و مردود کامیاب بھی رہا۔

شہادت عثمان غنیؓ کے بعد اس زمانہ کے صحابہ اور تابعین کے رجحانات میں ایک گونہ جھکاؤ پیدا ہو گیا۔ بہت سے صحابہ اور تابعین کے تذکرے میں مورخین ''کان عثمانیاً'' ''کان علویاً'' لکھتے ہیں۔ ''خوارج'' کا ظہور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسی افراط و تفریط کا نتیجہ ہے۔ ''قتل عثمان'' ''جنگ جمل'' اور ''جنگ صفین'' کی بربادیوں کو دیکھ کر اس دور کے لوگوں میں سے ایک جماعت پیدا ہوئی جس نے تاریخ میں ''خوارج'' نام پایا۔

انہوں نے سوچا کہ اِن فتنوں سے مسلمانوں کو نجات دینے کی سبیل نکالنی چاہیے۔ چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل، حضرت معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ پر حملہ اسی تخیل کا نتیجہ اور اسی جماعت کا کام تھا۔

ادھر حضرت معاویہؓ نے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی، اور یزید کو اپنی جانشینی کا عہدہ اپنی زندگی میں بخش دیا۔ یزید کے خلاف حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے آواز بلند کی ۔جس کے نتیجہ میں ''واقعۂ کربلا'' اور واقعۂ حرۃ'' پیش آیا۔

قتل عثمانؓ کے بعد امت میں تین گروہ پیدا ہو گئے ۔(۱) بنوامیہ کے طرف دار، یہ لوگ حضرت معاویہ وغیرہ کے ہم نوا تھے۔(۲) شیعان علیؓ، یہ لوگ امام حسینؓ وغیرہ کے موافق تھے۔ (۳) خوارج، یہ جماعت دونوں کی مخالفت میں پیش پیش تھی اور اس نے بھی اپنی الگ خلافت قائم کرلی تھی۔اس دور کے لوگوں کے لیے طبعی طور پر یہ ضروری تھا کہ اِن تین جماعتوں میں سے کسی نہ کسی طرف مائل ہوتے۔ چناں چہ بہت سے صحابہ اور تابعین خوارج کے علاوہ اپنے اپنے میلانات اور رجحانات کے مطابق بقیہ دونوں جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔

اندازِ ستم گری

یہ دور جماعتی اور خاندانی عصبیت اور فرقہ بندی کے رجحانات سے پُر تھا۔اربابِ ظلم وستم شوکت وقوت کے مالک تھے۔جس قسم کی سزا اپنے مجرموں کے لیے تجویز کرتے کوئی مانع نہ تھا۔ بعض صحابہ کو جنہیں کھلم کھلا اذیت نہ دے سکتے تھے، خفیہ سازش کر کے تکلیف پہنچاتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کو زہر آلود نیزہ سے اسی سلسلہ میں مارا گیا۔بعض کو غیر مقامی لشکریوں سے بے حرمت کرایا گیا۔ جابر بن عبداللہؓ اور ابوسعید خدریؓ کی اذیت دہی اسی قسم کی ہے۔ ویسے موقع نہ لگا تو دوسرے جرم کا بہانہ کر کے مارا پیٹا گیا۔قید خانہ، درّے، قتل کے ذریعہ اربابِ علم وفضل کو ذلیل ورسوا کیا گیا۔ ذلت اور رسوائی کے اور بھی بہت سے ذلیل طریقے استعمال کیے گئے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام کی گردنوں پر مہر لگوائی گئی، تشہیر کرائی گئی کہ اور مجمع میں مغلظ گالیاں دی گئیں۔

سرخیل مظلومین

داخلی فتنہ کی ابتداء جس امام مظلوم کے خون سے ہوئی یعنی حضرت عثمانؓ وہی ذات سرخیل مظلومین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس دردناک طریقہ سے قتل عثمان ہوا، اس کی مثال کم ملے گی۔

دوسری ذات جسے ہم گروہ تابعین سے اس رتبہ پر دیکھتے ہیں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کو حجاج ظالم کی سیف ستم وسیاست نے بھرے مجمع میں نہایت ظالمانہ اور سفاکانہ طور سے قتل کیا۔

سر برآوردگانِ ستم

اس فہرست کا سرنامہ اس ملعون یہودی منافق عبداللہ بن سبا بانیِ فرقہ رافضیہ سے شروع ہوتا ہے۔ جس نے اسلام کی چکی کی گردش روک کر تمام اسلام کی سیاسی اور مذہبی قوتوں کو شل کر کے رکھ دیا اور آج تک امت میں ویسے آرام کی گھڑی نہ آسکی۔ مگر اس عیار نے خود اپنی حکومت وخلافت کا تو دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ بڑی چالاکی سے حضرت علیؓ کے حق میں کوشش کرتا رہا۔

اس کے بعد بنواُمیّہ کے دورِ حکومت کا سب سے بڑا ظالم و جابر حجاج بن یوسف ہے۔ شاید ہی امت میں اس سے بڑھ کر کوئی ظلم وستم میں پیدا ہو۔ حجاج کا نام سنتے ہیں انسانیت ''الامان والحفیظ'' پکار اٹھتی ہے۔

”قتل الصحابة واكابر التابعين	ظالم حجاج نے صحابہ اور بڑے بڑے تابعین کو قتل
مالا يحصىٰ فضلاً عن غيرہم	کیا ان کے علاوہ اس قدر قتل کیا کہ ان کا شمار
وختم فی عنق انس وغيره من	نہیں ہوسکتا اور اس نے حضرت انس اور ان
الصحابة ختماً يريد بذالك	کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام کی گردن پر ذلت
ذلہم“۔ (تاریخ الخلفا سیوطی۔ ص۸۶)	کے لیے مہر لگوائی۔

علامہ طبری تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حجاج نے پچاس ہزار علماء اور اولیاء کو ناحق قتل کیا تھا۔

(آثرالکرام۔ ج ا۔ص ۱۸)

یہ صدی ظلم وجور سے پُر ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: ''واللہ خدا کی زمین ظلم وجور سے بھرگئی ہے، ولید شام میں، حجاج عراق میں، عثمان بن حُبارہ حجاز میں اور قرہ بن شریک مصر میں ظلم وستم کے امام ہیں''۔

''علامہ طبری کا بیان ہے کہ نائیہ قریش کی ایک شاخ ہے، جو حجاج کے ظلم وستم کے خوف سے مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے ساحل ہند پر اتری اور اس نے یہیں بود وباش اختیار کی۔ یہ لوگ ۱۵۲ھ میں یہاں آئے تھے۔ چناں چہ شیخ علی بن احمد مہائمی صاحب ''تفسیر'' نوایت ہی قبیلے سے ہیں۔ جو جمادی الاولیٰ ۸۸۵ھ میں فوت ہوئے''۔ (آثرالکرام۔ ج ا۔ص ۱۸۹)

مددگارانِ حق وصداقت

اس دور کے ہنگامۂ شر وفساد اور معرکۂ ظلم وستم میں کوئی حق وصداقت کا حامی نظر نہیں آتا۔ بقول حضرت عمر بن عبدالعزیز ہر طرف خدا کی زمین شر وفساد سے بھری نظر آتی ہے۔ علماء، فضلاء اور صادقین پر مظالم ہو رہے ہیں، مگر کوئی ان کا حامی نہیں ہے۔ طاقت وجبروت کے بل پر بھرے دربار میں علم وفضل اور سچائی کی بے باک گفتگو کا باب اسی دور سے شروع ہوتا ہے۔

ہاں! آخر وقت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اس سلسلہ میں پیش کرنا بجا ہے۔ آپ حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ علم وفضل میں اپنے وقت کے علماء وفضلاء کے استاذ ہیں۔ گورنری کے زمانہ میں بھی ہمیشہ علماء کی جماعت آپ کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ بنواُمیّہ کے مظالم مٹانے میں آپ نے کامیاب کوشش فرمائی۔ آپ کے دورِ حکومت (یعنی ۲ رسال ۵ رماہ) میں اربابِ علم وفضل اور اہل دین ودیانت نے سکون واطمینان سے زندگی بسر کی۔

عاصم بن ثابت، زید بن وثنہ، خبیب بن عدی اور دیگر دس صحابہ رضی اللہ عنہم

جنگ بدر کے بعد کفارِ قریش نے قوم ''عُضل'' اور ''قارہ'' کے سات آدمیوں کا ایک خفیہ وفد بنا کر مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ ہمارے قبیلے کے لوگ مسلمان ہونے کو تیار ہیں، ہم اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے ساتھ معلمین کو کر دیجیے جو وہاں چل کر نومسلموں کو اسلامی عقائد اور روزہ ونماز کی تلقین کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بزرگ صحابہؓ کو جو قراء کی جماعت سے تھے، حضرت عاصم بن ثابت کی سرکردگی میں ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جب ''عضل'' اور ''قارہ'' کے سازشی کفار ان صحابہ کو ساتھ لیے ہوئے حجاز کے کنارے مقام ''رجیع'' سے جو کہ بنو ہذیل کے پانی کا سرچشمہ تھا گزرے اور صحابۂ کرامؓ ان کی حد میں آ گئے تو انہوں نے صحابہ کے ساتھ بدعہدی کی، بنوہُذیل کے نوجوانوں کو آواز دے کر بلایا، تو بنی ہُذیل کے دوسو آدمیوں نے آ کر صحابۂ کرام کو گھیر لیا۔ آٹھ صحابی مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور دو صحابی حضرت خُبیب بن عدی اور زید بن وثنہ کو گرفتار کر لیا اور مکہ میں لا کر دونوں کو کفار کے ہاتھ فروخت کر ڈالا، ان دونوں حضرات نے بدر کی لڑائی میں سردارانِ کفار کو قتل کیا تھا۔

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن وثنہ کو صفوان بن اُمیّہ نے خرید کر اپنے باپ کے بدلے میں قتل کر ڈالا اور حضرت خبیب بن عدی کفار مکہ کی جیل میں پڑے۔ جب کفار نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو حرم کعبہ سے نکال کر تنعیم میں لائے اور سولی دینے کا انتظام کر لیا۔ حضرت خبیب سولی کے لیے بالکل تیار ہو گئے اور کفار سے کہا کہ دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دیدو، کفار نے مہلت دی۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر فرمایا کہ: اگر تم لوگ یہ نہ کہتے کہ قتل سے ڈر کر نماز میں دیر کرتا ہے تو میں ابھی اور نمازیں خضوع وخشوع کے ساتھ پڑھتا'' اس کے بعد آپ نے فرمایا:

’’اَللّٰھُمَّ احصِھم عدداً ،	خدا وندا! ان کفار کو ایک ایک کر کے
واقتلہم مدداً، ولا تبق	گھیر لے اور میری مدد میں ان کو قتل کر دے
منہم احداً‘‘۔	کہ کوئی باقی نہ رہے۔

یہ کہہ کر آپ نے ایک طویل قصیدہ نہایت ہی فصیح و بلیغ انداز میں وہیں سولی کے سامنے فی البدیہہ کہا، اس قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

لقد جمع الاحزاب حولی والبئوا
قبائلہم و استجمعوا کل مجمع

کفار کے گروہ نے میرے گرداگرد اپنے قبائل اور ہر قسم کے لوگوں کو جمع کیا ہے۔

و قد قرّبوا ابناء ھم ونساء ھم
وقربت من جزع طویل ممنّع

اور اپنے بچوں اور عورتوں کو بھی اپنے اپنے قریب لیے تماشہ کے لیے کھڑے ہیں اور میں سولی کے لیے کھجور کے ایک بڑے اور مضبوط تنے کے قریب کر دیا گیا ہوں۔

إلی اللّٰہ اشکو غربتی بعد کربتی
وما جمع الاحزاب لی عند مضجع

میں صرف اللہ سے اپنی غریب الوطنی، مصیبت اور کفار کے ناپاک ارادوں اور گروہوں کا گلہ رکھتا ہوں۔

وقد خیرونی الکفر والموت دونہ
فقد ذرفت عیناءئ من غیر مدمع

کفار نے مجھ کو کفر اختیار کرنے پر نجات کی امید دلائی، ورنہ موت کا یقین، میری آنکھیں آج بغیر آنسو کے اشک ریز ہیں۔

وما بی حذا رالموت انی لمیت
وانَّ اِلیٰ ربی ایابی ومرجعیِ

یہ رونا موت کے ڈر سے نہیں ہے، بے شک میرا مرنا یقینی ہے۔ میں اپنے رب کے پاس یقیناً جاؤں گا۔

ولست ابالی حین اقتل مسلماً
علی ایّ جنب کان فی اللّٰہ مصرعیِ

اور جب میں مسلمان قتل کیا جاؤں تو مجھے پرواہ نہیں ہے، چاہے جس جس طرح سے اللہ کی راہ میں پچھاڑا جاؤں۔

و ذالک فی ذات الالٰہ وان یشأ
یبارك علی اوصال سلوٍ مُمزَّعِ

خدا کی ذات سے کچھ بعید نہیں کہ میری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے پر برکت ورحمت کی بارش برسائے۔

جب سولی پر لے جانے لگے تو ابوسفیان نے حضرت خبیب سے آخری وقت میں پوچھا کہ ''کیا تمہارے لیے اس بات میں خوشی ہوگی کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کردیئے جائیں''، آپ نے برجستہ فرمایا کہ ''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری موجودگی میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے تو مجھے گوارا نہیں ہے چہ جائے کہ قتل؟''۔

اس کے بعد کفار نے اپنے لڑکوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کے بھرے مجمع میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر لٹکا دیا اور سولی پر اپنا پہرہ بٹھا دیا تا کہ کوئی لاش کو اتارنے نہ پائے، مگر رات کو موقع پا کر حضرت عمرو بن ابیہ ضمری لاش مع لکڑی اٹھا لے گئے اور دفن کردیا۔ (کتب سیر ورجال)

حضرت عاصم بن ثابت

حضرت عاصم بن ثابت سرگروہ صحابہ کی داستان شہادت ہے کہ کفار نے کہا کہ تم لوگ ہماری قید میں ہوجاؤ، ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے، بلکہ مکہ لے جا کر تمہاری قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عاصم نے فرمایا کہ میں نے اپنے خدا سے نذر مانی ہے کہ میں کسی کافر کی پناہ ہرگز قبول نہ کروں گا۔ لہٰذا مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ تمہاری پناہ میں اپنے کو سپرد کردوں، یہ کہہ کر آپ نے رجز پڑھتے ہوئے جہاد شروع فرمادیا، پہلے تو برچھا سے کام لیا، جب وہ خراب ہوگیا تو پھر نیزہ چلاتے رہے۔ جب وہ بھی نہ رہا تو تلوار سے کام لیا اور خدا سے دعا کی کہ:

"اللّٰہم انی حمیتُ دینک اوّل النھار فاحمِ لی لحمی اٰخرہ"۔ (یا اللہ صبح کو میں نے تیرے دین کی حمایت کی تو شام میں میری نعش کی حفاظت فرما۔)

کفار آپ کے احباب کو الگ الگ سامنے لا کر شہید کرتے تھے، جب کفار کے دو آدمی آپ کے مقابلہ کے لیے نکلے تو آپ نے ایک کو قتل کرکے یہ رجز فرمایا:

انا ابو سلیمان و مثلی راما
ورثت مجدی معشراً کراماً
اُصیب مرثل وخالدٌ قیاماً

آپ بڑھ بڑھ کر حملہ کررہے تھے، مگر کفار نے نیزوں سے مار مار کر آپ کو شہید کردیا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ جب کفار نے آپ کا سر کاٹنا چاہا تو اللہ نے ایک .... کو بھیجا جس نے آپ کی نعش مبارک کی حفاظت کی، پھر رات کو خدا نے سیلاب بھیجا جو نعش کو بہالے گیا اور کفار اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ حضرت عاصم نے عہد کرلیا تھا کہ نہ میں کسی مشرک کو ہاتھ لگاؤں گا اور نہ ہی کسی مشرک کو اپنے اوپر ہاتھ لگانے دوں گا۔ چناں چہ خدا نے ان کا عہد یوں پورا فرمادیا، سچ ہے "لو! قسم علی اللّٰہ لابَرَّہ" (اگر اللہ کے بھروسے پر کوئی قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کردیتا ہے)۔ یہ یوم الرجیع کا واقعہ ہے۔ (ابن سعد۔ ج ۳۔ ق ۲۔ ص ۳۳۔۳۴)

عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ

آپ غزوۃ الرجیع میں صحابہ کی جماعت کے ہمراہ شریک ہوئے، آپ کو بنولحیان کے مشرکین نے گرفتار کر کے رسی میں باندھ دیا اور چاہا کہ حضرت خبیب کے ساتھ آپ کو بھی مکہ لے جائیں، مگر مقام مرالظہر ان میں پہنچ کر آپ نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم میں تمہارے ہمراہ نہیں چل سکتا، بلکہ میرے ان ساتھیوں میں جو ناحق شہید ہو چکے ہیں، اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ کہہ کر رسی سے ہاتھ کو نکال دیا اور تلوار لے کر کفار کی طرف دوڑ پڑے۔ یہ حالت دیکھ کر کفار پیچھے ہٹ گئے، آپ حملہ کرتے رہے اور وہ پیچھے ہٹتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے آپ پر پتھراؤ شروع کر دیا اور پھر اس قدر پتھر برسائے کہ آپ شہید ہو گئے۔ آپ کا مزار مقدس مرالظہر ان میں ہے۔ یہ واقعہ ہجرت کے تیسویں ماہ صفر میں پیش آیا تھا۔ (ابن سعد۔ ج ۳۔ ق ۲۔ ص ۲۷-۲۸)

حضرت منذر بن عمرو انصاری، حضرت حرام بن ملحان اور دیگر ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

ابو براء عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر کہا کہ ملک نجد کی تعلیم و ہدایت کے لیے آپ کچھ معلم میرے ساتھ کر دیں۔ عامر نے یقین دلایا کہ معلمین کی حفاظت کی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابۂ کرام جو کہ قراء و فضلاء کی جماعت سے تھے اور ''صفّہ'' کے رہنے والے تھے۔ حضرت عمرو انصاری کی سرکردگی میں اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جب یہ قافلہ بیر معونہ پر پہنچا جو کہ بنی عامر کا علاقہ تھا تو وہاں سے حضرت حرام بن ملحانؓ کو نامۂ نبوی دے کر طفیل حاکم کے پاس بھیجا گیا، اس نے آپ کو قتل کرا دیا۔ جبار بن سلمٰی ایک شخص تھا جس نے طفیل کے اشارے سے حضرت حرام بن ملحانؓ کی پشت مبارک میں نیزہ مارا، جو آپ کی چھاتی سے پار ہو کر باہر نکل گیا۔ آپ نے گرتے ہوئے فرمایا: ''فزت و رب الکعبۃ'' (رب کعبہ کی قسم

میں کامیاب ہوگیا) اس جملہ نے قاتل پر وہ اثر کیا کہ وہ سرکار رسالت میں آکر مسلمان ہوگیا۔

حضرت حرام کی شہادت کے بعد طفیل نے بقیہ تمام صحابہ کو قتل کرادیا۔ صرف کعب بن یزید انصاری نے پہاڑ پر چڑھ کر اپنی جان بچائی اور اس واقعہ فاجعہ کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ (زادالمعاد وغیرہ)

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ

آپ کا وطن یمن ہے، اہل سباء سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوئے اور پھر اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے۔ جب اسود عنسی مدعی نبوت کو آپ کے مسلمان ہونے کی خبر لگی تو اس نے آپ کو گرفتار کرا کر ٹکڑے ٹکڑے کاٹ ڈالا۔

(ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۳۹۰)

فروہ بن عمرو بن نافرہ جذالی رضی اللہ عنہ

آپ سلاطین روم کی طرف سے رومی سرحد کے شامی عربی اطراف کے گورنر تھے۔ آپ کا گھر معان میں تھا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے اسلام لانے کی خبر بھیجی، ساتھ میں سفید خچر بھی خدمت مبارک میں ہدیہ بھیجا۔ جب رومیوں کو آپ کے مسلمان ہوجانے کی خبر لگی تو انہوں نے آپ کو طلب کیا اور گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کردیا۔ کچھ دنوں کے بعد جب شہید کرنے کے لیے باہر نکالا تو آپ نے یہ شعر پڑھے:

ابلغ سراة المومنین باننّی
سِلْمٌ لربی اعظمنی و مقامی

اس کے بعد رومیوں نے آپ کی گردن مار کر سولی پر چڑھادیا۔

(طبقات ابن سعد۔ ج ۱۔ قسم ۲۔ ص ۸۳)

عردۃ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ

جس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ فرمایا حضرت عردۃ بن مسعود ثقفی بحالت کفر ''جُرش'' میں ''حربی تعلیم'' حاصل کر رہے تھے۔ بعد میں جب وطن واپس آئے تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے ہیں۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ اور ان کے ساتھی غسیلان بن ثعلبہ جنگی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عروۃ کے دل میں حق بات ڈال دی اور سیدھے مکہ معظّمہ آئے اور مسلمان ہوگئے اور اجازت چاہی کہ اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطروں سے آگاہ فرمایا کہ تمہاری قوم تمہیں قتل کر دے گی۔ مگر آپ نے کہا کہ نہیں میں ان میں بہت ہی محبوب ہوں۔ جب تیسری مرتبہ اجازت چاہی تو پھر آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر جانا ہی چاہتے ہو جاؤ۔ چناں چہ آپ طائف چلے گئے۔ عشاء کے وقت مکان پہنچے، قوم کے لوگ آئے اور سب نے جاہلیۃ کے طریقہ پر سلام کیا، آپ نے فرمایا: ''وعلیکم بتحیة اهل الاسلام'' پھر ان کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ سن کر سب کے سب آپ کے پاس سے چلے گئے اور باہمی مشورہ کرنے لگے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے اذان دی، اذان کی آواز سنتے ہی بنو ثقیف ہر ہر گوشہ سے نکل پڑے اور بنی مالک کے آدمی اوس بن عوف نامی نے آپ کو تیر مارا۔ جو رگ.......... میں لگ گیا اور خون کسی طرح بند نہ ہوا، یہ حال دیکھ کر حضرت عروہ نے فرمایا: ''قد تصدقت بدمی علی صاحبه لا صلح بذلك بينكم و هی كرامة اكرمنی الله بها وشهادة ساقها اِلیّ اللّٰه''۔ پھر آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان شہداء کے قبرستان میں دفن کرنا جو حصارِ طائف کے وقت شہید ہوگئے تھے۔ اس کے بعد آپ کا وصال ہوگیا اور لوگوں نے وہیں دفن کیا۔ جب آنحضرت کو آپ کی شہادت کی خبر لگی تو فرمایا:

"مثله كمثل صاحب يا سين دعا قومهٔ اِلى الله فقتلوه"۔ ان کی مثال صاحب یاسین جیسی ہے، جنہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا تو اس نے انہیں شہید کر دیا۔

(طبقات ابن سعد۔ج قسم ۲۔ص ۵۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ ذہین اور ذکی تھے۔آپ کا شمار بھی ان صحابہ میں ہے جنہوں نے سارا قرآن حفظ کیا تھا۔صحابہ میں علوم قرآنی پر سب سے زیادہ آپ کو عبور حاصل تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتویٰ دیا کرتے تھے۔علامہ ذہبی نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔علامہ ابن قیم نے آپ کو ان صحابہ میں شمار کیا جن کی حیثیت "متوسطین" کی ہے اور جن کے فتاوے ایک جلد میں جمع کیے جا سکتے ہیں۔"علم الانساب" میں تمام قریش اور رؤسائے عرب میں آپ ماہر تھے۔خواب کی تعبیر بھی خوب بیان فرماتے تھے۔حضور کے زمانے میں بھی خواب کی تعبیر دیا کرتے تھے۔آپ نے احادیث کا ایک مجموعہ بھی تیار کیا تھا۔مگر فتنہ کے ڈر سے اُسے نذر آتش کر دیا۔آپ سب سے پہلے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں وصال ہوا۔

اسلام لانے کے بعد سے ہجرت تک آپ بھی با اثر ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے ساتھ تمام مصائب ونوائب میں شریک رہے۔ بلکہ ہر بلا سے بچنے کی ہر امکانی کوشش فرماتے رہے۔بے شمار روپیہ اسلام کی راہ میں خرچ کیا۔

جب حضرت طلحہ بن عبداللہ نے آپ کی دعوت پر اسلام قبول کیا تو طلحہ کے چچا نوفل بن خویلد نے دونوں حضرات کو ایک ساتھ باندھ کر مارا۔مگر صدیق اکبر کے خاندان نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی حمایت میں کفار کے ہاتھوں اس قدر زدوکوب کیے

گئے کہ بے ہوش ہو گئے۔ اُٹھا کر لائے گئے تو سر میں جس جگہ ہاتھ لگتا بال اُکھڑ جاتے تھے۔

کفار کے ظلم وستم کے ہاتھوں مجبور ہو کر آپ ہجرت کے ارادے سے مکہ کے باہر نکلے راستہ میں ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اہل مکہ رہنے نہیں دیتے، اب خدا کی راہ میں ہجرت کر رہا ہوں۔ یہ سن کر ابن الدغنہ نے کہا کہ آپ جیسا نیک سیرت، مہمان نواز اور معزز انسان مکہ چھوڑ کر چلا جائے، یہ اہل مکہ کی بدبختی ہے، یہ کہہ کر آپ کو واپس لایا۔ ہجرت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ ہی تھے۔ سفر کی تکالیف برداشت کر کے ''یارِ غار'' کا لقب جاوداں حاصل کیا۔

آپ کی وفات بھی مظلومیت ہی کے سلسلے میں ہوئی۔ مورخ اسلام علامہ مسعودی فرماتے ہیں:

''وكان ابوبكر رضى الله عنه قد سمته اليهود فى شئ من الطعام و اكل معه الحارث بن كلده فعمى وكان السم قبل سنة ومرض ابوبكر قبل وفاته بخمة عشر يوما''۔

(عروج الذہب۔ ج ا۔ ص ۴۱۴)

یہودیوں نے حضرت ابوبکر کو کھانے میں زہر دیدیا تھا۔ آپ کے ساتھ حارث بن کلدہ مشہور عربی طبیب بھی زہر میں شریک تھا۔ وہ تو اسی زمانہ میں اندھا ہو گیا۔ یہ واقعہ آپ کی وفات سے ایک سال قبل کا ہے اور حضرت ابوبکر اپنی وفات سے پندرہ دن پہلے بیمار ہوئے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

آپ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان رسالت سے فرمادیا ہے ''ہر اگلی قوموں میں محدث ہوا کرتے تھے، اس امت کے محدث عمرؓ ہیں''۔ حضرت حذیفہؓ کا قول ہے ''لوگوں کا پورا علم، عمر کے علم کا ایک سبق ہے''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا فرمان ہے ''اگر عرب کے تمام قبائل کا علم ایک پلے میں رکھا جائے اور صرف عمرؓ کا علم دوسرے پلے میں تو عمر کے علم کا پلہ

بھاری رہے گا‘‘۔لوگوں کا خیال ہے کہ’’حضرت عمر علم کے دس حصوں میں سے نو حصہ کے مالک ہیں۔حضرت عمر کے ساتھ ایک مجلس ایک سال کے عمل کرنے سے زیادہ قابل اعتماد ہے‘‘۔ علامہ ذہبیؒ نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔علامہ ابن قیمؒ نے آپ کا شماران صحابہ میں کیا جو فتویٰ کے لحاظ سے’’متوسطین‘‘ کے گروہ میں ہیں اور جن کے فتاوے ایک ضخیم جلد میں جمع کیے جاسکتے ہیں۔آپ ذی الحجہ ۲۳ھ میں شہید ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے زمانے میں رمی جمرہ فرما رہے تھے، ناگہاں ایک کنکری آپ کی پیشانی پر لگی اور خون بہنے لگا۔اسی مقام پر بنی لہب کا ایک ازدی شخص موجود تھا، اس نے کہا’’امیر المومنین! آپ سمجھ لیں کہ آئندہ سال آپ حج نہ کرسکیں گے‘‘ اتنے میں آپ جمرۂ ثانیہ تک پہنچ گئے، اس شخص نے زور سے چلا کر یہی جملہ کہا، چنانچہ حج سے واپسی کے بعد آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔(استیعاب۔ج ۲۔ص ۲۳۰)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت میں حضرت عمر کے ساتھ بازار گیا، آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا، اتفاق سے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابولولو فیروز نے آکر سلام کر کے کہا’’آپ میرے مالک سے کہہ دیں کہ مجھ سے خراج کچھ کم کردے‘‘ آپ نے دریافت کیا کہ کتنی رقم وہ تم سے وصول کرتے ہیں، اس نے کہا کہ ایک دینار، آپ نے کہا تم کاریگر آدمی ہو یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے، اس کے بعد آپ نے اس سے ایک چکی بنانے کی فرمائش کی، اس نے منظور کرلیا، جب آپ چلے تو اس نے کہا کہ’’میں آپ کے لیے ایک چکی بناؤں گا، جس کا تذکرہ دنیا کے مشرق و مغرب تک پھیلے گا‘‘ اسی روز رات ہی سے ابولولو فیروز مسجد میں چُھری لیے ہوئے چھپا تھا، صبح کی نماز کے لیے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تو صفوں کے درست کرنے سے پہلے ہی اس نے آپ پر چُھری سے حملہ کردیا، آپ کے تین یا چھ زخم آئے، ایک وار ناف کے نیچے لگا، اور یہی ضرب کاری آپ کی شہادت کا باعث ہوئی، حملہ کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا’’کُتّے کو پکڑو، اس نے مجھے قتل کردیا‘‘ لوگوں میں اضطراب پیدا ہوگیا، اس نے ۱۳؍آدمیوں کو اور زخمی کیا، اسی ہنگامۂ دارو گیر میں

سورج نکلنے کے قریب ہو گیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آگے بڑھ کر فجر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر گھر لے گئے، لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا، فوراً طبیب کو بلایا گیا، اس نے آتے ہی شربت پلایا، پھر حضرت عمر ہی کی رائے سے دودھ پلایا گیا، مگر زخم کے رسنے سے دونوں چیزیں بہ گئیں، طبیب نے کہہ دیا کہ میرے تجربے کے مطابق آپ ایک دن تک زندہ نہیں رہ سکتے، جو کچھ کہنا سننا ہو کہہ سن لیجیے۔

آپ نے اپنے بڑے صاحب زادے حضرت عبداللہ سے فرمایا کہ جاؤ میرے قاتل کا پتہ چلاؤ، انہوں نے تحقیق کر کے بتایا کہ آپ کا قاتل ابولولو فیروز غلام، آپ نے فرمایا ''اللہ کا شکر ہے کہ میرا قتل ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں ہوا ہے جو لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ خدا کے سامنے جھگڑ سکے'' (یعنی غیر مسلم نے قتل کیا ہے)۔

آخری وقت جب کہ آپ کا سرِ مبارک صاحب زادہ حضرت عبداللہ کے آغوش میں تھا، آپ نے یہ شعر پڑھا:

ظلوم لنفسی غیر انّی مُسلِم
اُصَلّی الصلوٰۃ کُلَّھَا واصومُ

میں گناہ گار ہوں مگر ساتھ میں مسلمان ہوں، ساری نمازیں ادا کرتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں۔

(استیعاب۔ ج ا۔ ذکر عمر بن خطاب ۲۱)

حضرت عمر کے زخمی ہونے کے بعد ہی یہ خبر مشہور ہوئی کہ تنہا فیروز ہی آپ کا قاتل نہیں بلکہ اس میں ایک جماعت شامل ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا بیان ہے کہ شام کے وقت میں نے فیروز کے ساتھ ہُرمزاں اور جفینہ کو ساتھ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا، جب میں اچانک ان کے پاس پہنچا تو یہ تینوں گھبرا کر اٹھ گئے، ان میں سے ایک کے پاس سے خنجر گرا، جس میں دونوں طرف دھار تھی، جب ابولولو فیروز کا خنجر دیکھا گیا تو وہ ٹھیک اسی قسم کا تھا جیسا کہ عبدالرحمٰن نے بیان کیا تھا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

آپ نے امت کو کتاب اللہ پر جمع کیا، آپ سے ۴۶ر احادیث مروی ہیں، مناسک حج کے علم میں صحابہ میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے، علامہ ذہبی نے آپ کو بھی حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، علامہ ابن قیم کے نزدیک آپ ان صحابہ میں ہیں جو باعتبارِ فتویٰ ''متوسطین'' کے گروہ میں ہیں۔ زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ، سائب بن یزید رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے۔ عبدالرحمٰن بن حاطب کا بیان ہے کہ صحابۂ کرام میں حضرت عثمان سے مکمل طور سے حدیث بیان کرنے والا اور بہتر میں نے کسی کو نہیں دیکھا، البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرنے سے ڈرا کرتے تھے۔ (ابن سعد۔ ج ۳۔ ق ا۔ ص ۳۹)

اسلام کے لانے کے جرم میں دیگر صحابۂ کرام کی طرح آپ بھی کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بنے، آپ کے چچا نے باندھ کر آپ کو مارا، اعزہ واقارب نے آپ کی طرف سے سرد مہری برتنی شروع کی، کفار کے ظلم وستم سے تنگ آکر اپنی زوجۂ مبارکہ حضرت رُقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر حبشہ کو ہجرت کر گئے۔

علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ جب آپ مسلمان ہوئے تو آپ کے چچا حکم بن ابی العاص نے آپ کو رسیوں سے باندھا اور کہا کہ اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر نیا دین اختیار کرتے ہو، خدا کی قسم جب تک تم اس دین کو نہ چھوڑو گے میں تمہیں کھول نہیں سکتا، اس پر آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں اس دین کو نہ چھوڑ سکتا ہوں اور نہ ہی اس سے جدا ہو سکتا ہوں۔ بالآخر حکم کو کھولنا ہی پڑا۔ (ابن سعد۔ ج ۳۔ ق ا۔ ص ۳۸۰)

سب سے زیادہ اندوہناک اور روح فرسا واقعہ ''شہادتِ عثمان'' ہے۔ جس بے دردی اور سفاکی سے اس امامِ مظلوم کو قتل کیا گیا ہے، اس کی مثال امت میں ملنی مشکل ہے۔ آپ کی شہادت اسلامی اقتدار وشوکت کے انحطاط کی ابتدائی منزل ہے۔ قتل عثمان کے لیے جو تلواریں

نیاموں سے نکلیں، پھر داخل نہ ہوئیں۔

امتِ اسلامیہ میں اس فتنۂ عظیم کا پیدا کرنے والا عبداللہ بن سبا یہودی منافق بانیِ فرقۂ سبائیہ رافضہ تھا، اس نے اپنے اسلام کا اظہار کر کے چاہا کہ مسلمانوں میں سیاسی تفرقہ ڈال کر ان کو برباد کرے، اس زمانہ کے سادہ لوح لوگوں کو آلِ رسول کی محبت کے دام میں پھنسا لیا، مصر، شام، کوفہ، بصرہ اور خود حجاز میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈا کر کے، آپ پر اعتراضات کیے اور لوگوں کو انکارِ خلافت پر اُبھارا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اطرافِ ملک سے باغی جوق در جوق مدینہ منورہ میں آئے اور آپ کے مکان کو گھیر لیا، چند دن تو باغی آپ کے ساتھ نماز پڑھتے رہے، پھر باغیوں نے آپ کو گھر میں محصور کر دیا، پانی تک رکوا دیا، آپ محاصرہ کی حالت میں بالاخانہ پر آ کر باغیوں کے گروہ کو بار بار سمجھاتے، اپنی برأت کا اظہار کرتے، مگر یہ بدنصیب کسی طرح راہِ راست پر نہ آتے تھے۔ باغیوں نے سوچا کہ اگر محاصرہ میں دیر ہو گئی تو جا بجا مسلمان حضرت عثمان کی امداد کے لیے آ جائیں گے۔ اس لیے انہوں نے گھر کے دروازہ میں آگ لگا دی اور گھر میں داخل ہو گئے، بعض لوگ خلیفۃ المسلمین کے پڑوسی ابن حزم کے مکان میں سے کود کر آپ کے گھر میں داخل ہوئے، جس وقت باغی گھر میں داخل ہوئے، آپ قرآنِ حکیم کی تلاوت فرما رہے تھے، پہلے باغیوں کی ایک جماعت آئی جن میں محمد بن ابی بکر بھی شامل تھے، محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمان کی داڑھی پکڑ کر کھینچی آپ نے فرمایا کہ تمہارے باپ ہوتے تو اس کی قدر کرتے، یہ جملہ سن کر ابن ابی بکر شرما گئے اور واپس لوٹ آئے، اس کے بعد مصری باغیوں کا سردار ''غافقی'' آیا، اس نے چھری سے وار کیا، اس کے بعد سودان بن حمران نے تلوار ماری، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت نائلہ نے روکنے کی کوشش کی مگر سودان کی تلوار کی ضرب سے ان کی آدھی ہتھیلی مع انگلیوں کے کٹ گئی۔ پھر کسی نے آ کر آپ کی گردن تن سے جدا کر دی، اس وقت آپ یہ تلاوت فرما رہے تھے:

''فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم''۔ (پ ا۔ سورہ بقرہ۔ آیت ۱۳۷)

سو اب کافی ہے تیری طرف سے اُن کو اللہ اور وہی ہے سننے والا اور جاننے والا۔

اس کے بعد باغیوں نے گھر کا مال و اسباب لوٹا اور مدینہ میں آپ کے قتل کا اعلان کر دیا، قتل کے دن بھی آپ روزے سے تھے، رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ عثمان تم کل میرے ساتھ جنت میں روزہ افطار کرنا۔

بائیس روز تک آپ کا محاصرہ رہا اور ۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ کا واقعۂ شہادت پیش آیا۔ یہ وہ منحوس دن تھا جس میں مسلمانوں کی سیاسی برتری کا انحطاط شروع ہوا اور مسلمانوں کی تلوار اپنوں کے خون سے رنگین ہوتی رہی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

قاضی الامت، فارسِ اسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زبانِ رسالت نے ''واقضاھم علیٌّ'' کے خطاب سے نوازا ہے احادیث کی روایت میں بڑے محتاط تھے، جب کوئی حدیث بیان کرتا تو قسم لینے کے بعد تصدیق فرماتے، آپ کے حکمت و دانائی کے مقولے، اشعار اور خطبے مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ایک مختصر سا مجموعہ بھی تھا، علامہ ذہبیؒ نے حفاظِ حدیث میں آپ کو شمار کیا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے مکثرین صحابہ میں شمار کیا ہے۔ آپ کے خطبات کا مجموعہ ''نہج البلاغۃ'' کے نام سے موجود ہے، مگر اس میں ایسے خطبے بھی شامل ہیں جو درحقیقت آپ کے نہیں، ایسے ہی دیوان بھی ہے۔ ۲۱/ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہوئے۔

خوارج میں سے تین آدمی عبدالرحمٰن بن مُلجم، بَرَک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تمیمی نے باہم مشورہ کیا کہ حضرت علی، امیر معاویہ اور عمرو ابن عاص کو قتل کر دیا جائے، تینوں نے ایک ایک شخص کا قتل اپنے ذمہ لیا۔ حضرت علی ابن ملجم کے حصہ میں آئے، برک نے امیر معاویہ اور عمرو بن بکر نے ابن عاص کے قتل کا تہیہ کیا اور تینوں نے قسم کھائی کہ یا تو ہم ماریں گے یا خود مر جائیں گے۔ ۱۵/ رمضان ۴۰ھ کی تاریخ اس کام کے لیے مقرر ہوئی، عبدالرحمٰن ابن ملجم بغیر کسی اطلاع کے کوفہ چلا گیا، جہاں حضرت علی کا دارالخلافہ تھا، یہاں اس نے رباب تیم کے قبیلہ کی ایک لڑکی

قطامہ سے نکاح کا پیغام بھیجا تھا، یہ لڑکی ایک خارجی کی بیٹی تھی اور حسن و جمال میں یکتا، ابن ملجم اسی کے قبیلہ میں ٹھہرا اور اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگیا، اس عورت نے نکاح کے لیے یہ شرط لگائی کہ مہر میں تین ہزار درہم، ایک لونڈی، ایک غلام اور حضرت علی کا سر ہوگا۔ ابن ملجم اسی کے لیے آیا تھا، اس نے بخوشی منظور کرلیا، اس نے اس عورت سے کہا کہ میں اسی کام کے لیے یہاں آیا ہوں، تم کسی سے یہ راز فاش نہ کرنا، عورت نے کہا کہ ''نہیں'' تم جا کر ان کا کام تمام کردو، پھر ہم دونوں چین سے زندگی بسر کریں گے۔

حسب قرارداد ابن ملجم ۱۷/ رمضان کو مسجد میں جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھا کرتے تھے، گھات میں جا کر بیٹھ گیا، جب آپ فجر کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو ابن ملجم نے ان کے سر پر تلوار ماری، حضرت علی نے فوراً اس کی گرفتاری کا حکم دیا، وہ گرفتار کرلیا گیا، چوں کہ زخم کاری لگ چکا تھا، اس لیے آپ تیسرے دن یومِ شنبہ ۲۱/ رمضان ۴۰ھ کو انتقال فرما گئے، وفات سے پہلے اولاد کو جمع کیا اور وصیت کی کہ ''میرے انتقال کے بعد قاتل سے قصاص لے لیا جائے، دوسرے لوگ قتل نہ کیے جائیں، قاتل کے اعضاء بھی نہ کاٹے جائیں، کیوں کہ اسلام میں مُثلہ جائز نہیں ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، صحابی ہیں، علماء امت میں منصب جلیل کے مالک ہیں، جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک زبان پر آتا تو رو پڑتے، فہم وفراست میں یکتائے زمانہ تھے، آپ کے فضائل ومناقب بہت زیادہ ہیں، اوائل ۷۴ھ میں انتقال فرمایا۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حجاج کو خطبہ پڑھتے دیکھا تو غضب آلودہ ہوکر فرمایا، خدا کے دشمن نے خدا کی حرام کی ہوئی باتوں کو حلال کرلیا، خدا کے گھر کو خراب و برباد کیا اور خدا کے دوستوں کو قتل کیا، حجاج نے اپنی نسبت یہ سخت کلمات سن کو پوچھا یہ کون ہے؟ کسی نے جواب دیا یہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں، یہ سن کو وہ سفاک آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا ''اب تم

بوڑھے ہوکر سٹھیا گئے ہو، تمہارے حواس بجا نہیں رہے'' منبر سے اُترا تو عداوت کی آگ دل میں بھڑک رہی تھی، ایک ملازم کو اشارہ کیا، اس نے ایک نیزہ جو زہر میں بجھا ہوا تھا، آپ کے پاؤں پر مارا، اسی زہر کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔ حجاج آپ کی بیماری سن کر زخم پر نمک پاشی کے لیے عیادت کو آیا، مگر آپ نے اس کے سلام کا جواب تک نہیں دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱۔ ص ۳۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

مشہور صحابہ سے ہیں، آپ سے بہت زیادہ احادیث مروی ہیں، بدر کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ غزوات میں شرکت فرمانے کی سعادت حاصل کی، ملک شام اور مصر بھی گئے، بے شمار مخلوق نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ عبدالملک کے زمانے میں ۷۴ھ میں انتقال فرمایا، آپ سب سے آخری صحابی ہیں، جن کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا۔

واقعہ حرہ کے زمانے میں حضرت جابر بن عبداللہ اندھے ہو چکے تھے، عین اس وقت جب کہ مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں قتل وغارت کا بازار گرم تھا، آپ مدینہ کی گلیوں میں اپنی لاٹھی کے سہارے یہ کہتے ہوئے گشت لگا رہے تھے ''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کو ڈرانا چاہتا ہے، اس کے لیے ہلاکت ہے'' ایک شخص نے پوچھا کہ اللہ اور اس کے رسول کو کوئی ڈرا سکتا ہے، آپ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جو شخص اہل مدینہ کو خوف زدہ کرے گا، تو وہ..............'' اِس کہنے پر ایک شخص نے آپ پر قتل کی نیت سے حملہ کیا مگر مروان نے درمیان میں پڑ کر روک دیا اور آپ کو آپ کے گھر میں لے جا کر دروازہ بند کرا دیا۔

(الامامۃ والسیاسۃ۔ ج ۱۔ ص ۱۹۵)

حجاج بن یوسف ظالم وسفاک نے منجملہ دیگر صحابۂ کرام کے حضرت جابر بن عبداللہ کی گردن پر تذلیل وتوہین کی غرض سے مہر کر دی تھی، یہ آپ کی عمر کا آخری زمانہ تھا، آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے، مگر اس حالت میں بھی یہ ستم ان سے روا رکھا گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ آئے تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، اس وقت آپ کی عمر ۸؍برس کی تھی، خدمت اقدس میں ایسے آئے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہی درِ رسالت سے ہٹے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لیے کثرت اولاد کی دعا فرمائی تھی، تقریباً سوا سو اولاد آپ کے صلب سے پیدا ہوئی۔ ۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ سب سے آخری صحابہ ہیں جن کا انتقال بصرہ میں ہوا۔

ظالم حجاج بن یوسف نے منجملہ دیگر صحابہ کے آپ کی توہین وتذلیل کے لیے آپ کی گردنِ مبارک پر بڑھاپے میں مہر لگوا دی تھی۔

حضرت سہل بن ساعدی رضی اللہ عنہ

آپ کا نام ’’حزن‘‘ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر ’’سہل‘‘ رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۵؍سال کی تھی، متعدد تابعین نے آپ سے علمی فیضان اٹھایا، ۹۱ھ میں انتقال ہوا، ایک روایت کے مطابق آپ سب سے آخری صحابہ ہیں جنہوں نے مدینہ میں انتقال فرمایا۔

حجاج نے آپ کو بھی اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا تھا اور صحابہ کی طرح آپ کی گردن پر بھی ذلت کے لیے مہر لگوا دی تھی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم مبارک سعد بن مالک ہے، صلح حدیبیہ کی بیعت میں شریک تھے، اصحاب صفہ میں آپ کا شمار ہے، بڑے فضائل ومناقب کے مالک تھے، بہت سی احادیث کی روایت فرمائی

ہے، ایک مدت تک فتویٰ دیا ہے، ۸۶؍ سال کی عمر میں اوائل ۷۴ھ میں انتقال فرمایا۔

واقعہ حرہ میں آپ فتنہ سے بچنے کی غرض سے اپنے گھر میں بیٹھ رہے، شام کے چند لشکری آپ کے پاس گئے اور کہا آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں ابوسعید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہوں! اہل شام نے کہا ہم آپ کے متعلق باتیں سنا کرتے تھے، آپ نے اپنا حصہ جنگ میں شرکت نہ کرکے لے لیا، لیکن آپ کے پاس جو کچھ موجود ہے، ہمارے حوالے کیجیے، ابوسعید خدری نے جواب دیا واللہ میرے پاس کچھ مال نہیں ہے۔ اہل شام یہ سن کر آپ پر ٹوٹ پڑے، ریش مبارک نوچی، کئی سخت زخم دیئے اور جو کچھ گھر میں موجود تھا لوٹ لیا، حتیٰ کہ گھر میں سے لہسن اور کبوتروں کا جوڑا بھی ساتھ لے گئے۔ (الامامۃ والسیاسۃ۔ ج ا۔ ص ۱۹۵)

شیبانی ذہلی رحمۃ اللہ علیہ ۶۰ھ

آپ مخضرم ہیں، علم الانساب کے زبردست عالم تھے، امام حسن بصری اور محمد بن سیرین نے ان سے روایت کی ہے ۶۰ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ (خلاصہ تذہیب الکمال۔ ص ۹۵)

ابوجوزاء ربعی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی اوس بن خالد ہے۔ آپ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں، خود بیان فرماتے ہیں کہ میں ابن عباس کے گھر میں بارہ سال تک ان کی صحبت میں رہا ہوں اور قرآن کی ہر ہر آیت کے بارے میں ان سے سوال کر چکا ہوں، کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے، اپنے غلام کو ہر مہینہ میں دو ایک درہم اس لیے دیا کرتے تھے کہ جلی ہوئی روٹیوں کو برا نہ کہے، فرماتے تھے کہ میرے گھر میں سور اور بندر بھر جائیں تو مجھے اتنا ناگوار نہ ہوگا جتنا کہ ایک بدعتی آدمی سے ملنے کو میں برا سمجھتا ہوں، نماز اور بیت الخلا کے لیے الگ الگ کپڑے رکھتے تھے۔ ۸۳ھ میں فوت ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کے ہمراہ نکلے اور جنگ جماجم میں شہید ہوئے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۷۔ قسم اول۔ ص ۱۶۳)

عبداللہ بن غالب

ایک مرتبہ آپ نے ابن اشعث کو دیکھا کہ لوہے کے منبر پر بیٹھا ہے اور اس کے گرد بیس آدمی تلوار اور ڈھال اور خوشبو لیے ہوئے کھڑے تھے، یہ دیکھ کر آپ ابن اشعث کی طرف بڑھے اور کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ کس بات پر بیعت لیتے ہو، ابن اشعث نے کہا ''کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر'' یہ سن کر آپ نے اس کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور کہا ''اگر یہ بات ہے تو پھر آج سے میرے اور اہل شام کے درمیان کوئی پردہ نہیں'' اس کے بعد جنگ میں شریک ہو کر لڑے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۷۔ قسم اول۔ ص ۱۶۳)

عقبہ بن عبدالغافر ازدی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابونجار ہے۔ ثابت راوی کا بیان ہے کہ عقبہ بن عبدالغافر کے متعلق میرا یہ خیال تھا کہ میں ان کے رنگ میں خدا سے ملوں تو ملوں۔ مُرہ بن دباب کا بیان ہے کہ جنگ ابن اشعث میں جب لوگ شکست کھا کر بھاگے تو عقبہ ایک خندق میں زخمی ہو کر پڑے تھے۔ میں ادھر سے گزرا تو انہوں نے مجھے دیکھ کر پکارا، میں متوجہ ہوا تو کہا ''میں دنیا اور آخرت دونوں سے گیا'' دوسری روایت کے مطابق آپ یومِ ابن اشعث ہی میں شہید ہوئے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۷۔ قسم اول۔ ص ۱۶۴)

مسلم بن بسیار

آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ طلحہ بن عبیداللہ تیمی کے مولیٰ ہیں۔ نہایت ثقہ، عابد، متقی اور زبردست عالم دین تھے۔ ابتدا میں امام حسن بصری کے ہم پلہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ مگر ابن اشعث کا ساتھ دینے کے بعد لوگوں میں اس مرتبہ کے نہ رہے۔ جب نماز پڑھتے تھے تو کپڑے تک میں حرکت نہ ہونے دیتے۔ ایک مرتبہ نماز میں تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی، آپ نماز میں مشغول رہے اور آگ خود ہی بجھ گئی۔

عبداللہ بن حنظلہ

جلیل القدر تابعی اور حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کے فرزند ہیں، آپ نے اہل مدینہ کو لے کر یزید کے خلاف خروج فرمایا اور اس کی وجہ یوں بیان فرمائی ہے:

”یا قوم اتقواللّٰہ وحدہٗ	اے لوگو! اللہ سے ڈرو جس کا کوئی شریک نہیں
لاشریک لہٗ فواللّٰہ	ہے۔ بخدا ہم نے یزید سے تب تک خروج
ماخرجنا علی یزید حتی	نہیں کیا جب تک یہ ڈر پیدا نہیں ہو گیا کہ
خفنا ان نرمیٰ بالحجارۃ من	(اب یزید کی مخالفت نہ کرنے کی وجہ سے)
السماء ان رجلاً ینکح	آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے۔ اب حال یہ
الامھات والبنات والاخوات	ہے کہ لوگ ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح
ویشرب الخمر ویدع	کرنے لگے ہیں اور شراب پینے اور نماز ترک
الصلوٰۃ واللّٰہ لولم یکن	کرنے لگے ہیں۔ خدا کی قسم اگر تم میں سے
معی احد من الناس لابلیتُ	کوئی ایک بھی میرا ساتھ نہیں دے گا تو بھی
للّٰہ فیہ بلاء حسنا“۔	میں اللہ کی رضا کے لیے سخت جنگ کروں گا۔

اسی دینی حمیت کی بنا پر آپ نے لوگوں سے بیعت لی اور یزید کے خلاف صف آرا ہوئے، آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ اطراف ونواحی سے آ آ کر بیعت ہوتے تھے، خلوص کا یہ عالم تھا کہ اس زمانہ میں آپ مسجد نبوی میں رات دن رہتے تھے اور صرف ستو پر روزہ افطار فرماتے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ شامی لشکر ”وادی القریٰ“ تک پہنچ گیا ہے تو ظہر کی نماز کے بعد لوگوں سے خطاب کیا:

”ایھا الناس انما خرجتم	اے لوگو! تم دین کی حمایت میں غضبناک ہو کر
غضبا لدینکم فابلوا	نکلے ہو تو جوش ایمانی کے ساتھ زبردست
اللّٰہ بداء حسناً لیوجب	مقابلہ کرو تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت تمہارے

لکم به مغفرته ویحل به — لیے واجب کردے اور اسی کے سبب تم کو اللہ
علیکم رضوانه''۔ — کی رضا حاصل ہو جائے۔

لوگ مسجد میں مروان وغیرہ کو برا بھلا کہنے لگے تو آپ نے فرمایا:

''ان الشتم لیس بشئ — برا بھلا کہنا بیکار ہے، تم صدق دلی سے ان کا
ولکن اصد قوھم اللقاء — مقابلہ کرو، بخدا جب قوم سچائی اور نیک نیتی
والله ماصدق قوم الاحازوا — اختیار کرتی ہے، تبھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت
النصر بقدرة اللّٰه''۔ — سے اس کو کامیابی عطا کرتا ہے۔

پھر آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

''اللّٰھم انا بک واثقون — اے اللہ ہم نے تری تصدیق وتوثیق کی اور
بک آمنا وعلیک توکلنا — تجھ پر ایمان لائے اور تجھی پر توکل کیا اور
والیک الجانأ ظھورنا''۔ — تیری ہی پناہ لی۔

جب حرہ کی لڑائی شروع ہوئی اور شامی فوجیں ہر طرف سے مدینہ منورہ پر دھاوا بولنے لگیں تو آپ نے زرہ پہنی اور مقابلہ میں آئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ جس وقت شامی ہر طرف سے مدینہ منورہ پر چڑھ آئے تو آپ زرہ پہنے اور اپنے متبعین کو جنگ پر برانگیختہ کرنے لگے، چناں چہ لوگوں نے جنگ شروع کی اور لوگ قتل ہونے لگے، مدینہ والوں کی جماعت میں صرف آپ کا جھنڈا نظر آتا تھا، جسے آپ اپنی جماعت کے ساتھ سنبھالے ہوئے تھے، بحالت جنگ ظہر کا وقت آ گیا، آپ نے غلام سے فرمایا کہ نماز کا انتظام کرو، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو غلام نے عرض کیا کہ ابوعبداللہ آپ کے ہمراہ کوئی نہیں ہے، اب جھنڈا بلند کرنے کا کیا موقعہ ہے، اس وقت آپ کے سامنے پانچ آدمی بھی نہ تھے، آپ نے فرمایا ''ہم تو صرف مرنے کے لیے نکلے ہیں'' یہ کہہ کر آپ جنگ کے لیے نکلے، اس وقت آپ کے بدن پر کئی زخم تھے، آپ نے زرہ نکالی، تلوار باندھی، پھر لوگوں کو جنگ پر آمادہ کیا، اہل مدینہ کی صف تتر بتر ہوگئی تھی اور شامی لشکر بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہا تھا، جب تمام اہل مدینہ کو شکست ہوئی تو آپ تنہا

مصروفِ جنگ رہے، یہاں تک کہ ایک شامی نے آپ کو تلوار ماری، جس سے آپ کے دو مونڈھے کٹ گئے اور آپ کا وصال ہو گیا۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۴۷/۴۸)

محمد بن عمرو بن حزم

مشہور صحابی حضرت عمرو بن حزم کے بیٹے ہیں ''ایام حرہ'' میں آپ اہل شام پر پے در پے گھوڑوں کے دستے سے حملہ کرتے تھے اور انہیں قتل کرتے تھے، یہاں تک کہ شامی لشکر نے آپ کو نیزے پیوست کر دیئے اور آپ شہید ہو گئے، جب آپ کا وصال ہو گیا تو اہل مدینہ کے پاؤں بھی مقابلہ سے اکھڑ گئے اور مدینہ میں پناہ کی غرض سے آئے جس کی وجہ سے شامی فوجوں نے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر قتل و غارت اور سلب و نہب کا بازار گرم کیا۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۵۰)

محمد بن اُبّی بن کعب

مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب قاریِ قرآن کے صاحب زادے ہیں، عہد رسالت میں پیدا ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی اور آپ سے بُسر بن سعید نے روایت کی، نہایت ثقہ تابعی تھے، ایامِ حرہ میں شہید ہوئے۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۵۵)

سوید بن عویم بن ساعدۃ (قُتِلَ یوم حرہ)

ایوب بن بشیر بن سعد

انصاری تابعی ہیں، عہد رسالت میں پیدا ہوئے، حضرت عمر سے حدیث روایت کی، امام زہری نے آپ سے روایت کی آپ ثقہ قلیل الحدیث تابعی تھے، ''حرہ'' میں شریک ہوئے اور زخمی ہو کر دو سال بعد انتقال فرمایا۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۵۷)

ثابت بن تمیم بن غزیہ اور معمر بن تمیم بن غزیہ

آپ دونوں بھائی حرہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۵۸)

عبداللہ بن محمد، سلیمان بن محمد، یحییٰ بن محمد

تینوں بھائی حرہ کی جنگ میں درجۂ شہادت کو پہنچے۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۵۹)

افلح مولیٰ ابوایوب انصاری

آپ حضرت ابوایوب انصاری کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ کا اصلی وطن ''عین التمر'' ہے۔ حضرت خالد بن ولید کے دیگر قیدی کے ساتھ آپ کو مدینہ لائے تھے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے احادیث کی روایت کی ہے، مدینہ میں آپ نے گھر بنایا تھا، حرہ میں شہید ہوئے۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۶۸)

یعقوب بن طلحہ بن عبیداللہ

آپ کے والد مشہور صحابی حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور ماں صدیق اکبر کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم ہیں۔ آپ نہایت فراخدل اور سخی تابعی تھے، واقعہ حرہ میں شہید ہوئے، جب واقعہ حرہ اور آپ کی شہادت کی خبر عبداللہ بن زبیر اسدی کو ہوئی تو انہوں نے ایک مرثیہ کہا، جس کے دو آخری شعر یہ ہیں:

شباب کیعقوب بن طلحة افقرت — منازله من رُومةٍ فبقیع

فواللّٰه ماهٰذا بعیش فیشتهیٰ — هَنئ ولا موت یریح سریع

(ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۲۳)

عمرو بن سعد بن ابی وقاص (قتل یوم الحرہ۔ ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۲۵)

عمیر بن سعد بن ابی وقاص (قتل یوم الحرہ۔ ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۲۶)

محمد بن ابی الجہم بن حذیفۃ

آپ یوم الحرہ میں مظلومان مدینہ کے طرف سے ذمہ دار اشخاص میں سے تھے اور اسی دن شہید ہوئے۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۲۸)

عبدالرحمٰن بن حویطب (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۲۹)

مَقْعل بن سنان اشجعی صحابی

ابو محمد کنیت ہے۔ آپ سے علقمہ اور مروان نے احادیث کو حاصل کیا۔ حرہ میں بے دردی سے شہید کر دیے گئے۔ (خلاصہ تذہیب الکمال۔ ص ۳۲۸)

عمار بن عمرو بن حزم

باپ سے روایت کی، ان سے ان کے صاحب زادے محمد وغیرہ نے روایت کی ''حرہ'' میں شہید ہوئے۔ (خلاصہ تذہیب الکمال۔ ص ۲۳۸)

ناتل جذالی وقیل ہمذانی

آپ شامی عالم ہیں، آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث حاصل کی، آپ سے سلیمان بن یسار نے پڑھا، ۶۶ھ میں شہید ہوئے۔ (خلاصہ تذہیب الکمال۔ ص ۳۴۸)

جعفر بن عبداللہ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۳۲)

عبیداللہ بن محمد بن ابوبکر صدیق (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۴۴)

ابوسعید بن عبدالرحمٰن بن الحارث (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۵۶)

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعۃ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۸۶)

عباد بن ابی نائلۃ وسلمہ بن عباد

باپ بیٹا دونوں حضرات ''حرہ'' کی جنگ میں شہید ہوئے۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۸۸)

زید بن محمد بن مسلمۃ

عین ''حرہ'' کی جنگ کے دوران میں سب سے پہلے شامی فوجوں نے انصاری قبیلہ ''بنی عبدالاشہل'' کے گھروں کو لوٹا اور اس قدر سلب ونہب کا بازار گرم کیا کہ گھر کا ایک سامان تو کیا عورتوں کے ان کے زیورات، کپڑے اور بسترے تک نہ چھوڑے، حتیٰ کہ گھر کی مرغیوں اور کبوتروں تک ذبح کر ڈالا اور اس کے دوسرے گھروں کو تین دن تک برابر لوٹتے رہے۔ اسی حالت میں محرم کا چاند نظر آیا، اس کے بعد حضرت محمد بن مسلمہ کے گھر پر فوجوں نے دھاوا بول دیا، گھر کی عورتوں نے شور مچایا، آواز سن کر زید بن محمد بن مسلمہ چند آدمیوں کو لے کر آئے تو دیکھا کہ دس فوجی گھر کو لوٹ رہے ہیں، یہ حالت دیکھ کر آپ اور آپ کی جماعت نے گھر کے اندر، دروازے پر اور باہر جنگ کی، یہاں تک کہ تمام شامی قتل ہو گئے، اور جو کچھ انہوں نے لوٹا تھا سب واپس لے لیا۔ جتنے اچھے سامان تھے ایک کنواں جس میں پانی نہیں تھا ڈال کر اس پر دھول

ڈال دی، اس کے بعد شامی فوجوں کا ایک دستہ آیا اور وہیں خوب جنگ ہوئی اور اسی جنگ میں حضرت زید بن محمد بن مسلمہ اپنے گھر کے دروازے پر شہید ہوئے، نیز آپ کے دوسرے ساتھی سلمہ بن عباد، جعفر بن یزید، بھی یہیں شہید ہوئے۔ زید محمد کو تلوار سے جسم پر چودہ زخم آئے تھے، ان میں سے چار صرف چہرے پر لگے تھے۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۸۹)

عمرو بن ثابت، محمد بن ثابت، اور یزید بن ثابت

آپ تینوں بھائی ''حرہ'' کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۹۱)

عبیداللہ بن مجمع بن جاریہ و یحییٰ بن مجمع بن جاریہ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۹۲)

حبیب بن خوات (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۹۲)

عباد بن عاصم بن عدی (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۹۳)

محمد بن حبر بن عتیک (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۹۳)

عبدالرحمٰن بن زید بن ثابت، سلیمان بن زید بن ثابت سعد بن زید بن ثابت، سلیط بن زید بن ثابت، اسماعیل بن زید بن ثابت، عبداللہ بن زید بن ثابت، زید بن زید ثابت

سعد بن زید سے احادیث کی روایت کی گئی ہے۔ ساتوں بھائی جنگ ''حرہ'' میں واصل بحق ہوئے۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۹۴/۱۹۵/۱۹۶)

عمارۃ بن عقبۃ بن کدیم (ابن سعد۔ج۵۔ص۱۹۶)

محمد بن نبیط بن جابر (ابن سعد۔ج۵۔ص۱۹۷)

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خبیب

آپ سے صاحبزادے خبیب بن عبدالرحمٰن سے عبیداللہ بن عمرو، شعبہ، امام مالک بن انس وغیرہ سے روایت کی ہے۔ آپ ''حرہ'' میں شہید ہوئے۔ (ابن سعد۔ج۵۔ص۱۹۹)

عبدالرحمٰن بن ابوقتادہ بن ربعی (ابن سعد۔ج۵۔ص۲۰۲)

یزید بن ابوالیسر (ابن سعد۔ج۵۔ص۲۰۳)

سلیمان بن ابوعیاش، بشیر بن ابوعیاش (ابن سعد۔ج۵۔ص۲۰۵)

عقبہ بن ابوعبادہ، فروہ بن ابوعبادہ، عثمان بن فروہ

دونوں بھائی عقبہ اور فروہ اور فروہ کے بیٹے عثمان تینوں ساتھ ہی ''حرہ'' میں شہید ہوئے۔ (ابن سعد۔ج۵۔ص۲۰۵)

مسعود بن عبادہ بن ابی عبادہ (ابن سعد۔ج۵۔ص۱۰۶)

محمد بن کعب بنی عجرہ، اسحاق بن کعب (ابن سعد۔ج۵۔ص۱۰۷)

ذکوان مولی حضرت عائشہ

آپ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں۔ آپ نمازوں میں غلام ہونے کے باوجود قریش کی امامت فرماتے تھے اور آپ کے پیچھے عبدالرحمٰن بن ابی بکر جیسے جلیل القدر عالم ہوا کرتے تھے، کیوں کہ آپ قرآن کے سب سے زیادہ ماہر عالم تھے۔ حضرت عائشہ نے ان سے فرما دیا تھا کہ جس دن تم مجھے زمین میں چھپا دوگے، اسی دن سے آزاد ہو جاؤ گے۔ ام المومنین کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ ''حرہ'' میں آپ کا وصال ہوا بلکہ غالباً گمان ہے کہ دیگر شہداء کے ساتھ آپ بھی شہید ہوئے۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۲۱۸)

کثیر بن افلح

آپ حضرت افلح مولی ابوایوب انصاری کے صاحب زادے ہیں۔ ''حرہ'' میں شہید ہوئے۔ (ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۲۲۰)

کمیل بن زیاد

آپ نے حضرت علی، حضرت عثمان اور عبداللہ رضی اللہ عنہم سے احادیث کی روایت کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگ صفین میں شریک ہوئے۔ اپنی قوم میں نہایت معزز، شریف اور مطاع تھے۔

حجاج بن یوسف جب اپنی گورنری کے سلسلہ میں کوفہ آیا تو اس نے آپ کو بلا کر قتل کروا دیا۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۶۔ ص ۱۲۴)

عمرو بن عتبہ سلمی

آپ کے والد صحابی رسول تھے۔ خود حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی تھی۔

عبادت و ریاضت میں نہایت مشہور تھے۔آپ بھی شہید کردیے گئے۔آپ کی نماز جنازہ حضرت علقمہ نے پڑھائی۔(طبقات ابن سعد۔ج ۲۔ص ۱۴۴)

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی ابراہیم بن یزید بن اسود ہے۔کنیت ابوعمران ہے۔کوفہ کے جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔دین وعلم میں امامت کے درجہ کے مالک ہیں۔بچپن میں اپنے چچا کے ہمراہ حج کے موقعہ پر ہوتے تو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔سنت کے پابند اور بدعت کے دشمن تھے۔ایک دن ناغہ سے روزہ رکھتے تھے۔ ۹۶ھ میں ۴۹ ربرس کی عمر میں وصال ہوا۔

حجاج بن یوسف کے خلاف بہت ہی سخت تھے۔اکثر اسے برا بھلا کہا کرتے تھے۔منصور نامی ایک شخص نے آپ کے سامنے حجاج یا دوسرے جابروں کے متعلق تذکرہ کیا کہ یہ لوگ بعض صحابہ پر لعنت کرتے ہیں،تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"الا لعنۃ اللّٰہ علی الظالمین"۔فرماتے تھے کہ آدمی کی جہالت کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ حجاج کی برائیوں سے ناواقف ہو،جب حجاج کی موت کی خبر آپ کو ملی تو سجدۂ شکر بجالائے اور مارے خوشی کے رونے لگے۔آپ کی حجاج دشمنی کے باعث بنو امیہ کے حکمران آپ کی سخت نگرانی کرتے تھے۔کوفہ کی مسجد اعظم میں جب امام اعمش اور امام ابراہیم نخعی درس دینے کے لیے بیٹھے تو حکومت کے نگران اور پولیس والے ساتھ ہی بیٹھا کرتے تھے۔

امام اعمش کا بیان ہے کہ خثیمہ نے ایک مرتبہ مجھ سے تذکرہ کیا کہ جب آپ اور ابراہیم نخعی مسجد میں بیٹھتے ہیں تو نگراں اور سپاہی بھی آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں، میں نے ابراہیم سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان نازک حالات میں بھی مسجد میں درس دینا اس بات سے بہتر ہے کہ ہم لوگ یہ کام ترک کردیں اور عوام طعن و تشنیع کرنے لگیں۔(طبقات ابن سعد۔ج ۶۔ص ۱۹۱)

ایک مرتبہ حوشب بن یزید نے کوفہ کے فوجیوں کو رخصت دی اور شرط لگا دی جو رخصت کے ختم ہونے پر وقت مقررہ تک نہ آجائے گا اسے ہر روز کے بدلے ایک دُرّہ لگایا جائے گا۔ چناں چہ امام نخعی بیس دن تک غائب رہے، کیوں کہ حوشب کے لڑکے عام بن حوشب نے آپ سے آپ کی غیر حاضری پر سزا نہ پانے کی ذمہ داری لی تھی، مگر حوشب نے اپنے لڑکوں کی ایک نہ سنی اور آپ کو بھی بیس دُرّے لگوائے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ٦۔ ص ١٩٥)

ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ

ابواسماء ابراہیم بن یزید بن شریک نہایت بزرگ تابعی ہیں، وعظ گوئی میں مشہور تھے، امام نخعی کے معاصرین میں سے ہیں، آپ کی گرفتاری اور اسیری کا واقعہ یہ ہے کہ حجاج نے ابراہیم نخعی کی گرفتاری کا حکم دیا جو آپ کا نام بھی ابراہیم بن یزیدی تھا، اس لیے آپ ہی حجاج کے پاس لائے گئے اور اس نے آپ کو ایک گڑھے میں قید کر دیا، جس کے اوپر گرمی اور سردی سے بچاؤ کے لیے کوئی آڑ نہ تھا، آپ کے ہاتھ پیر میں بیڑیاں ڈال دی گئیں، قید خانہ کی ان دشواریوں کی وجہ سے آپ کا حلیہ مبارک اس درجہ متغیر ہو گیا کہ آپ کی والدہ جیل خانہ میں جب آپ کو دیکھنے کے لیے آئیں تو پہچان نہ سکیں کہ میرا بیٹا ابراہیم کون ہے؟ جب آپ نے ان سے گفتگو کی تو انہوں نے پہچانا، جیل خانہ ہی میں آپ کا انتقال ہوا، جس رات آپ کا انتقال ہوا اسی رات کو حجاج نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے ''آج رات اس شہر میں ایک جنتی آدمی مر گیا ہے'' صبح اٹھ کر حجاج نے لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ہاں آج اس شہر واسط میں ابراہیم تیمی جیل خانہ میں انتقال فرما گئے ہیں، یہ سن کر اس نے کہا کہ یہ شیطانی خواب تھا، پھر اس نے حکم دیا کہ آپ کی نعش مبارک کو گھور پر ڈال دیا جائے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ٦۔ ص ١٩٩)

ابوالبختری طائی رحمۃ اللہ علیہ

علی بن عبداللہ بن جعفر، آپ بنی نبہان کے مولی تھے، آپ کثیر الحدیث تابعی تھے، آپ

نوحہ سن کر خود بہت رو دیا کرتے تھے، ۸۳ھ میں شہید ہوئے۔

حجاج کے خلاف ابن اشعث کے ہمراہ آپ بھی جماعت قراء میں جنگ کے لیے نکلے، قراء نے آپ کو اپنا امیر بنانا چاہا، تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میں غلام زادہ ہوں، امیر کوئی عربی النسل ہونا چاہیے، ''یوم الدجیل'' کی جنگ میں شہید ہوئے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ٦۔ ص ۲۰۴)

ذر بن عبید اللہ

آپ وعظ گوئی اور قصص میں بہت آگے تھے۔ عقیدۂ رجاء کی طرف میلان زیادہ تھا، آپ نے بھی قراء کے ہمراہ حجاج بن یوسف کے خلاف ابن اشعث کا ساتھ دیا اور جنگ میں شرکت کی۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ٦۔ ص ۲۰۵)

عمران بن عصام ضبعی بصری شاعر ۸۹ھ

آپ نے عوان بن حصین سے روایت اور آپ سے آپ کے صاحبزادے ابوحمزہ ضبعی نے روایت کی ابن حیان نے آپ کی توثیق کی ہے۔ ۸۹ھ میں حجاج نے قتل کر دیا۔

(خلاصہ تذہیب الکمال۔ ص ۲۵۱)

محمد بن سعد بن ابی وقاص

مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص کے صاحبزادے ہیں، آپ نے حضرت عثمان سے بھی حدیث کا سماع کیا ہے۔ آپ کی مرویات کی تعداد گرچہ بہت زیادہ نہیں ہے پھر بھی آپ ثقہ محدث ہیں۔ ابن اشعث کی تحریک میں آپ نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ ''دیر جماجم'' میں بھی گئے تھے۔ شکست کے بعد حجاج بن یوسف کے پاس لائے گئے اور اس نے آپ کو بھی قتل کر دیا۔

(ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۲۴)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ

مقتدر تابعین میں تھے، آپ کو ایک سو بیس صحابہ کی زیارت نصیب ہوئی، ان سے علمی فیض اٹھایا، قرأت کا خاص ذوق تھا، گھر پر ہروقت قراء کا مجمع پڑا رہتا، آپ کی علمی مجلس میں صحابہ تک شریک ہوکر احادیث کا سماع کرتے، آپ کا پورا خاندان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فدائیوں میں سے تھا۔ آپ کے والد حضرت یسار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ خود بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پرجوش طرف داروں میں تھے۔ ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دلی محبت تھی، ان کی جاں نثاری کو دیکھ کر حجاج بن یوسف نے ان پر ناجائز دباؤ ڈالا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تبرا کریں، دلی محبت کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہ کہہ سکتے تھے اور حجاج جیسے جابر وظالم کا تشدد مجبور کراتا تھا، مجبوراً توریہ کرتے تھے۔ آخر کار حجاج نے علی الاعلان تبرا نہ کرنے کے جرم میں آپ کو عہدۂ قضا سے معزول کر کے بری طرح کوڑے لگوائے۔ ہمام بن عبداللہ تیمی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو دُرّہ لگنے کے بعد دیکھا تھا، آپ کا پائجامہ پرزہ پرزہ ہوگیا تھا۔

حجاج آپ سے کہتا تھا کہ علی بن ابی طالب، عبداللہ بن زبیر اور مختار بن عبید جیسے جھوٹوں پر لعنت بھیجو، آپ نے اس کے ظلم وتشدد سے تنگ آ کر لعنت تو بھیجی، مگر ''اِنَّما الاعمالُ بالنیات'' کی رو سے پہلے فرماتے ''جھوٹوں پر خدا کی لعنت'' اور اس جملہ کے پورا کرنے کے بعد علی، ابن زبیر اور مختار کا نام لیتے۔ اس طرح ظلم وستم کے باوجود اپنے دین وایمان کی حفاظت فرماتے رہے۔

(تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱۔ ص ۵۵۔ طبقات ابن سعد۔ ج ۶۔ ص ۷۶)

سوید بن غفلہ

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دور پایا ہے۔ آپ سے شرف ملاقات حاصل کرنے کے لیے مدینہ میں حاضر ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور حضرات خلفاء اربعہ کی صحبت اٹھائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک بھی ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے احادیث کی روایت زیادہ کی ہے۔ آپ نے انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر کے پاس کوئی نہ آئے، پکی اینٹ اور چونا اور خوشبو کو قریب نہ لایا جائے۔ خاندان کے ساتھ کوئی عورت نہ نکلے اور بدن کے کپڑوں کے علاوہ دوسرے کپڑے کا کفن نہ دیا جائے۔ عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں آپ کا وصال کوفہ کے اندر ۸۱ھ یا ۸۲ھ میں ہوا۔

حضرت سوید بن غفلہ ظہر کی اذان دوپہر کے وقت ہی کہہ دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ حجاج نے عین اذان کہنے کے وقت آپ کو دیکھ لیا، حکم دیا کہ اس مؤذن کو میرے پاس لاؤ، چناں چہ آپ کو گرفتار کر کے لایا گیا اور حجاج نے آپ سے سوال کیا کہ آپ ظہر کی نماز ابھی کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے ابوبکر اور عمر کے ساتھ اسی طرح ظہر کی نماز پڑھی ہے۔ یہ سن کر اس نے آپ کو آپ کی قوم کی اذان و امامت سے برطرف کر دیا اور حکم دیا کہ آئندہ سے آپ یہ دونوں کام نہیں کر سکتے۔ چناں چہ آپ نے اذان و امامت ہی کو ترک نہیں کیا بلکہ حجاج کے زمانہ میں اس کے خوف سے روپوش رہے اور آپ کی قوم کے لوگ آپ کی عدم موجودگی کی وجہ سے جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۶۔ ص ۴۶)

عبداللہ بن خباب

مشہور صحابی رسول حضرت خباب بن ارت کے صاحبزادے ہیں۔ ایک مرتبہ خوارج کی ایک جماعت کسی دیہات میں داخل ہوئی، اتفاق سے حضرت عبداللہ بن خباب بھی وہیں موجود

تھے، خوارج کی آمد سن کر آپ گھبرا کر ان کے پاس آئے، خوارج نے آپ سے کہا کہ آپ بالکل نہ گھبرائیں، آپ نے فرمایا واللہ تم لوگوں نے مجھے گھبراہٹ میں ڈال دیا ہے، پھر انہوں نے کہا نہیں آپ بالکل نہ ڈریں، آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے خوف زدہ کر دیا، اس گفتگو کے بعد انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ صحابی رسول اللہ ﷺ خباب بن ارت کے صاحبزادے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں! اس پر انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے والد سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنی ہے؟ آپ نے فرمایا ایک حدیث فتنہ کے بارے میں سنی ہے، جس میں یہ ہے:

''القاعد فیها خیر من	فتنہ کے دور میں کھڑا رہنے والے سے بہتر
القائم والقائم فیها خیر	ہے بیٹھنے والا اور کھڑا رہنے والا بہتر ہے چلنے
من الماشی والماشی	والے سے اور چلنے والا بہتر ہے دوڑنے
فیها خیر من الساعی''۔	والے سے۔

اس حدیث کے بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ والد نے آخر میں یہ بھی فرمایا:

''فان ادرکت ذالک فکن	پس اگر تو نے اس حدیث کی حقانیت اپنی آنکھوں
عبداللّٰه المقتول''۔	سے دیکھ لی، پس تو عبداللہ قتل کر دیا جائے گا۔

اس حدیث کو سن کر خوارج نے پھر توثیق کی کہ آپ نے اپنے والد سے سنا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی ہے، آپ نے فرمایا ہاں! راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد خوارج آپ کو ایک نہر کے کنارے لے گئے اور گردن ماردی، دھڑ اور سر کے درمیان صرف مختصر سا چمڑا لگا رہا اور خون نہر میں بہنے لگا، نیز ان اشقیاء نے آپ کی باندی کا شکم بھی چاک کر دیا، راوی کا قول ہے کہ یہی بات ہے کہ مجھ پر خوارج کا قتل کرنا فرض ہے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۸۲)

سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ

بڑے جلیل القدر تابعی اور ان نفوس قدسیہ میں سے ہیں جو اپنے علم وفضل کے اعتبار سے ساری دنیائے اسلام میں امام ومقتدا اور پیشوائے روزگار تسلیم کئے جاتے تھے۔ ایک ایک

حدیث کے لیے کئی کئی دن اور رات کا سفر کرتے، چالیس سال مسجد نبوی میں اذان واقامت کے وقت موجود رہے۔ ''فقہائے سبعہ'' میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، محدثین کے نزدیک آپ کا علمی پایہ بہت بلند ہے ۹۴ھ میں وفات ہوئی۔

عبدالملک اموی نے اپنے بیٹے ولید اور سلیمان کی ولی عہدی کی بیعت کے لیے اپنے عاملوں کے نام احکام جاری کیے، چناں چہ مدینہ منورہ کے عامل ہشام بن اسماعیل نے اہل مدینہ سے ولی عہدی کی بیعت لے کر حضرت سعید بن مسیّب کو بلایا آپ نے فرمایا ''میں بغیر سوچے سمجھے بیعت نہیں کرسکتا'' اس جملہ پر ہشام کو غصہ آگیا اور اس نے آپ کو ساٹھ دُرّے لگوائے اور گلی، کوچوں اور بازاروں میں تشہیر کراتے ہوئے مقام ''راس الثنیّہ'' تک لے گیا، جہاں مجرموں کو پھانسی دی جاتی تھی، حضرت سعید بن مسیّب سولی کے لیے بالکل تیار ہوگئے، اور سولی کے وقت ستر کھلنے کے خیال سے جنگھیا پہن لیا، مگر آپ کو ''راس الثنیّہ'' تک لے جانے کا مقصد خوف دلانا تھا، اس لیے وہاں سے پھر آپ کو واپس لایا گیا، واپسی پر آپ نے پوچھا اب کہاں لے جاتے ہو؟ جواب ملا کہ قید خانہ! پھر جیل خانہ میں بااثر لوگوں کے ذریعہ سمجھانے بجھانے کی بھی کوشش کی گئی، ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے گفتگو کی اور کہا کہ سعید! تم بالکل ہی کم عقل ہوگئے ہو؟ آپ نے جواب دیا، ابوبکر! خدا سے ڈرو، اس کو سب سے بڑا سمجھو، مگر ابوبکر اپنا وہی جملہ دہراتے رہے، آخر ابن مسیّبؒ نے جھنجھلا کر جواب دیا ''خدا کی قسم تمہارا دل اندھا اور آنکھیں بے نور ہوچکی ہیں'' یہ عالم دیکھ کر ابوبکر واپس چلے آئے، بعد کو ان سے ہشام نے معلوم کیا کہ مار پڑنے اور جیل خانہ میں جانے کے بعد سعید کچھ نرم ہوئے یا نہیں، ابوبکر نے جواب دیا ''واللہ تمہارے اس رویہ کے بعد پہلے سے بھی سخت ہوگئے ہیں، اب آپ ہی ہاتھ روک لو، اسی میں بھلائی ہے۔ عبداللہ بن یزید ہذلی کا بیان ہے کہ میں جیل خانہ میں سعید ابن مسیّب کے پاس گیا تو وہاں پر میں نے دیکھا کہ آپ کے لیے ایک بکری ذبح کی گئی ہے اور اس کی کھال ان کے پشت پر رکھی ہوئی ہے، پھر جیل خانہ والوں نے آپ کے اوپر درخت کی تازہ ڈال کاٹ کر رکھ دی، اس حالت میں جب آپ اپنے بازوؤں کی طرف دیکھتے تو فرماتے خدایا! ہشام کے مقابلہ

میں میری امداد فرما۔ ابوامیہ اسلم مولی بنی مخزوم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی صاحبزادی نے آپ کے لیے بہت سا کھانا جیل خانہ میں بھیج دیا، امام ابن مسیّب نے مجھے بلا کر فرمایا کہ جا کر میری لڑکی کو منع کر دو کہ آئندہ سے اتنا کھانا نہ بھیجا کرے، ہشام ابن اسماعیل کی خواہش تو یہی ہے کہ کسی طرح میرا مال ختم ہو جائے اور اس کا دست نگر بن کر مطیع ہو جاؤں، معلوم نہیں کب تک مجھے قید خانہ میں رہنا ہے، آئندہ سے اُتنا ہی کھانا بھیجا کرے جتنا کہ میں کھایا کرتا تھا، چناں چہ صاحبزادی اس کے بعد مختصراً کھانا بھیج دیا کرتی تھی اور امام ابن مسیّب ہمیشہ روزہ رہا کرتے تھے۔ آپ پر یہ مظالم عبدالملک خلیفہ اموی کے دورِ حکومت میں توڑے گئے، لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ بنوامیہ کے لیے بددعا فرمائیے تو آپ نے فرمایا:

’’اللّٰھم اعزّ دینک و	یا اللہ اپنے دین کو عزت دے اور
اظھر اولیائک واخز	اپنے نیک بندوں کو غلبہ دے اور
اعدائک فی عافیة الامة	اپنے دشمنوں کو ذلیل و خوار کر، محمد
محمد صلی اللّٰہ علیه	صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی عافیت
وسلم‘‘۔	کے لیے۔

بیت المال کے اندر آپ کے وظیفہ کی تیس ہزار سے زائد کی رقم جمع تھی، جب عطیہ آتا تو آپ یہ کہہ کر واپس کر دیتے کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور بنوامیہ کے درمیان فیصلہ نہیں فرمائے گا، میں آپ کی طرف سے یہ رقم کیسے قبول کر سکتا ہوں۔

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے کہ حجاج آپ سے کچھ تعرض نہیں کرتا، آپ نے فرمایا کہ معلوم نہیں کیا بات ہے؟ البتہ وہ اپنے باپ کے ہمراہ مسجد میں آیا اور نماز پڑھی لیکن رکوع و سجود تعدیل سے ادا نہیں کرتا تھا، میں نے ایک مٹھی کنکری اٹھا کر اسے ماردی، حجاج کہتا ہے کہ اس کے بعد میں نماز نہایت اچھے طریقہ سے ادا کیا کرتا ہوں۔

جب کبھی بنوامیہ کے بارے میں آپ سے سوال کیا جاتا تو آپ فرماتے کہ میں ان کے بارے وہی کہتا ہوں جیسے خدا نے مجھے بتایا ہے، پھر یہ آیت پڑھتے:

’’ربنا اغفرلنا ولاخواننا	اے رب بخش ہم کو اور ہمارے
الذین سبقونا بالایمان	بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل
ولاتجعل فی قلوبنا غلا	ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ
للذین آمنوا ربنا انک	ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں
رؤف رحیم ‘‘۔(پ۲۸۔سورہ	کا۔ اے رب تو ہی نرمی والا اور
حشر۔آیت نمبر۱۰)	مہربان ہے۔

عبدالملک حج کے بعد جب مدینہ منورہ آیا تو اپنے خادم کو مسجد میں بھیجا کہ جاؤ سعید ابن مسیّب سے کہو کہ عبدالملک دروازہ پر آپ کو یاد کر رہا ہے۔ چناں چہ خادم نے جا کر کہا کہ امیر المومنین آپ کو یاد فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس سے میری کوئی غرض متعلق نہیں ہے اور اگر اس کی کوئی غرض مجھ سے متعلق ہے تو میں اسے پورا کرنے سے قاصر ہوں، یہ سن کر خادم نے جا کر عبدالملک سے پوری بات نقل کر دی، پھر اس کو دوبارہ بھیجا، آپ نے پھر وہی جواب دیا، اس پر خادم کو غصہ ہو گیا اور کہا کہ اگر آپ مجھ سے بڑے نہ ہوتے تو اب کے میں آپ کا سر بادشاہ کے پاس لے جاتا، آپ نے فرمایا کہ اگر بادشاہ میرے حق میں بھلائی کرے گا تو میں تجھے اس کا مستحق بنا دیتا اور اگر برائی کا ارادہ رکھتا ہے تو میں اپنے کو کیوں پیش کروں، وہ خود جو کرنا چاہے کرے، یہ گفتگو بھی اس نے آ کر عبدالملک کے سامنے نقل کر دی، اس پر عبدالملک نے کہا، واہ رے ابن مسیّب! سخت ہی ہوتے جاتے ہیں، دوسرے مواقع پر عبدالملک سے آپ کی گفتگو یوں ہی صاف صاف منقول ہے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج۵۔ص۹۰/۹۶)

حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنی بیعت کے لیے جابر بن اسود کو اہل مدینہ کے پاس بھیجا، حضرت سعید بن مسیّب نے اس سے بھی اختلاف کیا اور فرمایا ’’جب تک تمام مسلمانوں کا ایک شخص پر اتفاق نہ ہو جائے اس وقت تک کسی کی بیعت نہیں کرنی چاہیے‘‘ اس انکار کے زیر اثر تمام اہل مدینہ بیعت کے لیے تیار نہ ہوئے، اس لیے جابر نے بھی اپنی طاقت کے نشہ میں آپ کو کوڑوں سے پٹوایا، جابر کی چار بیویاں تھیں، ان میں سے ایک کو طلاق دے کر اس کی مدت

گزرنے کے قبل ہی اس نے پانچویں عورت سے شادی کرلی تھی جو حرام ہے، چناں چہ عین اس وقت جب کہ آپ پر جابر کے کوڑے برس رہے تھے، آپ فرماتے تھے ”کتاب اللہ کے حکم کے سنانے سے کوئی روک نہیں سکتا، خدا کا حکم ہے:”فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلث ورباع“ اور تو نے چوتھی عورت کی عدت گزرنے سے پہلے ہی پانچویں عورت سے نکاح کرلیا ہے یہ حرام ہے، خیر جو تیرے دل میں آئے کر گزر! عنقریب تجھ پر برا وقت آنے والا ہے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۹۱)

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ

اجلۂ علمائے تابعین میں سے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ سے حدیثیں پڑھیں، آپ کے وقت میں دنیا کا کوئی ایسا انسان نہ تھا جو کہ آپ کے علم وفضل کا محتاج نہ ہو، جب کوفہ کے لوگ حج کے لیے مکہ آتے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسائل دریافت کرتے تو تعجب کے ساتھ آپ ان سے فرماتے کہ کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیر نہیں ہیں جو مجھ سے مسائل پوچھتے ہو؟ ۹۵ھ میں حجاج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت سعید بن جبیر ابن اشعث کی تحریک میں دیگر قراء کی صحبت میں شریک ہوگئے تھے، اس لیے ان سے بنوامیہ کی حکومت مخالف ہوگئی تھی، شکست کے بعد آپ مکہ چلے گئے اور وہیں پر فتویٰ کی خدمت انجام دیتے رہے اور بنوامیہ سے آپ بچتے پھرتے تھے، والی مکہ خالد بن عبداللہ قسری نے موقع پاکر آپ کو گرفتار کرکے حجاج کے پاس بھیج دیا، آپ فرماتے تھے کہ بلداللہ الحرام مکہ میں میرے خلاف جس نے چغلی کھائی ہے میں اسے خدا کے حوالے کرتا ہوں، ہشام دستوائی کا بیان ہے کہ میں نے سعید بن جبیر کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ زنجیروں میں جکڑے تھے اور ان کے اور بھی نو آدمی مقید تھے طواف کررہے تھے۔ جب خالد بن عبداللہ قسری نے زنجیروں کی آواز سنی تو پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے، کہا گیا کہ سعید بن جبیر اور

طلق بن حبیب پابجولان بیت اللہ کا طواف کررہے ہیں، یہ سن کراس نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو طواف کرنے سے روک دیا جائے، جب آپ حجاج کے سامنے پیش ہوئے تو ایک شخص آپ کو دیکھ کررونے لگا، آپ نے فرمایا رونے کا کیا موقع ہے، پھرآپ نے یہ آیت پڑھی:

”مااصاب من مصیبۃ فی	اور کوئی آفت نہیں پڑتی ہے ملک میں اور
الارض ولا فی انفسکم	نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک
الافی کتاب من قبلِ ان	کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم
نبرا ھا“۔(سورہ الحدید۔آیت۲۲)	اس کو دنیا میں۔

(طبقات ابن سعد۔ج۵۔ص۱۸۴)

حجاج سے آپ کی گفتگو یوں شروع ہوئی:

حجاج:۔ تمہارا کیا نام ہے؟

سعید:۔ سعید بن جُبیر۔

حجاج:۔ تم شقی بن کُسیر ہو۔

سعید:۔ میری ماں میرا نام تم سے بہتر مانتی تھی۔

حجاج:۔ تمہاری ماں بھی بدبخت اور تم بھی بدبخت۔

سعید:۔ غیب کا جاننے والا تیرے اور ہے۔

حجاج:۔ دیکھو میں تم کو دنیا کے بدلے میں کیسی شعلہ زن آگ دیتا ہوں۔

سعید:۔ اگر میں جانتا کہ یہ بات تیرے اختیار میں ہے تو میں تجھ کو اپنا معبود بنالیتا۔

حجاج:۔ (بات کا پہلو بدل کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تمہار کیا خیال ہے؟

سعید:۔ آپ نبی رحمت اور امام ہدیٰ تھے۔

حجاج:۔ خلفاء کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

سعید:۔ اُن کے لیے میں قاضی نہیں ہوں۔

حجاج:۔ ان سب میں سب سے بہتر کون تھا؟

سعید:۔ جو میرے مالک کی مرضی کا سب سے زیادہ پابند تھا۔

حجاج:۔ کون سب سے زیادہ پابند تھا؟

سعید:۔ اس بات کو وہی ذات خوب جانتی ہے، جو ان کے پوشیدہ بھیدوں سے واقف ہے۔

حجاج:۔ (کھسیا کر) بتاؤ میں تم کو کس شکل سے قتل کروں؟

سعید:۔ حجاج! تو ہی پسند کر، خدا کی قسم تو جس طرح مجھ کو قتل کرے گا، اسی طرح خدا تجھ کو قتل کرے گا۔

حجاج:۔ تو کیا میں تم کو معاف کر دوں؟

سعید:۔ اگر عفو ہو تو خدا کی طرف سے ہو، باقی رہا تو، تو کسی کو نہ بَری کر سکتا ہے، نہ کسی کا قول قبول کر سکتا ہے۔

حجاج نے اتنی بحث کے بعد اپنا آخری حکم سنا دیا اور جلاد حضرت سعید بن جبیر کو باہر لائے، جس وقت آپ قتل ہونے کے لیے باہر تشریف لائے تو ہنسے اور اس نازک موقع پر یوں گفتگو ہوئی:

حجاج:۔ اس وقت تم کیوں ہنسے؟

سعید:۔ خدا کے مقابلہ میں تیری جرأت اور تیری نسبت خدا کے حلم وصبر پر مجھ کو تعجب ہوا۔

حجاج اس فقرے کو سن کر اور زیادہ غصہ ہوا، اور جلادوں کو حکم دیا کہ میرے سامنے اس کی گردن ماردو، حضرت ابن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ شہادت کے لیے بالکل تیار ہو گئے اور قبلہ رو ہو کر فرمایا:

سعید:۔ اِنّی وجهتُ وَجهی لِلَّذِی فَطَرَالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرضَ حنِیفاً وما انا من المُشرکین۔

حجاج:۔ اس کا منہ مسلمانوں کے قبلہ سے ہٹا کر نصاریٰ کے قبلہ کی طرف پھیر دو!

سعید:۔ اینما تولوا فثم وجهُ اللّٰه۔

حجاج:۔ اوندھا کر کے ڈال دو!

سعید:۔ منها خلقنا کم وفیها نعیدکم ومنها نُخرجکم تارةً اُخریٰ۔

حجاج:۔ (جلادوں سے) اپنا کام جلد کرو۔

سعید:۔ اشهد ان لا اله الااللّٰه واشهد ان محمداً عبدهٗ ورسوله ۔حجاج آج تو میری جان لے لے، کل جب تو میدانِ محشر میں مجھ کو ملے گا تو میں تجھ سے سمجھ لوں گا۔

حضرت سعید بن جبیر کی زبان پر یہ آخری الفاظ تھے کہ جلادوں نے سر کو تن سے جدا کر دیا، قتل کرنے کے بعد جسم مبارک سے خلافِ معمول بہت زیادہ خون نکلا، یہ دیکھ کر حجاج کو گھبراہٹ پیدا ہوئی، طبیب سے دریافت کیا اس نے بتایا کہ جرأت مردانہ اور راہِ حق میں بیبا کی کی وجہ سے خون میں جوش زیادہ پیدا ہو گیا تھا۔ جب سرِ مبارک جسد اطہر سے جدا ہوا تو دو مرتبہ لاالـه الا اللّٰه زبان سے سنا گیا، قتل کے وقت سر اور داڑھی کے بال بالکل سپید ہو چکے تھے۔ یہ واقعہ شعبان ۹۵ھ کا ہے۔ آپ کا جرم یہ تھا کہ بنوامیہ کے مظالم کو دیکھ کر ابن اشعث کی فوج کے ساتھ شریک ہو کر بنوامیہ کے خلاف لڑے تھے۔ (ابن خلکان، تذکرۃ الحفاظ، تہذب التہذ ب وغیرہ)

عروہ بن زبیر بن عوام رحمۃ اللہ علیہ

نہایت جلیل القدر تابعی ہیں، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، حتیٰ کہ بحالت روزہ داری آپ کا وصال ہوا، سنۃ الفقہاء یعنی ۹۴ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عروۃ بن زبیر روزانہ رات کو عشا کے بعد مسجد نبوی کے پیچھے ساتھ بیٹھا کرتے اور مختلف موضوعوں پر باہم مبادلہ خیالات فرماتے، راوی عبداللہ بن حسن کا بیان ہے کہ ایک رات ان حضرات نے بنوامیہ کے مظالم کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمانے لگے کہ ہم لوگ ان ظالموں میں رہتے ہیں اور ان مظالم کے دفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور اس صورت میں خدا کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا سخت خطرہ ہے۔ یہ سوچ کر حضرت عروہ نے حضرت علی بن حسین سے کہا کہ اگر کوئی شخص ان ظالموں سے ایک میل چلا جائے اور پھر ان پر خدا کا عذاب آئے تو امید ہے کہ وہ شخص اس عذاب سے نجات

پائے گا، چناں چہ اس گفتگو کو تھوڑے ہی دن بعد آپ نے مدینہ منورہ جیسے بابرکت اور مقدس شہر کو خیر باد کہہ دیا اور مقام عقیق میں جا کر پناہ گزیں ہوگئے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۳۵)

دخین بن عامر حجری ابو یعلی مصری

عقبہ بن عامر سے روایت کی اور بکر بن سوادہ نے ان سے روایت کی، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے۔ ابن یونس کا بیان ہے کہ ۱۰۰ھ میں رومیوں نے قتل کر دیا۔

(خلاصہ تذہیب الکمال۔ ص ۹۵)

عمران بن عصام ضبعی بصری شاعر

آپ نے عمران بن حُصین سے روایت کی اور آپ سے آپ کے صاحبزادے ابو جمرہ ضبعی نے روایت کی، ابن حبان نے آپ کی توثیق کی ہے۔ ۸۹ھ میں حجاج نے قتل کر دیا۔

(خلاصہ تذہیب الکمال۔ ص ۲۵۱)

عقبہ بن وساج ازدی بُرسانی بصری

آپ شام میں رہتے تھے، حضرت انس سے احادیث کی روایت کی، آپ سے ابراہیم بن ابی عیلہ نے روایت کی ہے اور معین نے آپ کی توثیق کی ہے۔ خلیفہ کا بیان ہے کہ آپ ۸۲ھ میں ''یوم الزاویہ'' کی جنگ میں شہید ہوئے۔ (خلاصہ تذہیب الکمال۔ ص ۲۲۸)

طلق بن حبیب بصری رحمۃ اللہ علیہ

جلیل القدر تابعی اور اپنے وقت کے سب سے زیادہ عبادت گزار بزرگ ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے علم دین حاصل کیا تھا، روایت حدیث میں ثقاہت اور صداقت مسلّم ہے۔ عقیدۂ رجاء کی طرف میلان تھا، ۹۰ھ اور

۱۰۰ھ کے درمیان میں انتقال فرمایا۔

حجاج بن یوسف نے ولید اموی کے پاس لکھا کہ چند فتنہ پرور مکہ میں پناہ گزیں ہیں، فوراً ان کی خبر گیری کی جائے، ولید نے عبداللہ بن قشیری کے پاس لکھا کہ مکہ کے تمام فتنہ پرور (علماء) کو گرفتار کرلے۔ چناں چہ اس نے حضرت عطاء بن ابی جراح مجاہد، سعید بن جبیر، عمرو بن دینار اور طلق بن حبیب کو گرفتار کرلیا، مگر چوں کہ مجاہد، عطاء اور عمرو تو مکہ ہی کے باشندے تھے اس لیے ان تینوں حضرات کو تو رہا کر دیا اور سعید بن جبیر اور طلق بن حبیب کو حجاج کے پاس بھیج دیا۔ حبیب بن ابی ثابت کا بیان ہے کہ وہ اندوہناک منظر میں نے دیکھا ہے جب کہ طلق بن حبیب، سعید بن جبیر کے ساتھ بیڑیوں میں حجاج کے سامنے لائے گئے، میں ان کے ساتھ تھا، اس کے بعد کی روایات مختلف ہیں، ایک روایت ہے کہ راستہ ہی میں طلق کا انتقال ہوگیا تھا، دوسری روایت کے مطابق حضرت سعید بن جبیر کے ساتھ حضرت طلق بھی شہید کردیئے گئے اور ایک روایت کے مطابق آپ حجاج کی زندگی بھر جیل خانہ میں رہے۔ اس کے مرنے کے بعد آپ کو جیل سے رہا کر دیا گیا اور مقام واسط میں آپ کا انتقال ہوا۔

(تہذب التہذ ب۔ ج ۵۔ ص ۳۲)

حصین بن ابی حرّ رحمۃ اللہ علیہ

حصین بن ابی الحرّ بن مالک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے مقام ملیسان کے گورنر تھے، آپ حجاج بن یوسف ظالم کے مرنے تک وہاں کی گورنری پر قائم رہے۔ دیگر علماء کی طرح حجاج نے آپ کو بھی گرفتار کیا اور قتل کر دینے کا ارادہ کیا، پھر معلوم نہیں اسے کیا خیال آیا کہ آپ کے قتل سے رک گیا اور حکم دیا کہ حصین کو حبس دوام کی سزا دی جائے، چناں چہ آپ جیل خانہ میں مرنے تک پڑے رہے۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۵۔ قسم اول۔ ص ۹۱)

صِلہ بن اشیم عدوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوالصہباء ہے۔ نہایت ثقہ، متقی اور صاحب فضل وکمال تھے راتوں کو اس قدر نمازیں پڑھا کرتے تھے کہ تھک جانے کی وجہ سے اپنے بستر تک گھستے ہوئے آتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق خبر دی کہ میری امت میں صلہ نامی ایک شخص ہوگا جس کی شفاعت سے اس قدر لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

ایک مرتبہ آپ ایک غزوہ میں تشریف لے گئے آپ کے ہمراہ آپ کے صاحبزادے اور ایک اعرابی تھا، اعرابی نے کہا کہ ابوالصہباء میں نے خواب دیکھا کہ آپ ایک سایہ دار کے پاس آئے ہیں اور اس کے نیچے آپ نے تین پھل پائے، ایک تو مجھے دیا اور دو خود رکھ لیا، میں نے دل میں سوچا کہ کاش آپ یہ تقسیم کا معاملہ نہ کرتے، چناں چہ اسی سلسلہ سفر میں ایک جنگ میں دشمن سے مقابلہ ہوا، پہلے حضرت صلہ نے اپنے لڑکے سے کہا چلو جنگ کرو، وہ جنگ کرتے کرتے شہید ہوگئے، پھر خود میدان میں نکلے، اور شہید ہوئے، آخر میں وہ اعرابی بھی درجۂ شہادت کو پہنچا، جب اس واقعہ کی خبر ان کے شہر میں پہنچی تو شہر کی عورتیں حضرت صلہ کی بیوی معاذہ عددیہ کے پاس گئیں، نیک بیوی نے ان عورتوں سے کہا کہ اگر تم سب میرے شوہر اور لڑکے کی شہادت پر مجھے مبارک باد پیش کرنے آئی ہو تو مرحبا صد مرحبا اور اگر کسی دوسری نیت سے آنا ہوا تو ابھی چلی جاؤ، آپ کی شہادت کا واقعہ حجاج بن یوسف کی عراق پر گورنری کے ابتدائی زمانے کا ہے۔

(طبقات ابن سعد۔ ج ۷۔ قسم اول۔ ص ۹۹/۱۰۰)

دوسری صدی ہجری

فتنے اور تحریکیں

بنوامیہ کی مخالف جماعت بنوعباس اپنی کوشش کرتی رہی، یہاں تک کہ پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح نے ربیع الاوّل ۱۳۲ھ میں خراسان کے لوگوں کی مدد سے اپنی بیعت لی اور بنوامیہ کے آخری تاجدار مروان کو ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں قتل کرڈالا، وہی دن خلافت بنوامیہ کے خاتمہ اور خلافت بنوعباسیہ کے آغاز کا دن ہے۔ سلطنتوں کا انقلاب ایک ہنگامہ خیز طوفان ہوتا ہے، جس میں قتل و غارت اور سلب ونہب کی گرم بازاری لگتی ہے، پرانی عداوتیں نکالی جاتی ہیں، چناں چہ یہ سب کچھ اس عظیم الشان انقلاب میں ہوا، علامہ ذہبیؒ ''تذکرۃ الحفاظ'' میں فرماتے ہیں:

''فجریٰ بسببِ ذالک سیولٌ من الدِّماءِ ذهب تحت السیوف عالم لایحصیهم الا اللّٰه بخراسان و العراق والجزیرةِ والشام وفعلتِ العساکرالخراسانیة الذین هم المسودة کل قبیح فلا حول ولاقوة الا باللّٰه''۔

اس انقلاب کی وجہ سے خون کے سیلاب امنڈ پڑے اور تلواروں کی زد میں خدا ہی کو معلوم ہے کہ خراسان، عراق، جزیرہ اور شام میں کتنا عالم تباہ ہوا، خراسانی فوجوں نے تمام برائیاں کیں۔

(تذکرۃ الحفاظ۔ج۱۔ص۱۴۹)

بنی عباسیہ کے خلیفۂ دوم ابوجعفر منصور کے دورِ خلافت ۱۴۵ھ میں عبداللہ بن حسن بن حسن بن علیؓ کے دونوں صاحبزادوں محمد اور ابراہیم نے خروج کر کے بنوعباسیہ کے خلاف محاذ جنگ قائم کیا، منصور نے ان دونوں کو قتل کرادیا، ساتھ ہی اس نے اہل بیت کے بہت سے لوگوں کو قتل کرایا، منصور سے پہلے علویوں اور عباسیوں میں کوئی مقابلہ نہ تھا، یہ پہلا موقع تھا، اس سلسلہ میں امام سیوطیؒ ''تاریخ الخلفاء'' میں فرماتے ہیں:

”واٰذیٰ المنصُورُ خلقا من العلماء ممن خرج معهما اوامر بالخروج قتلاً وضرباً وغیر ذالک منهم ابوحنیفة و عبدالحمید بن جعفر و ابن عجلان و ممن افتیٰ بجواز الخروج مع محمد علی المنصور مالک بن انس رحمه اللّٰه“۔(تاریخ الخلفاء۔ص۱۰۲)

منصور نے ایسے بیشمار علماء کو اذیت پہنچائی جو محمد اور ابراہیم کے خروج میں شریک تھے یا خروج کا حکم دیا، منصور نے ایسے علماء کو قتل کیا اور مارا، منجملہ ان لوگوں کے امام ابوحنیفہ، عبدالحمید بن جعفر اور ابن عجلان ہیں اور امام مالک ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے منصور کے خلاف خروج کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔

باشندگانِ حجاز کے ساتھ علماء حجاز کی ایک بڑی جماعت نے محمد بن عبداللہ بن حسن کی ہمراہی میں ابوجعفر منصور کے خلاف خروج میں حصہ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد بن عبداللہ کے قتل کے بعد منصور حجازیوں کے ساتھ علماء حجاز پر بھی قسم قسم کی سختی کی، ان کے وسائل رزق بند کر کے معاشی ناکہ بندی کر دی اور علماء سخت تنگی میں مبتلا ہو گئے اور فقر و فاقہ میں گزارنے لگے، منصور کی سختی سے نہ علم حدیث وفقہ کی موشگافی میں فرق آیا اور نہ قرآنی اسرار و رموز میں سرموفرق آیا، مگر اس میں شک نہیں کہ علمائے حجاز کو معاشی مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ایک زمانہ تک نہایت عسرت میں زندگی بسر کرتے رہے، یہاں تک کہ جب منصور کا بیٹا مہدی خلیفہ ہوا اور حج کے ارادے سے حجاز گیا تو اس نے وہاں کے اشراف واعیان اور عوام کی تنگ حالی پر ترس کھاتے ہوئے زر کثیر خرچ کیا، جس کی وجہ سے لوگوں کی معاشی بدحالی ختم ہوئی۔ ابوالفراح اصفہانی کا بیان ہے:

”ان المهدی لما ولی الخلافة و حج فرّق فی قریش والانصار

جب مہدی خلیفہ بنا اور اس نے حج کیا تو اس نے قریش وانصار اور عوام الناس کو کثیر مال واسباب دے کر امتیازی

وسائر الناس اموالاً	سلوک اور صلہ رحمی کا برتاؤ کیا
عظیمۃً ووصلھم صلاتٍ	اور حرمین شریفین کے لوگوں کی
سنیۃً فحسنت احوالھم بعد	وہ تباہی و بربادی ختم ہوگئی جو
جھدٍ اصاب الناس فی ایام	اس کے باپ کے زمانے میں
ابیہ لترحمھم مع محمد بن	اہل مکہ و مدینہ پر محمد بن عبداللہ
عبیداللّٰہ ابن الحسن"۔	بن الحسن کا ساتھ دینے کی وجہ
(کتاب الاغانی۔ج۳۔ص۹۴)	سے آئی تھی۔

یہ عجیب بات ہے کہ ارباب علم وفضل زیادہ اہل عجم ہوئے ہیں۔علامہ ابن خلدونؒ نے اس موضوع پر مستقل بحث کی ہے۔ابتدا ہی سے عہد تابعین میں یہ چیز نمایاں تھی، بے شمار خاندانی عجمی غلام حفاظ حدیث اور علم و ادب کے امام ہوئے اور اپنی علمی فراست وفوقیت کے باعث عربیت کی عصبیت رکھنے والی ذہنیت اِن علماء کے خلاف رہی اور آگے چل کر تو یہ چیز مستقل حیثیت اختیار کرگئی، بنوامیہ کے دور میں اس جذبہ کا اظہار نمایاں طور پر ہورہا تھا، حتیٰ کہ خلفاء بنوامیہ علی الاعلان عجمی علماء اور عجمیت کے خلاف تھے، ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان خلیفہ اموی کے دربار میں اسماعیل بن عبیداللہ تابعی اس کے بچوں کے معلم بن کر آئے تو اس نے سر درباران سے مخاطب ہوکر کہا:

> "شاہانِ عجم نے ہمیشہ اہل عرب کو نظر انداز کیا ہے، ایک ہمارے عربی آدمی یعنی نعمان بن منذر کو حکومت میں جگہ بھی دی تو اس کو خود قتل کرادیا، اور ہم ہیں کہ ان عجمیوں کو حکومت میں دخل دینے کا موقع دیتے ہیں، حتیٰ کہ ہم ان کو اپنے عربی النسل بچوں کا معلم بنا کر علم و ادب کا امام تسلیم کرتے ہیں"۔(تاریخ ابن عساکر۔ج۱۔ص۲۹)

غالبًا اسی جذبہ سے برأت کے سلسلہ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

"ما افتخر علینا قطّ بالعربیة"۔(ابن عساکر۔ج ا۔ص۲۹) امام احمدؒ نے ہم پر کبھی بھی عربی النسل ہونے پر فخر نہیں کیا۔

میرا تو خیال ہے کہ امام احمد ابو حنیفہ کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے کہ ان کو عربیت (نحو وصرف) نہیں آتی، چند احادیث کے علاوہ ان کو حدیث ملی ہی نہیں، وہ صرف اپنی رائے اور عقل سے دین میں کام لیتے ہیں، سب کچھ اسی جذبۂ عربیت وعجمیت کے ماتحت تھا، امام صاحب نے بھی قضاء سے انکار کے وقت فرمایا تھا کہ "عربی لوگ مجھ عجمی کی ماتحتی منظور نہیں کریں گے" ایک تابعی عجمی کو اس جرم میں مارا گیا کہ عجمی ہو کر ایک عربی النسل سے نکاح کر لیا تھا۔

دوسری صدی میں ایک اور نئی بات رونما ہوئی یعنی سلاطین وقت اور ارباب سیاست اپنی سیاسی مصالح اور ذاتی اغراض کے پیش نظر ارباب علم وفضل کے بعض تشریعی مسائل سے الجھنے لگے اور بعض بعض علمی مسائل کو اپنی مرضی کے مطابق دیکھنے کے متمنی ہو گئے، لیکن علماء حق کا شیوۂ حق گوئی اپنی جگہ پر قائم رہا اور علم ودولت کی ٹکر ہوتی رہی، اس سلسلے میں بھی علماء کو مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ چناں چہ جب محمد بن عبداللہ نے منصور کے خلاف خروج کیا تو لوگوں نے امام مالک سے مسئلہ پوچھا کہ ہم لوگ منصور کی خلافت کی بیعت کر چکے ہیں، اس صورت میں کیا ہم لوگ منصور کے خلاف محمد بن عبداللہ کے ہمراہ خروج کر سکتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ تم لوگوں نے منصور کی بیعت جبراً وکرہاً کی ہے اور مکروہ باتوں پر یمین کا اعتبار نہیں ہوتا، یہ سن کر لوگ محمد بن عبداللہ کے خروج میں شریک ہوئے اور امام مالک اپنے کاشانے میں رہے، یہی چیز تھی جس نے امام صاحب کے دشمنوں کو موقعہ دیا کہ منصور کے پاس آپ کی شکایت کریں اور آپ کو منصور درّوں سے مارے، اس طرح محمد بن اسحاق صاحب مغازی نے ابوجعفر منصور کے پاس امام ابوحنیفہ کی شکایت کی کہ امام ابوحنیفہ آپ کے دادا حضرت عبداللہ ابن عباس کی استثناء متصل میں مخالفت کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ اگر کوئی قسم کھائے تو ایک سال بعد بھی اس میں استثناء کر کے اسے بیکار کر سکتا ہے اور امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ اگر مجلس میں حتمی قسم کھالی ہے تو پھر اسے استثناء کا حق نہیں رہتا اور اس کے بعد استثناء کرے بھی تو

لغو ہوگا۔ جب ابوجعفر منصور نے سنا کہ امام صاحب میرے دادا ابن عباس کی مسئلہ استثناء میں مخالفت کرتے ہیں تو آپ پر سخت برہم ہوا اور آپ سے کہا کہ کیا آپ ابن عباس کی مخالفت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، حضرت ابن عباس کے قول کا مفہوم دوسرا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"من حلف علی یمین واستثنیٰ فلا حنث علیه" اور استثناء قسم کے ساتھ ہی موصول ہوا کرتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کی خلافت کو جائز نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے تو خلافت کی بیعت جبراً ڈر کی وجہ سے کرلی ہے۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیعت کے وقت جو قسم کھائی ہے، اس میں حضرت ابن عباس کے ظاہری اقوال کے مطابق جب چاہیں استثناء کر کے حلف کو بیکار کردیں اور آپ کی خلافت کے منکر ہوجائیں۔ (بخلاف میرے قول کے کہ اس کے مطابق انہیں اب استثناء کرنے کا حق ہی نہیں ہے، اگر استثناء کریں بھی تو بیکار رہے) یہ سن کر ابوجعفر منصور الٹا محمد بن اسحاق پر غصہ ہوا۔ (مناقب الامام) ابی حنیفہ للکردری۔ ج ا۔ص ۱۸۴)

بعض اوقات خلفاء عوام کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لیے علماء وقت سے بعض مسائل میں نرمی کے خواہاں ہوجاتے تھے، چناں چہ ایک مرتبہ امام ابویوسف کی عدالت قضاء میں ایک مسلمان لایا گیا جس نے ایک کافر کو قتل کرڈالا تھا، شریعت کے مطابق قاضی ابویوسف نے اس پر دیت کا حکم صادر فرمایا، اس فیصلے پر ایک آدمی نے آپ کے سامنے ایک رقعہ لاکر ڈال دیا، جس پر لکھا تھا:

یاقاتل المسلم بالکافر جُرتَ وما العادلُ کالجائر
یامن ببغداد واطرافها من علماء الناس اوشاعر
استرجعوا وابکوا علی دینکم واصطبروا فالاجر للصابر
جار علی الدین ابویوسف بقتله المومن بالکافر

جب قاضی ابویوسف نے ہارون رشید کے پاس جاکر پورا واقعہ بیان فرمایا اور رقعہ پڑھایا تو رشید

نے آپ سے کہا کہ اس معاملہ کو کسی حیلہ سے رفع دفع کیجیے تا کہ فتنہ وفساد نہ ہو، چناں چہ قاضی ابو یوسف نے وہاں سے آ کر مقتول کے ورثہ سے گواہ اور ثبوت طلب کیا لیکن وہ لوگ نہ لا سکے اور جب خون ثابت نہ ہوسکا تو آپ نے دیت کا حکم بھی ساقط کر دیا۔

(الاحکام السلطانیۃ للماوردی۔ص ۲۱۹)

اس دور کے خلفاء نہ صرف یہ کہ بعض دینی مسائل میں دخیل ہوا کرتے تھے بلکہ بعض دوسرے علم جیسے نحو وادب، تاریخ وشعر وغیرہ کے مسائل میں دخل دینے لگے تھے، چناں چہ نحو ولغت کے دو مشہور اکھاڑے کوفہ اور بصرہ میں علمی زور آزمائی پہلے سے ہی چلی آتی تھی، خلفاء بنو عباس نے علماء کوفہ کی جانب داری کر کے علماء بصرہ کو نیچا دکھانا چاہا اور اس سلسلے میں دو جگہ کے علماء میں بڑے بڑے مناظرے اور مباحثے ہوئے اور نظریاتی جنگ سے معاملہ آگے بڑھ کر طبقاتی جنگ تک پہنچ گیا، ایک مرتبہ یحییٰ بن خالد برمکی کی مجلس میں امام کسائی کوفی اور امام سیبویہ بصری کے درمیان ایک معمولی بات پر مناظرہ ہوا، امام کسائی کوفی فرماتے تھے کہ: ”كنت اظنّ ان العقرب اشد لسعة من الذنبور فاذا هو اياها“ میں فاذا هو اياها اور فاذا هو هي دونوں صورت جائز ہے، اور امام سیبویہ کا کہنا تھا کہ صرف فاذا هو هي ہی جائز ہے، اس کے علاوہ نہیں ہوسکتا۔ اس مناظرہ میں امام سیبویہ پہ امام کسائی کی فتح تسلیم کر لی گئی۔ بالفاظ دیگر کوفہ کے مقابلہ میں بصرہ کی شکست تسلیم کر لی گئی۔ اس میں اہل بصرہ کی سخت توہین ہوئی، جس کا انجام یہ ہوا کہ اس کے بعد امام سیبویہ مارے شرم کے اپنے وطن بصرہ میں لوٹ کر واپس نہ آ سکے۔

آل برامکہ کا عروج وزوال بھی اس سلسلہ کی مشہور کڑی ہے، جب ہارون رشید برامکہ سے راضی ہوا تو وہ لوگ ”معدن الفضل والعلم“ بن گئے اور ان پر خلفاء کے غضب کا دور آیا تو وہی ”اهل الذندقة والشرك“ قرار پا کر برباد کر دیئے گئے۔

اندازِ ستم کیشی

علماء کو درّے لگائے گئے، سر بازار تشہیر کی گئی، قتل کیے گئے، جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں رکھا اور خفیہ زہر دینے کا رواج بھی شروع ہوگیا، بنو امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو زہر دیا گیا اور بنو عباسیہ میں امام ابو حنیفہ کو قید خانہ میں زہر دیا گیا، قتل سے پہلے زبان کاٹی گئی، لوہے کے گرم طشت سر پر رکھ رکھ کر جان لی گئی، لاشوں کو سولی پر لٹکانے کا انتظام کیا گیا، ایک ہی عالم کو درّے، قید، زہر اور قتل سے دوچار ہونا پڑا۔

سر برآوردگانِ ظلم و ستم

ابو مسلم خراسانی خلافت بنو عباسیہ کا داعی جب اپنا اقتدار قائم کر چکا اور سفّاح کی بیعت لے لی تو اس نے ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا، جو سفّاح کی بیعت سے رُکا، نشانۂ ستم بنا، بنو امیہ کا ہر طرفدار اس کی تلوار کا لقمہ ہوا، غرور و تکبر کے نشے نے اربابِ علم و فضل تک میں تمیز کی صلاحیت باقی نہ رکھی، ابو جعفر منصور نے علویوں کے خروج پر بے شمار علماء اور صلحاء کو تہِ تیغ کیا، معمولی حیثیت کے عمال نے اپنے بڑوں کی شہ پر اجلۂ علماء کو بے دریغ اذیتیں پہنچائیں۔

سرخیل مظلومین

اس صدی کی مظلومیت کی امامت کا سہرہ عجمی النسل امام اعظم ابو حنیفہ النعمان کے سر پر نظر آتا ہے، کہ امام احمدؒ بھی ان کی مظلومیت پر بے اختیار آنسو بہا دیا کرتے تھے، کئی مرتبہ دُرّوں سے پٹوائے گئے، کئی سال تک قید خانہ میں رہے، گاہے گاہے باہر نکال کر بازاروں میں گشت کرایا گیا، اور آخر میں زہر دے کر ان کا جنازہ جیل خانہ سے نکالا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، حضرت عبداللہ بن جعفر، انس بن مالک، ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور سعید ابن مسیّب وغیرھم سے احادیث حاصل کیں۔ امام ذہبیؒ نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ حدیث و فقہ کے امام تھے، عبادت و ریاضت اور تقویٰ و طہارت میں یکتائے روزگار تھے، امام زہری اور ابن حزم وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں، علماء آپ کے سامنے شاگرد معلوم ہوتے تھے، زمانۂ خلافت میں بھی ہمیشہ زہد و تقویٰ اور علم و فضل میں زندگی گزاری، رجب ۱۰۱ھ میں وصال ہوا۔

جب آپ کو خلافت کے امور سپرد کیے گئے تو آپ نے سختی کے ساتھ ان تمام مظالم کو روکا، جن کے بنو امیہ مرتکب ہو چکے تھے، تمام ناجائز اموال اور جائدادیں واپس کر دیں، اور ظلم وستم کے زور سے قبضہ میں لائی ہوئی چیزوں کو ان سے چھین لیا، اس بناء پر آپ کے مخالفین نے آپ کو زہر دے دیا۔ جس زمانہ میں آپ کو زہر دیا، آپ نے مجاہدؒ سے دریافت فرمایا کہ میرے بارے میں لوگوں کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ کسی نے آپ کو جادو کر دیا ہے، آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو کسی نے جادو نہیں کیا ہے، پھر آپ نے اپنے خادم کو بلا کر اس سے پوچھا کہ تیرا برا ہو، تو نے مجھ کو زہر کیوں دیا، خادم نے جواب دیا کہ مجھ کو اس فعل کے بدلے میں ایک ہزار دینار دیے گئے، میں اور میری آزادی کا وعدہ کیا گیا ہے، آپ نے فرمایا اچھا وہ ہزار دینار میرے پاس لاؤ، جب غلام لے کر آیا تو آپ نے سارے رقم اس سے لے کر بیت المال میں جمع کر دی اور اس سے کہہ دیا کہ تم آزاد ہو، اب تم ایسی جگہ نکل جاؤ جہاں تم کو کوئی نہ دیکھ سکے۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱۔ ص ۱۱۴)

جابر بن زید ازدی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے بہت سے علمائے صحابہ سے علمی استفادہ کیا تھا، چناں چہ حبر الامت حضرت

عبداللہ بن عباس کی صحبت میں زیادہ رہتے تھے۔ حدیث کے زبردست امام اور حافظ تھے، فقہ میں بھی کامل مہارت حاصل تھی۔ ۱۰۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

حجاج کے زمانہ میں جب کہ بہت سے صلحائے امت اور علمائے ملت قید و بند کا شکار ہوئے حضرت جابر بن زید بھی اس کے مظالم کا نشانہ بنے اور آپ کو جیل خانہ دیکھنا پڑا، اہل بصرہ کو آپ کے علم پر اتنا اعتماد تھا کہ ان کی گرفتاری کے زمانہ میں بھی لوگ ان ہی کی طرف مسائل میں رجوع کرتے۔ حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ جابر بن زید قید میں تھے لوگ خُنثیٰ کی میراث کے بارے میں استفتاء کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں جیل خانہ میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا ''تم لوگ بھی خوب آدمی ہو، مجھ کو قید بھی کرتے ہو اور پھر مجھ ہی سے آکر قید خانہ میں فتویٰ بھی پوچھتے ہو'' یہ کہہ کر ان کے فتویٰ کا جواب دیا۔

(طبقات ابن سعد۔ ج ۷۔ ص ۱۳۱)

موسیٰ بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ

نہایت بزرگ تابعی ہیں، لوگ انہیں اپنے زمانے کا مہدی کہا کرتے تھے، حدیث میں نہایت ثقہ تھے۔ ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

جب مختار بن ابی عبید کوفہ میں داخل ہوا تو وہاں کے اعیان و اشراف اور علماء و محدثین دوسرے شہروں میں بھاگ کر چلے گئے، انہیں حضرات میں موسیٰ بن طلحہ بھی بھاگ کر بصرہ پہنچے، راوی واقعہ خالد بن سمیر کا بیان ہے کہ جب آپ ہمارے یہاں بصرہ میں آئے تو لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں بھی گیا دیکھا کہ ایک بزرگ خاموش، کم گو اور غمگین و ملول بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ ان کو گھیرے ہوئے ہیں۔

ایک دن آپ نے فرمایا کہ اللہ میرے لیے یہ سب سے خوشی کی بات ہوگی کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ اب امت کا فتنہ ختم ہو رہا ہے۔ حاضرین مجلس سے ایک شخص نے عرض کیا کہ ابو طلحہ آپ فتنہ سے اس قدر ڈرتے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ فتنہ سے نہیں بلکہ ''ہرج'' سے ڈرتا

ہوں، مخاطب نے عرض کیا ''ہرج'' کیا چیز ہے؟ آپ نے جواب دیا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے قریب قتل کی واردات ہوگی، لوگ ایک امام پر اتفاق نہ کریں گے اور اسی حالت میں قیامت آجائے گی، آج کے حالات اسی قسم کے ہیں، واللہ مجھے یہ پسند ہے کہ میں کسی پہاڑ کی چوٹی پر چلا جاؤں جہاں سے تمہاری آواز نہ سنوں اور نہ تمہاری پکار، دونوں کو جواب دے سکوں، حتیٰ کہ اللہ کے داعی کی پکار پر میرا جواب ہوجائے۔

(طبقات ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۱۲۰-۱۲۱)

طاؤس بن کیسان

یمن کے جلیل تابعی ہیں، ایک راستہ میں کچھ لوگوں کو قرآن کے نسخے بیچتے ہوئے دیکھا تو انا للّٰہ پڑھا۔ ۱۰۶ھ میں انتقال فرمایا۔ حجاج کے سخت خلاف تھے، فرماتے تھے کہ مجھے تعجب ہے کہ کچھ لوگ حجاج کو مومن کہتے ہیں۔ اہل زمانہ کے ظلم وستم کے ڈر سے بسا اوقات حق بات کہنے کی جرأت نہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کوئی بات پوچھی تو آپ نے فرمایا: ''ترید ان یجعل فی عنقی جمل ثم یطاف بی'' یعنی اس بات کے جواب سے تمہارا ارادہ ہے کہ میری گردن میں رسی باندھ کر گھمایا جائے؟ ان سے ایک مرتبہ کسی نے کوئی سوال پوچھا تو آپ نے اس کی سخت سرزنش فرمائی، اس نے کہا کہ ابوعبدالرحمٰن میں تمہارا کوئی دشمن نہیں ہوں بلکہ بھائی ہوں، آپ نے فرمایا: ''اخی من دون المسلمین''۔

(ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۹۴)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ

امام شعبی کا نام عامر بن شراحیل ہے۔ جلیل القدر تابعی ہیں، اپنے وقت کے امام تھے، صحابۂ کرام اور تابعین کی جماعت سے حدیثیں سنی تھیں، قرآن کے ممتاز قاری تھے، حافظہ اتنا قوی تھا کہ کبھی کاغذ قلم اور دوات کی ضرورت نہ پڑی، جلالت شان اور علمی آن بان میں یکتائے زمانہ

تھے۔ ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔

آپ بھی سعید بن جبیر کی طرح عبدالرحمٰن بن اشعث کی ہمراہی میں بنوامیہ کے خلاف تھے۔ دیر جماجم کی شکست کے بعد جب ابن اشعث کی قوت ختم ہوگئی تو آپ روپوش ہوگئے اور ایک روایت کے مطابق حجاج کے مظالم سے ڈر کر نومہینہ تک اپنے گھر کا دروازہ بند کیے پڑے رہے۔ جب قتیبہ ابن مسلم نے خراسان پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو اعلان کیا گیا کہ جو شخص فوج میں بھرتی ہوگا اس کا قصور معاف کر دیا جائے گا۔ چناں چہ اس اعلان کے بعد امام شعبی بھی ابن مسلم کی فوج میں بھرتی ہوگئے۔ مقام فرغانہ میں پہنچ کر قتیبہ کو حجاج کے پاس بعض فتوحات کی اطلاع بھیجنی تھی، اس نے یہ اطلاع نامہ امام شعبی سے لکھوایا، حجاج آپ کا اندازِ تحریر جانتا تھا، یہ خط دیکھ کر حجاج نے قتیبہ کو لکھا کہ ''تمہارے خط کا لکھنے والا شعبی ہے اسے فوراً گرفتار کرلو، اگر وہ شخص بچ کر نکل جائے گا تو تم کو معزول کر کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے جائیں گے'' جب قتیبہ نے حجاج کا یہ حکم پڑھا تو امام شعبی سے کہا کہ میں اب تک آپ کو پہچانتا نہ تھا، آپ آزاد ہیں جہاں چاہیں چلے جائیں، میں حجاج کے سامنے ہر قسم کی قسم کھالوں گا، اس پر امام شعبی نے فرمایا ''اگر میں یہاں سے چلا بھی جاؤں تو مجھ جیسا آدمی چھپا نہیں رہ سکتا، قتیبہ نے کہا کہ آپ اپنے معاملات کو بہتر سمجھ سکتے ہیں، الغرض آپ کے انکار کے بعد اس نے آپ کو حجاج کے پاس بھجوا دیا، واسط کے قریب پہنچ کر پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور آپ پابجولاں حجاج کے سامنے پیش کیے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ ج۱۔ص ۸۰-۸۱)

امام شعبی مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے ساتھ آٹھ یا دس ماہ تک مقیم رہے، آپ مختار ثقفی کے خوف سے بھاگ کر مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ کے پاس مقیم تھے۔

(طبقات ابن سعد۔ ج ۲۔ص ۱۷۳)

فرزدق شاعر

ہمام بن غالب فرزدق، عہد اموی کا مشہور شاعر ہے۔ ارباب لغت وادب کا قول ہے

کہ اگر فرزدق نہ ہوتا تو عربی ادب کا ایک چوتھائی حصہ ضائع ہوگیا ہوتا۔ فرزدق اور اس کے معاصر جریر شاعر میں ہمیشہ چشمک رہا کرتی تھی ۱۱۰ھ میں انتقال ہوا۔

شہزادہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے باپ کے دورِ حکومت میں ایک مرتبہ حج کیا، کوشش کی کہ کسی طرح حجر اسود کا بوسہ لے، مگر بھیڑ کی وجہ سے ناکام رہا، آخر کار ایک کرسی لائی گئی تاکہ اس پر بیٹھ کر حجر اسود کو بوسہ دے، اسی وقت میں خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ حضرت امام زین العابدین ابن امامِ حسین بن علی رضی اللہ عنہما طواف کے لیے تشریف لائے، آپ نہایت حسین و جمیل اور شکیل تھے، لوگ آپ کو دیکھتے ہی مارے ادب و احترام کے کائی کی طرح پھٹ گئے اور آپ نے نہایت اطمینان وسکون سے بیت اللہ کا طواف اور حجر اسود کا استلام کیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ہشام کے ایک سپاہی نے ہشام سے پوچھا یہ کون شخص ہے، ہشام نے دانستہ طور پر کہا کہ مجھ معلوم نہیں، کیوں کہ اس کو ڈر تھا کہ اگر اہل شام کو معلوم ہوجائے کہ یہ امام زین العابدین ہیں تو یہ اہل شام جو ہماری فوج میں داخل ہیں ہمارے خلاف ہوجائیں گے اور امام صاحب کی خلافت کے حامی ہوجائیں گے۔ وہیں فرزدق شاعر بھی موجود تھا اور یہ تماشا دیکھ رہا تھا، اس سے رہا نہ گیا، اس نے کہا کہ ''میں اس شخص کو پہچانتا ہوں'' شامی نے کہا تو پھر بتاؤ یہ کون ہیں؟ اس کے جواب میں فوراً فرزدق نے فی البدیہہ حضرت امام کی شان میں ایک قصیدہ کہا، جو آج بھی عربی قصائد میں جان کی حیثیت رکھتا ہے، اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

ھٰذا الذی تعرف البطحاء وطاته	والبیتُ یعرفه والحِلّ والحرم
یہ وہ ذات ہے جس کی چال کو بطحا کی سرزمین پہچانتی ہے۔	اور بیت اللہ اور حلّ اور حرم سب کے سب ان کو جانتے ہیں۔

جب ہشام نے یہ قصیدہ سنا تو فرزدق پر سخت غضب ناک ہوا اور فوراً گرفتار کر کے قید خانہ میں بند کر دیا، جب امام زین العابدین کو فرزدق کی اس معاملہ میں گرفتاری کی خبر لگی تو آپ نے بارہ ہزار درہم بطور اعانت کے فرزدق کے پاس بھیجے، فرزدق نے یہ کہہ کر رقم لینے سے انکار کر دیا کہ ''میں نے امام صاحب کی مدح ایک شاہزادے کے سامنے جو اُن کا مخالف تھا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا

جوئی کے لیے کی ہے، میرا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ امام صاحب اس کے صلے میں میری امداد کریں گے'' مگر امام موصوف نے فرمایا کہ ''ہم اہل بیت جب کسی کو چیز دے دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے'' فرزدق نے یہ سنا تو بلا تامّل بسر وچشم یہ رقم منظور کر لی۔ (ابن خلکان وغیرہ)

عطیہ بن سعد عوفی

آپ کے والد سعد بن جنادہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا کہ میرے گھر میں بچہ پیدا ہوا ہے، اس کا نام رکھ دیجیے، تو آپ نے ''عطیۃ اللہ'' نام تجویز فرمایا، چناں چہ آپ کا نام عطیہ مشہور ہو گیا۔ آپ نہایت ثقہ محدث ہیں، آپ کی احادیث مقبول ہیں، حضرت علیؓ کے ساتھ دلی محبت تھی، حجاج کے خلاف ابن اشعث کی تحریک میں شریک ہو گئے تھے اور جب ابن اشعث کو شکست ہوئی تو عطیہ فارس بھاگ کر چلے گئے، حجاج نے اپنے داماد اور بھتیجے محمد بن قاسم ثقفی فاتح سندھ کے پاس لکھا کہ عطیہ کو بلا کر علی بن ابی طالب پر لعنت کراؤ، اگر انکار کریں تو چار سو دُرّے رسید کرو اور سر اور داڑھی کے بال منڈوا دو، چناں چہ محمد بن قاسم نے عطیہ کو بلا بھیجا اور حجاج کا خط پڑھ کر سنایا، جب آپ نے اس حرکت سے انکار فرمایا، تو حجاج کے حکم کے موافق محمد بن قاسم نے آپ کو چار سو دُرّے لگوائے اور سر اور داڑھی کے بال منڈوا دیے، جب قتیبہ خراسان کا گورنر بن کر آیا تو آپ اس کے پاس چلے گئے اور وہیں قیام پزیر رہے۔ حتیٰ کہ عمر بن ہبیرہ عراق کا گورنر ہوا تو آپ نے اس سے کوفہ آنے کی درخواست دی اور اس نے جب منظوری دی تو آپ کوفہ آئے اور تا دمِ مرگ کوفہ ہی میں رہے۔ حتیٰ کہ ۱۱۱ھ میں انتقال فرمایا۔

(طبقات ابن سعد۔ ج ۶۔ ص ۲۱۲-۲۱۳)

طلحہ بن مصرف

آپ بڑے پایہ کے تابعی ہیں جماعت کے ساتھ حجاج کے خلاف ابن اشعث کی تحریک میں شریک ہو کر جنگ جماجم میں حصہ لیا ۱۱۲ھ میں انتقال فرمایا۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۶۔ ص ۲۱۶)

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ

بصرہ کے مشہور تابعی ہیں، ان کے والد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، والدہ صفیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی باندی تھیں، آپ کی شادی میں تین ازواج مطہرات اور اٹھارہ بدری صحابہ شریک ہوئے، خوابوں کی تعبیر میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، تقویٰ وطہارت میں مشہورِ زمانہ تھے، جمعہ ۹؍شوال ۱۱۰ھ کو وصال ہوا۔

حضرت ابن سیرینؒ بزازی کا کام کرتے تھے، تجارت کے سلسلہ میں قرضہ زیادہ ہوگیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ قید خانہ میں دال دیئے گئے، آپ کی اسیری کے زمانہ ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ ابن سیرین مجھ کو غسل دیں اور میرے جنازے کی نماز بھی وہی پڑھائیں، چناں چہ لوگ امیر وقت کے پاس گئے، یہ امیر قبیلہ بنو اسد سے تھا، اس سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وصیت کے متعلق بات چیت کی اور ابن سیرین کی وقتی رہائی کی درخواست کی، اس نے اجازت دے دی اور آپ نے جیل خانہ سے نکل کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تجہیز وتکفین کر کے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد فوراً خود ہی جیل خانہ واپس چلے گئے، حتیٰ کہ اسی شہر میں ان کے اہل وعیال تھے مگر نہ ان سے ملے اور نہ ان کی کوئی خبر گیری فرمائی۔

(ابن خلکان۔ ج ۲۔ ص ۲۶) (طبقات ابن سعد۔ ج ۷۔ قسم اول۔ ص ۱۱)

قرض ہو جانے کا سبب یہ ہوا کہ آپ نے چالیس ہزار درہم کا غلہ خریدا، خریداری کے بعد معلوم ہوا کہ اس غلہ میں کچھ شرعی قباحت ہے، چناں چہ آپ نے سارا غلہ یا چھوڑ دیا، یا صدقہ کر دیا اور دام کا قرضہ آپ کے ذمہ رہ گیا، ایک عورت نے آپ کو قید کرایا تھا، قید کرنے والے کا نام مالک بن منذر ہے۔ دوسری روایت ہے کہ آپ نے ام محمد بنت عبداللہ بن عثمان بن ابی العاص کے ہاتھ ایک باندی فروخت کی، باندی نے آپ سے شکایت کی کہ ام محمد مجھے بہت تکلیف دیتی ہے، اس پر آپ نے اسے واپس لے لیا اور اس کا دام چوں کہ خرچ ہوگیا، اس

لیے ادا نہ فرما سکے اور اس نے قید کرا یا۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۷۔ قسم اول۔ ص ۱۴۴-۱۴۵)

خالد بن سلمہ فافاء کوفی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حجازی خاندان سے ہیں، سعید بن مسیّب، ابو بردہ بن ابی موسی اشعری اور امام شعبی وغیرہ سے علم حاصل کیا، سفیان بن عُیینہؒ اور سفیان ثوریؒ علم حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔ ۱۳۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

بنو امیہ کے سقوط کے بعد جب بنو عباس کی دعوت کا ظہور ہوا تو آپ کوفہ چھوڑ کر واسط بھاگ گئے، اس کے بعد ابن ہبیر ہ کے ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ امام یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ ۱۳۲ھ میں میں واسط گیا، تو وہاں منادی ہو رہی تھی کہ تمام لوگوں کو امن ہے سوائے عوام بن حوشب، عجر بن ذر اور خالد بن سلمہ المحزومی کے، علی بن المدینی جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں، ان کا بیان ہے کہ خالد بن سلمہ مظلومیت کی حالت میں قتل کیے گئے۔ یعقوب بن شبیہ کا قول ہے کہ ابو جعفر منصور نے پہلے ان کی زبان کاٹ دی، اس کے بعد قتل کرا دیا۔

(تہذیب التہذیب۔ ج ۳۔ ص ۹۶) (طبقات ابن سعد۔ ج ۶۔ ص ۲۴۲)

سالم بن عجلان حرّانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کابل کے گرفتاروں میں تھے، سعید بن جبیر، امام زہری اور نافع وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا اور ان سے سفیان ثوری، لیث بن سعد وغیرہ نے پڑھا۔ نہایت صالح، ثقہ اور کثیر الحدیث عالم تھے۔ ۱۳۲ھ میں شہید ہوئے۔

آپ عقیدۃً رجاء کی طرف مائل تھے، دشمنوں اور حاسدوں نے اس کی آڑ لے کر آپ پر قسم قسم کے اتہام لگائے، چناں چہ اسی قسم کے جھوٹے اتہامات سے متاثر ہو کر عبداللہ بن علی نے نہایت بے دردی اور سفاکی سے آپ کے وطن حرّان ہی میں آپ کو قتل کر دیا۔

(تہذیب التہذیب۔ ج ۳۔ ص ۴۴۲)

عبدالحمید کاتب

عبدالحمید بن یحییٰ نہایت فصیح و بلیغ منشی تھے، عربی خط کے نئے اندازِ تحریر کے موجد اور علم ادب کے مسلم امام ہیں۔ بنوامیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد بن مروان کے درباری منشی تھے۔ ۱۳۲ھ میں انتقال ہوا۔

جب خلیفہ مروان بن محمد اموی کو قتل کر دیا گیا تو عبدالحمید مقام جزیرہ میں دشمنوں کے خوف سے روپوش ہوگئے، مگر سراغ رسانی کے بعد گرفتار کر کے ابوالعباس سفاح نے محکمہ پولیس کے افسر عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کے حوالہ کر دیا، عبدالجبار نے نہایت دردناک طریقہ سے تکلیف دے دے کر عبدالحمید کو مار ڈالا۔ آگ میں طشت گرم کر کے عبدالحمید کے سر پر رکھتا تھا، جب تک جان باقی رہی، یہی حرکت کرتا رہا، حتیٰ کہ عبدالحمید کا انتقال ہوگیا۔ (ابن خلکان۔ ج ا۔ ص ۳۴۳)

یونس بن میسر بن حلبس

آپ ثقہ محدثین میں سے ہیں۔ ۱۳۲ھ میں شہید ہوئے۔ بنوامیہ کے بعد جب بنوہاشم کو خلافت ملی تو ابتداء میں ان کی فوجیں دمشق میں داخل ہوئیں اور وہاں کی مسجد میں جن جن حضرات کو پایا بلا دریغ تہ تیغ کیا۔ چناں چہ اسی دن مسجد دمشق میں یونس بن میسر بن حلبس بھی ان ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ یہ سانحہ ابوالعباس سفاح کی خلافت کے ابتدائی دور ۱۳۲ھ میں پیش آیا۔ (طبقات ابن سعد۔ ج ۷۔ قسم ثانی۔ ص ۱۷۰)

جدّ ابی مسہر دمشقی

مشہور محدث ابومسہر دمشقی جن کا تذکرہ آرہا ہے ان کے دادا بجلی اسی دن مسجد میں شہید ہوئے تھے۔

(طبقات ابن سعد۔ ج ۷۔ قسم ثانی۔ ص ۱۷۰)

سالم افطس

سالم بن عجلان، محمد بن مروان بن الحکم بن ابی العاص کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ان کا مکان حرّان میں تھا۔آپ کثیر محدث ہونے کے ساتھ نہایت ثقہ تھے۔۱۳۲ھ میں شہید ہوئے۔

۱۳۲ھ میں جب پہلی دفعہ فاتحانہ شان سے بنو ہاشم کی فوجیں ملک شام میں داخل ہوئیں اور قتل و غارت گری کی گرم بازاری ہوئی تو آپ کو عبداللہ بن علی نے قتل کر دیا۔

(طبقات ابن سعد۔ج ۷۔قسم ثانی۔ص ۱۷۹)

ابو سُلیم

مشہور تابعی لیث کے والد ہیں۔نہایت عبادت گزار اور متہجد تھے۔کوفہ کی جامع مسجد میں رات کو نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔جب شبیب خارجی کوفہ میں گیا تو جامع مسجد میں رات کے وقت جن جن حضرات کو پایا قتل کر دیا، ان میں حضرت ابو سُلیم بھی شامل تھے، اس کے بعد لوگوں نے کوفہ کی مسجد میں رات کو تہجد پڑھنا ہی ترک کر دیا۔(طبقات ابن سعد۔ج ۶۔ص ۲۴۳)

غیلان بن جامع محاربی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کوفہ کے قاضی تھے، حدیث میں ثقہ تھے، بنو ہاشم کی فوجیں جب پہلی مرتبہ شاہانہ غرور میں واسط اور کوفہ میں داخل ہوئیں تو حضرت غیلان بن جامع کو انہوں نے شہید کر دیا، اس زمانہ میں یزید بن عمر بن ہبیرہ عراق کا گورنر تھا۔(طبقات ابن سعد۔ج ۶۔ص ۲۴۵)

ربیعہ بن عبدالرحمٰن رائی

ربیعہ رائی کے لقب سے مشہور ہیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ، سائب بن یزید، سعید بن مسیّب اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ سے علم حاصل کیا۔امام مالک، سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری

وغیرہ کے استاد ہیں۔ مدینہ کے مفتی تھے، آپ کی علمی مجلس میں اعیان شہر آیا کرتے اور بیک وقت چالیس چالیس جید علماء کا اجتماع ہو جاتا تھا۔ ۱۳۶ھ میں وفات ہوئی۔

حضرت ربیعہ رائی نے آخر عمر میں بڑے مصائب برداشت کیے، ابوالزناد اور ربیعہ کے درمیان کچھ کشیدگی پیدا ہوگئی تھی، ابوالزناد کی حکومت وقت میں بڑی مان جان تھی، چناں چہ اس نے بادشاہ سے ان کے خلاف امداد حاصل کر کے پہلے تو ان کو مارا، پھر آدھی داڑھی استرے سے منڈوادی، اس کے بعد آپ نے خود بقیہ نصف داڑھی صاف کرادی۔

(تہذیب التہذیب۔ ج ۳۔ ص ۲۵۹)

ابراہیم بن میمون مروزی رحمۃ اللہ علیہ

دوسری صدی ہجری کے ممتاز علماء وفقہا میں تھے، عطاء بن ابی رباح اور نافع سے حدیثیں سنی تھیں، امر بالمعروف میں ہمیشہ پیش پیش رہتے، زرگری کا کام کرتے تھے، ہتھوڑا اٹھائے ہوئے اذان سن لیتے تو ویسے ہی چھوڑ کر نماز کو چل دیتے تھے، مقام مرو میں رہتے تھے۔ ۱۳۱ھ میں شہید ہوئے۔

ابومسلم خراسانی نے جب اقتدار حاصل کر کے خلفائے بنوامیہ اور ان کے طرفداروں کو اذیت دینی اور قتل کرنا شروع کیا تو حضرت ابراہم بن میمون اس کے پاس گئے اور ظلم وستم سے باز رکھنے کی نصیحت کی، ابومسلم نے آپ کی ایک نہ سنی، بلکہ آپ کو الٹا قید کر دیا۔ آپ کے قید ہونے کے بعد ابومسلم کے پاس تمام مقتدر علماء کی ایک جماعت گئی اور آپ کے بارے میں گفتگو کر کے رہا کرایا۔ مگر ابومسلم اپنی سفا کی سے باز نہ آیا اور بدستور لوگوں کو اذیتیں دیتا رہا، لہٰذا آپ نے پھر سرزنش کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے آپ کو گرفتار کر کے آپ کے وطن مقام مرو ۱۳۱ھ میں نہایت سفا کی کے ساتھ قتل کرادیا۔ جب آپ کی شہادت کی خبر امام ابوحنیفہ کو پہنچی تو امام صاحب اس مردِ مجاہد پر زار وقطار روئے۔

(حدائق الحنفیہ۔ ص ۱۰۸)

منصور بن معتمر کوفی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث کے مسلم امام ہیں، چالیس سال تک روزے رکھے اور رات رات نماز پڑھی، عبادت میں تمام رات روتے، یہاں تک کہ روتے روتے بینائی جاتی رہی، قوت حافظہ میں اس وقت کوفہ میں آپ سے کوئی بڑھ کر نہ تھا۔ ۱۳۲ھ میں وفات ہوئی۔

عراق کے امیر یوسف بن عمر نے امام منصور کو گرفتار کر کے عہدۂ قضا آپ کے سپرد کرنا چاہا، آپ نے صاف انکار فرما دیا، اس انکار پر امیر یوسف سخت برہم ہوا اور آپ کو جکڑ دینے کے لیے بیڑیاں منگوائیں، جب آپ نے اس کی سختی زیادہ دیکھی تو مجبوراً عہدۂ قضا کو منظور فرما لیا اور اس کے ظلم وستم سے نجات حاصل کی، مگر چوں کہ آپ دل سے اس کے خلاف تھے اس کے دو ہی ماہ کے بعد آپ قضا سے استعفا دے کر الگ ہو گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ ج ا۔ ص ۱۳۵)

محمد بن عجلان مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مدینہ منورہ کے مفتی اور فقیہ تھے، علم وعمل دونوں خوبیوں کے جامع تھے۔ مسجد نبوی میں آپ کا حلقۂ درس بہت بڑا ہوا کرتا تھا، بڑی عظمت کے مالک تھے، خشیت خدا اور تقویٰ میں مشہورِ زمانہ تھے۔ عبداللہ بن مبارک کا فرمان ہے کہ محمد بن عجلان علماء میں ''یاقوت'' ہیں۔ ۱۴۸ھ میں انتقال فرمایا۔

حکومت عباسیہ کی طرف سے آپ کو کچھ ایسی ناگوار باتیں پیش آئیں جن کی وجہ سے آپ حکومت عباسیہ کے مخالف محمد بن عبداللہ بن حسن کے ساتھ جا ملے، جب محمد قتل کر دیئے گئے تو مدینہ منورہ کے گورنر جعفر بن سلیمان امام ابن عجلان کے پیچھے پڑا اور اس نے پورا ارادہ کر لیا کہ ہمارے مخالف سے مل جانے کی سزا میں اُن کو دُرّوں سے پٹوایا جائے۔ جب لوگوں کو اس کے ارادے کی خبر ہوئی تو اس سے کہا کہ اگر امام حسن بصریؒ یہ کام کرتے تو کیا تم ان کو بھی یہی سزا دیتے؟ اس نے جواب دیا نہیں، اس پر لوگوں نے کہا کہ ابن عجلان کو اہل مدینہ میں وہی حیثیت

حاصل ہے جو حسن بصری کو اہل بصرہ میں، جب اس کو لوگوں کے جذبات کا اندازہ ہو گیا تو ڈر کر اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ج ا۔ص ۱۵۷)

محمد بن سائب کلبی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مشہور اخباری، مفسر قرآن اور ماہر انساب ہیں۔ آپ کے دادا بشر بن عمرو اپنے تینوں بیٹوں سائب، عُبید اور عبدالرحمٰن کو لے کر جنگ جمل میں حضرت علی کے طرفدار رہے۔ محمد بن سائب کلبی ۱۴۶ھ میں فوت ہوئے۔ حجاج کے خلاف آپ نے ابن اشعث کا ساتھ دیا تھا اور ''جنگ جماجم'' میں شرکت کر کے جنگ فرمائی۔

(ابن سعد۔ج ٦۔ص ۲۵۰)

مقاتل بن حیان بلخی رحمۃ اللہ علیہ

آپ خراسان کے بہت بڑے عالم ہیں، علم و عمل کے ساتھ ساتھ بڑے عزت کے مالک تھے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم کے استاذ بھی ہیں۔ ۱۵۰ھ کے کچھ قبل وفات ہوئی۔

بنو عباس کی سلطنت کی ابتداء میں ابو مسلم خراسانی کا خروج ہوا اور اس کے ظلم و ستم کی کوئی انتہا نہ رہی تو آپ اس کے ڈر سے اپنا وطن شہر بلخ چھوڑ کر کابل کی طرف بھاگ گئے اور اس غریب الوطنی میں دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ایک بری جماعت کو مسلمان کیا، کابل کے اطراف میں خوب اسلام کی اشاعت ہوئی اور جوق در جوق لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ کابل ہی میں آپ کا وصال ہوا اور وہاں کے کافر بادشاہ نے آپ کی وراثت پر قبضہ کر لیا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ مسلمان تھے اور تمہارا دین ان کے دین سے جدا ہے، تم ان کے مال کے کیسے وارث بن سکتے ہو، تو اس نے جواب دیا کہ وہ صالح بندے تھے اس لیے میں نے ان کا مال تبرکاً لے لیا ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ۔ج ا۔ص ۱۶۵) (تہذیب التہذیب۔ج ۱۰۔ص ۲۷۸)

مُورّق بن مُشمرِج عجلی

آپ کی کنیت ابوالمعتمر ہے۔نہایت ثقہ اور عابد مرتاض تھے۔دس سال تک خاموشی میں زندگی بسر کی،سال گز جاتا تھا کبھی کسی پر غصہ نہ ہوتے تھے،اپنے بھائیوں کے پاس روپیہ پیسہ رکھ دیتے اور فرماتے کہ جب تک میں نہ لوں خرچ نہ کرنا مگر کچھ دیر بعد کہہ دیتے کہ تم لوگ خرچ کر ڈالو،دوسروں کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ فرماتے،تجارت ذریعہ معاش تھا،ہاتھ میں جو کچھ نفع ہوتا جمعہ تک خرچ کر ڈالتے،لوگوں کو دے دیتے۔محمد بن ہبیرہ کی عراق پر گورنری کے زمانے میں آپ نے وصال فرمایا۔

غیلان بن جابر کا بیان ہے کہ حجاج بن یوسف نے مورق عجلی کو قید کر دیا تھا،ایک دن مجھے مطرّف مل گئے،انہوں نے کہا کہ مورق کے بارے میں کیا کاروائی کر رہے ہو،میں نے جواب دیا کہ وہ تو اب تک قید خانہ میں بند پڑے ہیں،یہ سن کر مطرّف نے کہا کہ آؤ مل کر ان کی رہائی کی دعا کریں،چناں چہ انہوں نے دعا کی اور ہم لوگوں نے آمین کہا،جب شام ہوئی اور حجاج دربارِ عام میں آیا تو لوگوں کو اپنے دربار میں بلایا،جانے والوں میں مورق کے والد بھی اتفاق سے پہنچ گئے،ان کو دیکھ کر حجاج نے پولیس بلایا اور کہا کہ اس شیخ کو ساتھ جیل خانہ میں لے جاؤ اور ان کے لڑکے کو ان کے حوالے کر دو۔(طبقات ابن سعد۔ج۷۔قسم اول۔ص۱۵۷)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا خاندان کابل کا رہنے والا تھا،آباء واجداد نے غلامی میں زندگی بسر کی تھی، آپ کے زمانہ میں چار صحابہ زندہ تھے،حضرت انس رضی اللہ عنہ کو آپ نے بارہا دیکھا ہے، بے شمار محدثین سے علم حاصل کیا،فقہ کی تکمیل حماد بن سلیمان کے پاس کی،بے شمار بندگانِ خدا نے آپ کے علمی فیوض سے فائدہ اٹھایا،آپ کے شاگردوں میں امام ابو یوسف اور امام محمد زیادہ مشہور ہیں،زہد وتقویٰ اور خدا ترسی میں یکتائے روزگار تھے،ذہانت وفطانت خداداد تھی،

امت کے چار مسلمہ فرقوں میں سے ایک کے امام ہیں، آپ کے حالات مشہور ہیں، رجب ۱۵۰ھ میں وصال ہوا۔

امام صاحب نے ایک مرتبہ فتویٰ دیا، جب اس کی خبر ابن ابی معیطی کو پہنچی تو وہ کوفہ کے عامل کی خدمت میں گئے اور کہا کہ ذرا ابوحنیفہ کو بلا کر ڈانٹ دو اور فتویٰ دینے سے روک دو، یہ جوان ہمیشہ میرے احکام کی مخالفت کرتا ہے، میرے فتویٰ کے خلاف فتویٰ دیتا ہے اور میری غلطیاں نکالتا ہے۔ چناں چہ عامل نے آپ کو بلا کر فتویٰ دینے سے منع کر دیا، ایک دن امام صاحب اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے لڑکی نے کہا ابا جان! میں روزے سے ہوں اور میرے دانتوں سے خون نکل رہا ہے، میں نے تھوک دیا ہے، تھوک سفید ہے، اس میں اب خون کا اثر نہیں ہے، اگر اب تھوک نگل جاؤں تو کیا میرا روزہ ٹوٹ جائے گا؟ آپ نے ان کو جواب دیا کہ اپنے بھائی حماد سے یہ مسئلہ پوچھ لو، دنیا نے مجھ کو فتویٰ دینے سے روک دیا اور میری زبان بند کر دی گئی ہے۔ (تاریخ ابن خلکان۔ ج ۲۔ ص ۲۵)

ایک مرتبہ امیر العراقین یزید بن ہبیرہ فرازی نے کوفہ کا محکمۂ قضا امام صاحب کے سپرد کرنا چاہا، آپ نے صاف انکار فرما دیا، اس جرم پر ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو ایک سو دس کوڑے اس طرح مارے کہ روزانہ دس کوڑے مارتا، لیکن آپ اپنے انکار پر قائم رہتے، جب مجبور ہو گیا تو چھوڑ دیا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے دُرّے کھانے کے بعد جب امام ابوحنیفہ کے اس واقعہ کو یاد فرماتے تو بے اختیار رو دیتے، امام کے پوتے اسماعیل کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرا اپنے والد کے ساتھ ایک گھورے کے پاس سے گزر ہوا تو میرے والد رونے لگے، میں نے عرض کیا ابا جان! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا اسی مقام پر ابن ہبیرہ نے میرے والد کو دس دن تک روزانہ دس کوڑے لگوائے تھے، تاکہ منصب قضا قبول کر لیں، والد نے کوڑے کھانا منظور کر لیا مگر قضاء کا عہدہ گوارا نہ کیا۔ (ابن خلکان۔ ج ۱۔ ص ۲۹۵)

امام صاحب کے دشمنوں نے خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس جا کر شکایت کی کہ ابوحنیفہ حکومت عباسیہ کے مخالف ابراہیم بن عبداللہ کے خروج میں شریک ہیں اور خفیہ طور سے ان کی

امداد بھی کرتے ہیں، منصور بھی آپ کی طرف سے مطمئن نہ تھا اور آپ کے قتل کرنے کے درپے تھا، چناں چہ ۱۴۶ھ میں اس نے قضاء کے بہانے سے آپ کو بغداد میں طلب کیا، جب آپ دربار میں پہنچے تو عیسیٰ بن موسیٰ نے ان الفاظ میں آپ کا تعارف کرایا: ”یا امیر المومنین ھٰذا عالم الدنیا الیوم“ امیر المومنین! آج یہ شخص دنیا کا سب سے بڑا عالم ہے۔ پھر آپ اور منصور میں یوں گفتگو شروع ہوئی:

منصور: آپ نے کس سے علم حاصل کیا ہے؟

امام صاحب: حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے۔

منصور: تب تو آپ نے بڑے اعتماد اور وثوق سے علم حاصل کیا ہے۔ آپ عہدۂ قضا قبول فرمالیں۔

امام صاحب کوفہ کے اندر ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ۱۵۰ھ میں تقریباً ستر سال کی عمر میں وصال فرمایا، آپ کی زندگی کا تقریباً باون سال بنوامیہ کے دورِ حکومت میں گزرا اور بقیہ اٹھارہ سال بنوعباس کی خلافت میں۔

خلیفۂ اموی عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں آپ پیدا ہوئے اور اس کے انتقال کے وقت آپ چھٹے سال میں تھے، عراق میں حجاج بن یوسف کی گورنری کا زمانہ بھی آپ نے پایا، حجاج کی موت کے وقت آپ پندرہ سال کے تھے۔

اس دور میں حجاج کے مظالم، مخالفتیں، اس کی سختی اور عراق میں اس کی جبروت وسطوت کو آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں امام صاحب نوخیز جوان تھے، چناں چہ حضرت عمر کے عدل وانصاف کے آثار بھی دیکھے، اس کے بعد بنوامیہ کے زوال کا تماشہ بھی دیکھا، بنوعباسیہ کے اقتدار وعروج کے ابتدائی ہنگامے بھی آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوئے، حتیٰ کہ ان کی سطوت وجبروت کا جھنڈا لہرا گیا، آپ کے وطن عراق اور اس کے حوالی بنوعباس کی تحریک کا مرکز تھے، یہیں کے لوگوں نے بنوامیہ کے خلاف ہنگاموں میں دل کھول کر حصے لیے، اسی طرح امام صاحب نے حجاج کے بعد یزید بن مہلب، خالد بن عبداللہ قسری اور

نصر بن سیار کی عراق پر گونری کے دور میں بھی زندگی کے دن گزارے اوران ظالموں کے کارناموں کی رنگینی بھی ملاحظہ فرمائی۔ اس کے بعد بنوعباس کے دور کا سب سے بڑا خروجی ہنگامہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب زکیۃ النفس کا منصور کے خلاف خروج بھی آپ کے سامنے ہوا، بلکہ روایات صاف کہہ رہی ہیں کہ آپ نے زکیۃ النفس کا ساتھ بھی دیا اوراس تحریک کا حسرت ناک انجام بھی زکیۃ النفس کی شہادت کی صورت میں دیکھا اوراس کے بعد بنوعباس کی بنیاد مضبوط ہوگئی۔

یہ سارے کے سارے سیاسی ہنگامے امام صاحب کے سامنے گزرے اوران میں آپ نے اپنے افکاروخیالات کے مطابق رجحانات قائم فرمائے، بلکہ بعض بعض تحریکوں میں حصہ بھی لیا،ان کی امداد کی،مشیر رہے اور پروگرام میں شریک رہے۔

بنوامیہ اور بنوعباس کی دوحکومتوں کے ضغطہ میں امام صاحب کی زندگی مصائب سے دوچار ہوتی رہی، چناں چہ بنوامیہ کے دور میں ابن ہبیرہ جو کہ عراق میں مروان بن محمد کا عامل تھا اس نے آپ کو محکمۂ قضا دینا چاہا اور انکار کرنے پر درّے لگوائے، پھر بنوعباسیہ کے دور میں تو منصور نے آپ کو زہر ہی دے دیا،منصور کے دربار میں آپ کا ظاہری جرم معمولی تھا،یعنی قضاء سے انکار،مگر پھر بھی اس کا اس سخت سزا کا دینا سربستۂ راز کو کھول دیتا ہے۔اصل یہ ہے کہ منصور کو یقین کامل ہوگیا تھا کہ محمد بن عبداللہ زکیۃ النفس اوران کے بھائی ابراہیم کے موافق بن کر میری خلافت کے مخالف ہیں۔

واقعہ بھی یوں ہی ہے کہ بنوعباس کے ظلم وستم اور دینی بے راہ روی کے باعث ان کے مقابلہ میں امام صاحب محمد عبداللہ زکیۃ النفس کو خلافت کے لیے زیادہ حقدار سمجھتے تھے اورعباسیوں کے جوروستم کو بری نظروں سے دیکھتے تھے،چناں چہ امام زفر سے روایت ہے کہ:

”ان ابا حنیفة کان یجهر	ابراہیم کے وقت میں ابوحنیفہ
بالکلام (یعنی ضد المنصور)	(خلیفہ) منصور کے خلاف کھل کر
ایام ابراهیم جهار شدیدا فقلت	بولتے تھے تو میں نے ان

لـه والـلّٰـه مـا انت منتـهٍ حتیٰ	سے کہا کہ بخدا آپ باز آنے والے
تـوضـع الـحبال فی اعناقنا"۔	نہیں ہیں، یہاں تک کہ ہماری گردنوں
(تاریخ بغداد خطیب۔ج ۱۳۔ص ۳۲۹)	میں رسیاں ڈال دی جائیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ امام صاحب نے منصور سے صاف صاف کہہ دیا:

"لـو هـد دتنی ان تغرقنی	اگر تم مجھے فرات میں ڈبو دینے کی دھمکی
فـی الـفـرات او ان الـی	دو یا عہدہ قبول کرنے کو کہو تو میں (ان
الحکم لاخترت ان اغرق	دونوں میں سے) ڈوب جانے کو ترجیح
فـلک حاشیة یحتا جون	دوں گا، تمہارے حاشیہ بردار لوگ اس
الـی مـن یـکـر مهم لـک	آدمی کے زیادہ محتاج ہیں جو اُن کی
فـلا اصـلـح لـذالـک"۔	عزت وتکریم کرے میں اپنے کو اس کا
(تاریخ بغداد خطیب۔ج ۱۳۔ص ۳۲۸)	اہل نہیں پاتا۔

اور یہ بات امام صاحب تک نہ تھی، بلکہ اس دور کے بڑے بڑے علماء ومحدثین اور ارباب دین ودیانت اسی رائے پر تھے، یہی وجہ ہے کہ خلفاء بنو عباسیہ اس دور کے علماء کو اپنا طرفدار بنانے کے لیے بڑے بڑے عہدے وظائف اور عطیے پیش کرتے تھے اور علماء سختی سے انکار کرتے تھے، حتیٰ کہ بہت سے محدثین نے تو ایسے راویوں سے روایت ترک کردی جو خلفاء کے درباری یا ان کے ہمنوا ابن کران سے قربت حاصل کر لیتے تھے۔

اَصبغ بن فرج بن سعید بن نافع اموی بصری

ابو عبداللہ اَصبغ بن فرج وراق فقیہ مصری حضرت عمر بن عبدالعزیز کے غلام ہیں، اسامہ بن زید، دراوردی اور ابن اروتم سے روایت کی، ابو حاتم، محمد بن عوف حمصی نے ان سے روایت کی، ابن یونس نے کہا ہے کہ ۲۲۵ھ میں خلق قرآن کے فتنہ میں روپوشی میں انتقال کیا۔

(خلاصہ تذہیب الکمال۔ص ۳۳)

عبداللہ بن محمد ہروی رحمۃ اللہ علیہ

امام ہروی بڑے متقی اور پارسا تھے، اپنے وقت کے شیخ الاسلام تھے، سلسلۂ نسب حضرت ابوایوب انصاری تک پہنچتا ہے۔ مخالفین قرآن وسنت کے حق میں شمشیر برہنہ تھے، کئی دفعہ مبتلائے مصائب کیے گئے، مگر اپنی جگہ قائم رہے۔ ادب، تاریخ، انساب، حدیث اور تفسیر میں آپ کو امامت کا درجہ حاصل تھا۔ جو کچھ مریدوں اور شاگردوں سے ملتا اسی پر گزر اوقات کرتے، بلکہ اس کا بیشتر حصہ اوروں کو دے دیتے۔ ۸۴؍سال کی عمر میں ۴۸۱ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد ہروی حنبلی کے متعلق ابونصر فامی کا قول ہے کہ آپ اپنے وقت کے بے مثال عالم تھے، محاسن وفضائل میں یکتائی کے ساتھ ساتھ دین اور سنت کے اظہار میں وزیر اور سلطان تک کی پرواہ نہیں کرتے تھے، ہر وقت حاسدوں کے مظالم کا شکار بنے رہتے، لوگ کئی مرتبہ ان کی جان لینے کے درپے ہوئے، متعدد بار قتل کردینے کی فکر میں لگے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمیشہ محفوظ رکھا، بلکہ دشمنوں کی سازشوں کو آپ کے لیے بلندئ مراتب کا ذریعہ بنایا۔

امام صاحب کا خود بیان ہے کہ صرف ایک شہر (یعنی ہرات) میں مجھے قتل کرنے کے لیے ننگی تلوار کے سامنے لایا گیا اور ہر بار مطالبہ یہ کیا جاتا تھا کہ میں اپنے مخالفین کی باتوں کا جواب نہ دوں، بلکہ اعتراضات پر خاموش رہوں۔ اس حق گوئی اور اظہارِ عقیدہ کی بناء پر آپ کو بڑی بڑی ایذائیں پہنچائی گئیں اور ہرات سے نکال کر شہر بلخ میں بھیج دیا گیا، نیز مختلف مقامات پر کئی مرتبہ آپ کی آزمائش ہوئی، متعدد بار مبتلائے محن کیے گئے، مگر ہر جگہ امتحان وابتلاء میں کامیاب اور ثابت قدم رہے۔

جب سلطان الپ ارسلان ہرات میں آیا تو وہاں کے مخالف علماء، مشائخ اور رئیس، شیخ الاسلام ہروی کے حجرہ میں آئے اور سلام کے بعد کہا کہ ''سلطان الپ ارسلان آیا ہے، ہم لوگ اس ارادہ سے نکل رہے ہیں کہ چل کر سلطان کو سلام کریں گے، مگر ہم نے سوچا کہ پہلے

آپ سے حصول برکت کے لیے سلام کرلیں'' مگر یہ لوگ اس بہانہ سے اپنے ساتھ تانبے کا ایک چھوٹا سا بُت لائے تھے اور دورانِ گفتگو میں چوری سے اس کو شیخ الاسلام ہروی کے مصلے کے نیچے رکھ دیا اور چل دیئے، شیخ حسب معمول اٹھے اور اپنے مصلے پر نماز پڑھنے لگے، اِدھر یہ مخالفین سلطان الپ ارسلان کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ''عبداللہ بن محمد ہروی نے فتنہ برپا کر رکھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی جسمیت کے قائل ہیں، اپنی محراب میں ایک بُت بنا کر رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی صورت کا ہے، اگر حضور کسی کو بھیج دیں تو وہ بت اُن کی محراب میں رکھا ہوا مل جائے گا'' جب الپ ارسلان نے ان علماء ومشائخ کی زبانی شیخ الاسلام ہروی کے متعلق یہ باتیں سنیں تو سخت متعجب ہوا اور ایک آدمی کی سرکردگی میں کچھ لوگوں کو ان کے پاس بھیجا، یہ جماعت ان کے گھر میں داخل ہو کر وہ بت محراب سے نکال لائی، جب الپ ارسلان نے یہ حال دیکھا تو وہ سخت برہم ہوا اور فوراً ایک آدمی کو بھیجا کہ ان کو ساتھ لائے، جب آپ تشریف لائے تو اسی مجمع میں سلطان نے کہا:

الپ ارسلان: (بت کی طرف اشارہ کرکے) یہ کیا ہے؟

شیخ الاسلام: یہ بت جو کھلونے کی طرح پیتل سے بنایا گیا ہے۔

الپ ارسلان: میں آپ سے یہ نہیں پوچھتا۔

شیخ الاسلام: پھر کیا پوچھتے ہیں؟

الپ ارسلان: (مجمع کی طرف اشارہ کرکے) یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اس کی پوجا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہی صورت ہے۔

شیخ الاسلام: ''سُبحانک ھذا بھتان عظیم''۔(پ۱۸۔سورہ النور۔آیت۱۶)

ترجمہ: (پاکی اللہ کے لیے ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے)

سلطان الپ ارسلان نے آپ سے جب یہ سنا تو اپنے دل میں کہا کہ یہ لوگ شیخ الاسلام کی مخالفت میں ان کے خلاف جھوٹ بول رہے ہیں اور بیجا بہتان باندھتے ہیں، اس کے بعد اس نے نہایت احترام اور عزت کے ساتھ شیخ الاسلام کو گھر واپس کردیا۔(تذکرۃ الحفاظ۔ج۳۔ص۳۵۴-۳۵۸)

شیخ الاسلام ابواسماعیل انصاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الاسلام ابواسماعیل انصاری حنبلی اپنی تمام زندگی رنج ومحن کا شکار رہے اور اپنے وطن سے دور رکھّے گئے، بڑے بڑے مصائب برداشت کئے، ایک مرتبہ ہرات شہر کے متصوفین کی ایک جماعت نے فساد پھیلایا، شیخ الاسلام کے مخالفین نے اس فتنہ کو آپ کی طرف منسوب کردیا، حالاں کہ آپ کو اس سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا، ان مفسدین کی فتنہ پردازیوں سے اہل شہر نے متاثر ہوکر آپ کو مع اولاد اور نوکر چاکر شہر سے نکال دیا، جس دن آپ کو شہر سے نکالا گیا، رمضان کی بیس تاریخ اور جمعہ کا دن تھا، آپ نے لوگوں سے کہا کہ ''نماز جمعہ پڑھ لینے دو، مگر لوگ اس کی اجازت نہ دے سکے'' مجبوراً آپ شہر ہرات کے باہر نکل کر قریب ہی ایک مقام پر مقیم ہوگئے، مگر لوگوں کو شہر کی قربت بھی ناگوار ہوئی اور آپ کو مجبور کیا کہ دوسری جگہ چلے جائیں، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ مقام ''بوشنج'' چلے گئے۔ ہرات کے لوگوں نے ان تمام واقعات کو لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا، بادشاہ اور وزیر نظام الملک دونوں نے یہی جواب لکھا کہ شیخ ابواسماعیل کو مع ان کے بچوں اور خادموں کے ''ماوراء النہر'' بھیج دیا جائے۔ چناں چہ یہ جواب شہر کی جامع مسجد میں یحیٰی بن عمار کے منبر پر جمعہ کے دن پڑھا گیا، اس جواب میں شیخ کی برائیاں بھی لکھی تھیں، اس حکم کے مطابق شیخ اور ان کے معتقدین مقام ''مرو'' کی طرف منتقل کیے گئے، کچھ دنوں کے بعد حکم صادر ہوا کہ اب شیخ کو بلخ بھیج دیا جائے، چناں چہ آپ بلخ بھیجے گئے، پھر ''مروالرود'' کا حکم آیا اور اس پر عمل کیا گیا، آخر میں حکم آیا کہ اب ان کو ہرات آنے کی اجازت دی جاتی ہے، آپ نے ۴۷۸ھ میں ہرات چھوڑا تھا اور ۴۸۲ھ میں ۱۴ر محرم الحرام یوم چہارشنبہ کو اپنے شہر میں دوبارہ داخل ہوئے، جس دن آپ وہاں پہنچے خلق اللہ کا بڑا ازدہام تھا، اس مدت غربت میں آپ پر بڑے بڑے ظلم ہوئے، جب آپ ہرات سے نکلے تو لوگوں نے مجبور کیا کہ اپنا سامان جانور پر نہ لادیں، جب آپ بلخ میں پہنچے تو اہل شہر نے آپ پر سنگ باری کرنی چاہی، مگر وزیر نظام الملک کے لڑکے نے یہ کہہ کر ان کو روکا کہ تم لوگ زمانہ کے محاسب

نہیں ہو، شرم نہیں آتی کہ ایک عالم کو پتھر مارتے ہو؟ بلخ والوں نے یہ حرکت اس لیے کرنی چاہی کہ وہ سب کے سب سخت قسم کے معتزلی تھے اور حضرت شیخ الاسلام سنت میں بہت ہی سخت قسم کے عالم دین تھے۔ ۴۸۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

(ذیل طبقات الحنابلہ۔ ص ۴۴-۴۵)

ابراہیم بن سعد مصریؒ

مصر کے محدث ہیں، حبّال کے لقب سے مشہور ہیں، بڑے پارسا اور نیک دل تھے، سادہ زندگی بسر کرتے تھے، بڑے بڑے علماء اور محدثین آپ کے شاگرد ہیں۔ ۴۸۲ھ میں انتقال فرمایا۔

مصر کے فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ نے امام حبّال کو احادیث رسول کی روایت و بیان سے بڑی سختی سے ڈرا، دھمکا کر روک دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ احادیث کا جو ذخیرہ آپ کے پاس تھا، ملک میں پھیل نہ سکا۔

ابوعلی بن سکرہ صوفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے مصر میں جا کر امام حبّال سے حدیث سننا چاہا، مگر باطنیوں نے مجھ کو ان کے پاس بھی جانے سے روک دیا، جب مجھ سے یہ شرط نامہ لکھوالیا کہ امام حبّال نہ مجھ کو حدیث سنائیں گے، نہ حدیث کی اجازت دیں گے، تو ان کے پاس حاضر ہونے کی اجازت دی، جب میں نے پہنچ کر بات چیت کرنی شروع کی تو اس سے کہ میں شاید کوئی فتنہ انگیز جاسوس یا ان کا بدخواہ ہوں، میری باتوں کا جواب بے ڈھنگی سے دینے لگے، اس پر میں نے ان کو بتایا کہ میں اندلس کا باشندہ ہوں، حج کے ارادے سے مکہ آیا تھا، آپ مطمئن رہیں، میں کوئی جاسوس یا آپ کا کوئی مخالف نہیں ہوں، میرے اطمینان دلانے کے باوجود آپ نے ڈرتے ڈرتے مجھ کو احادیث کی زبانی اجازت تو دے دی، مگر باطنیوں کے ظلم وستم کے خوف سے تحریری اجازت نہ دے سکے۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۳۔ ص ۳۶۱)

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ

شمس الائمہ امام محمد بن احمد سرخسی مجتہد تھے، حنفیہ کے امام، متکلم، اصولی اور مناظر مانے جاتے ہیں، مسائل فقہیہ میں ان کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا، شمس الائمہ امام عبدالعزیز حلوائی کی درسگاہ سے علمی فیض پایا تھا، آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، ان کی ''مبسوط'' مشہور کتاب ۱۵؍جلدوں میں چھپی ہے۔ ۴۹۰ھ کے حدود میں آپ کا وصال ہوا۔

آپ نے ماوراء النہر کے سلطان خاقان کو بطور نصیحت کے کچھ باتیں کہیں، جن کو اس نے برا مان کر آپ کو ''بافرجند'' کے قید خانہ میں ایک کنویں کے اندر بند کرادیا، آپ کے شاگرد کنویں کے اوپر جمع ہوجاتے آپ اندر سے زبانی بولتے اور یہ لوگ اوپر بیٹھے لکھتے۔ ۱۵؍جلدوں میں ''کتاب المبسوط'' آپ نے کنویں کے اندر سے اپنے حافظے سے بغیر کتاب لکھوائی ہے۔ ''کتاب العبادات'' کی شرح کے آخر میں آپ نے یہ عبارت لکھوائی ہے:

''ھذا اٰخر شرح العبادات باوضح المعانی وا وجز العبارات املاء المحبوس علی الجماعات''۔	یہ کتاب العبادات کی آخری شرح کا آخر ہے، جو نہایت واضح اور مختصر عبارت میں محبوس نے جیل خانہ سے لوگوں کو لکھائی ہے۔

اسی طرح ''کتاب الاقرار'' کی شرح کے آخر میں آپ نے یہ عبارت لکھوائی ہے:

''انتھیٰ شرح الاقرار المشتمل علی المعانی علی ماھو من الاسرار املاء المحبوس فی مجلس الاشرار''۔	''کتاب الاقرار'' کی شرح ختم ہوگئی، مع اپنے رموز واسرار کے شریروں کی مجلس کے قیدی نے لکھوایا ہے۔

اصول فقہ میں بھی ایک کتاب آپ نے جیل خانہ کے کنویں سے لکھوائی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''السیر الکبیر'' کی شرح بھی آپ نے وہیں شروع کی تھی، ''باب الشروط'' تک پہنچے تھے کہ رہائی نصیب ہوئی، رہائی کے بعد زندگی کے بقیہ دن ''فرغانہ'' میں امیر حسن کی

پناہ میں رہ کر گزارے اور کتابوں کا ''املاء'' پورا کرایا۔ (الفوائد البہیہ۔ص ۵۷)

سعید بن فتحون اندلسی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ''حماد سرقسطی'' کے لقب سے مشہور ہیں، علم نحو، ادب اور لغت کے بڑے محقق تھے، علوم فلسفہ میں بھی بڑا دخل تھا، علم موسیقی میں بھی ان کی تصنیفات ہیں، پانچویں صدی کے مشاہیر علماء میں سے ہیں۔

اندلس کے خلیفہ منصور بن محمد بن ابی عامر کے زمانے میں انہیں بڑی سخت آزمائش اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا اور اندلس کی زمین آپ کے لیے اس درجہ تنگ کردی گئی کہ قید خانہ سے نکلنے کے بعد اندلس کو خیر باد کہہ کر آپ کو جزیرہ سیسلی (صقلیہ) میں جا کر پناہ مل سکی۔

(طبقات الامم اندلسی۔ص ۹۲)

مکی بن عبد السلام رمیلی رحمۃ اللہ علیہ

تلاشِ علم میں آپ نے دنیا چھان ماری ہے، مصر، دمشق، طرابلس، بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط، موصل، آمُد اور میافارقین وغیرہ کا سفر کیا، مصر، ساحل اور دمشق تک کے استفتے آپ کے پاس آتے تھے، شوال ۴۹۲ھ میں شہید ہوئے۔

شعبان ۴۹۲ھ میں فرنگی بیت المقدس میں داخل ہوئے اور نہایت بے رحمی سے تمام مسلمانوں کا قتل عام بول دیا، تقریباً ۷۰ رہزار مسلمانوں کو تہ تیغ کیا، اسی کشت وخون میں امام رمیلی کو بھی گرفتار کرلیا، جب فرنگیوں کو معلوم ہوا کہ یہ مسلمانوں کے امام ہیں، تو انہوں نے اعلان کیا کہ اگر ایک ہزار دینار فدیہ میں ادا کیے جائیں تو امام رمیلی کی جان بخشی ہوسکتی ہے۔ یہ نفسی نفسی کا زمانہ تھا، ہر طرف خوف وہراس اور جنگ وجدال کا بازار گرم تھا، کسی نے یہ رقم عیسائیوں کو ادا نہ کی، نتیجہ یہ ہوا کہ انطاکیہ میں لے جا کر آپ کو قتل کردیا، ایک راوی کا بیان ہے کہ آپ کو عیسائیوں نے بیروت کے قریب لے جا کر سنگسار کردیا۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ج ۴۔ص ۲۷)

چھٹی صدی ہجری

فتنے اور تحریکیں

اس صدی میں بھی باطنیوں، ملحدوں اور رافضیوں کی دسیسہ کاری اور خفیہ سازش نے علمائے اسلام کو آرام کا سانس نہ لینے دیا، طوائف الملو کی کے جال میں بھی بہت سے بے گناہ ارباب علم و فضل پھنسائے گئے، بیجا تعصب، غیر یقینی خطرہ اور بدگمانی کی بناء پر بے دریغ تلواریں استعمال کی گئیں۔ باطنی جماعت والے مقام الموت میں برابر شورش کر رہے تھے۔ ۵۲۴ھ میں سلطان محمود نے ان کا استیصال کیا، سلطان محمود کے بعد اس کے دونوں بیٹے داؤد اور مسعود میں جنگ ہوئی، اس میں بھی علماء ہی تہ تیغ ہوئے۔

بدعتیوں کی جماعت اسلامی حکومت میں انتشار کے باعث کبھی بادشاہ کی طرفدار بن کر مخالف کے خلاف بہتان وافتراء باندھتی، کبھی ان کے عقائد وخیالات میں نکتہ نکال کر سلطانِ وقت کے سامنے فریادی بن کر جاتی اور بادشاہ اس بہانے ان مظلوم علماء پر سختی کرتے تھے۔

صلیبی جنگ کے سلسلہ میں اہل یورپ ہمیشہ کوشش کرتے رہے، فرنگیوں نے ۵۴۳ھ میں دمشق کا محاصرہ کیا، مگر سیف الدین اور نورالدین کے مقابلہ میں پسپا ہوئے، یہ مذہبی لڑائی دونوں طرف کے علماء کو دعوت مبازرت دیتی رہی، اس میں عام طور پر علماء مظلوم و مجبور نظر آتے ہیں، علماء پر مشق ستم کرتے کرتے معمولی واقعات کے سلسلے میں بھی علماء کے قتل کی جرأت عام طور پر پیدا ہوگئی، عوام کے دلوں سے علم وفضل کی حرمت کم ہوگئی، اربابِ بدعت و ہوا کی ریشہ دوانیوں نے ہر شخص کو شہ دے دی کہ علماء کے خلاف جو چاہے کرے، ان کا کوئی وارث نہیں، علماء خود اپنے مذہبی اختلافات اور فرقہ بندی کی منافرت کی وجہ سے ٹولیوں میں تقسیم ہونے کے باعث ظلم وستم کے خلاف کوئی منظّم قوت نہ پیدا کر سکے۔

خلافت عباسیہ بے دست و پائی کا شکار ہو رہی تھی، الگ الگ سلطنتیں قائم تھیں، جس میں قوت نہ ہوتی خلافت عباسیہ کے نام کا خطبہ پڑھتی اور ماتحتی کرتی، مگر جس کو قوت میسر ہو جاتی وہ اپنے نام کا خطبہ پڑھتی اور خود مختار بنکر کام کرتی۔ اس لیے خلفائے بنی عباس کی قوت نافذہ

خاتمہ پر تھی، بلکہ خلافت عباسیہ کے خلاف بعض خود مختار سلطنتیں بعض بعض مقامات پر باطل کے مقابلہ میں حق کا علم لے کر دشمنانِ دین واسلام سے نبرد آزما نظر آتی ہیں۔ البتہ خلیفہ مستنجد ۵٦٦ھ میں کسی قدر مائل باصلاح نظر آتا ہے۔ یہ مفسدوں، فتنہ پردازوں کے لیے سخت تھا۔

محمد بن صاعد اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ

''ابن راسمندی'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ علم وفضل اور دیانت میں اپنے معاصرین پر فوقیت رکھتے تھے، علی بن عبداللہ خطیبی، ابومحمد عبداللہ ناصحی اور قاضی ابوحازم عبدالحمید وغیرہ ائمۂ وقت سے علوم حاصل کیے، عید کے دن ۵۰۲ھ میں شہید کر دیئے گئے۔

ایک آپ کے استاذ خطیبی، ان کا لڑکا اور عورت سب لوگ حج کے ارادے سے نکلے، ابن راسمندی بھی ہمراہ کاروان تھے، خطیبی کی عورت کا بصرہ میں پہنچ کر انتقال ہوگیا اور عرب کے بدوی ڈاکوؤں نے صحرا میں اس کاروان کو گرفتار کرلیا، تمام لوگ ان بدوؤں کی قید میں سات مہینے تک رہے۔ جب نظام الملک اور شرف الملک کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو دونوں نے مل کر خلیفہ قائم بامراللہ کے پاس سات سو دینار بھیجے کہ یہ رقم ان بدوؤں کو دے دی جائے تاکہ وہ ان دونوں عالموں کو قید سے رہا کر دیں، چناں چہ ان بدوی ڈاکوؤں نے یہ رقم پا کر ان کو رہا کر دیا، پھر مقام ''حجفہ'' میں پہنچ کر خطیبی کا وصال ہوگیا اور ان کے صاحبزادے اور ابن راسمندی نے جا کر حج ادا کیا۔

۵۰۲ھ میں جب آپ نیساپور کے قاضی تھے، فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ کے کسی کارکن نے عین عید کے دن موقع پا کر قتل کر دیا۔ (الفوائد البہیہ)

عبیداللہ بن علی خطیبی

آپ ہمدان کے قاضی تھے، بقول علا ابن اثیرؒ موصوف صفر ۵۰۲ھ میں ہمدان ہی میں قتل کر دیئے گئے۔

معمر بن علی بن بقال بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوسعد معمر بن علی بن بقال حنبلی بغدادی بڑے حاضر جواب تھے، آپ کا وعظ عوام کے لیے بہت مفید تھا، مجلس وعظ میں صالحین امت کا ذکر ہوتا تھا۔ شیخ المعتزلہ ابوعلی بن ولید کی مجلس میں معتزلہ پر لعنت بھیجتے، مگر اس کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کو حق گوئی سے باز رکھ سکے، نظام الملک وزیر کے سامنے بلاخوف ارشاد و وعظ فرماتے تھے، دوشنبہ ۱۸/ربیع الاول ۵۰۶ھ میں وصال ہوا۔

ایک مرتبہ گھر سے نکلے تو راستہ میں ایک ترکی مغنیہ کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں آلات مزامیر ہیں، آپ نے دیکھتے ہی اس سے چھین کر اس کے تار توڑ دیئے، وہ مغنیہ لونڈی اپنے ترکی آقا کے پاس آئی اور واقعہ کی خبر کی، ترکی افسر نے یہ سن کر آدمیوں کو بھیجا کہ امام ابوسعد معمر کا مکان ویران کر دیں، چناں چہ ان لوگوں نے آکر آپ کے کاشانے کو برباد کر دیا، اس واقعہ سے شہر کے دیگر حنابلہ بہت متاثر ہوئے اور خلیفہ کے پاس جا کر اس کی شکایت کی اور ازالۂ منکرات پر مُصّر ہوئے، چناں چہ خلیفہ کو ان کی بات ماننا پڑی۔ (ذیل طبقات الحنابلہ۔ ص ۸۸-۸۹)

عبدالواحد بن اسماعیل ردیانی رحمۃ اللہ علیہ

شافعی مذہب کے زبردست عالم اور اپنے زمانہ کے فضلاء میں اگر چہ دولت و حشمت کے مالک تھے مگر طلب علم میں بخارا، غزنہ، نیساپور اور اصفہان وغیرہ کا سفر کیا، فرماتے تھے کہ اگر امام شافعی کی ساری کتابیں جلا دی جائیں تو میں اپنے حافظہ سے سب کی سب لکھ سکتا ہوں۔ محرم ۵۰۲ھ میں وصال ہوا۔

امام ردیانی نے مقام ''آمُل'' میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا، وہیں درس دیا کرتے تھے، مذہبی تعصب کی بنا پر ملحدین جماعت نے آمل کی جامع مسجد میں آپ کو قتل کر ڈالا، یہ واقعہ ۱۳/محرم ۵۰۲ھ کا ہے۔ (کشف الظنون۔ ج ۲۔ ص ۲۴۸)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن محمد بن احمد نام ہے، حجۃ الاسلام لقب ہے، آپ ۴۵۰ھ میں خراسان کے ایک ضلع طوس کے گاؤں طاہران میں پیدا ہوئے، امام صاحب نے دین اسلام کی اہم خدمات انجام دی ہیں، آج بھی ایشیاء اور یورپ میں آپ کی تصنیفات مرجع نظر ہیں۔ ''احیاء العلوم'' اسلامیات کی انسائیکلوپیڈیا کا حکم رکھتی ہے۔ آپ نے ۱۴ر جمادی الثانیہ ۵۰۵ھ میں بمقام طاہران انتقال فرمایا، پیر کے دن صبح کو بستر خواب سے اٹھے، وضو کر کے نماز پڑھی، پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا ''آقا کا حکم سر آنکھوں پر'' یہ کہہ کر پاؤں پھلا کر سو گئے، لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا۔

امام صاحب نے تحصیل علم کے ارادے سے جرجان کا قصد کیا اور امام ابونصر اسماعیلی کی خدمت میں تحصیل شروع کی اور اپنے استاذ سے سن کر ''تعلیقات'' کا مجموعہ تیار کرلیا، کچھ دنوں کے بعد وطن لوٹے، اتفاق سے راستہ میں ڈاکہ پڑا اور امام صاحب کے پاس جو کچھ سامان تھا، سب لٹ گیا، ان میں وہ ''تعلیقات'' بھی تھیں، جو امام ابونصر نے لکھوائی تھیں، امام صاحب کو ان کے لٹ جانے کا بہت صدمہ ہوا، چناں چہ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور کہا کہ میں اپنے اسباب اور سامان میں سے صرف اس مجموعہ کو مانگتا ہوں، کیوں کہ اسی کو سننے اور یاد کرنے کے لیے میں نے یہ سفر کیا تھا، یہ سن کر وہ ہنس پڑا اور کہا تم نے خاک سیکھا؟ جب کہ تمہاری حالت یہ ہے کہ ایک کاغذ نہ ہو تو کورے رہ گئے، یہ کہہ کر وہ کاغذات واپس کر دیئے، امام صاحب پر اس کے طعنہ آمیز فقرے نے ہاتف غیبی کی آواز کا اثر کیا، چناں چہ گھر پہنچ کر تمام یادداشتیں زبانی یاد کرنی شروع کیں، یہاں تک کہ پورے تین برس صرف کر دیئے اور تمام رسائل کے حافظ بن گئے۔ (الغزالی۔ ص ۸)

امام صاحب کی مقبولیت جس قدر زور پکڑتی جاتی تھی، ان کے حاسدین کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا، خصوصاً امام صاحب نے اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' میں جس طرح تمام علماء و مشائخ

کی ریاکاریوں کی قلعی کھولی تھی، اس نے ایک زمانہ کو ان کا دشمن بنادیا تھا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک گروہ کثیر نے آپ کی مخالفت پر کمر باندھی اور اعلانیہ آبروریزی کی فکر میں ہوئے، خراسان کے بادشاہ ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں آپ کے خلاف الزامات لکھ کر بھیجے، امام صاحب کی تصانیف کے مطالب الٹ پلٹ کر بیان کیے اور دعویٰ کیا کہ غزالی کے عقائد زندیقانہ اور ملحدانہ ہیں، جس کے نتیجہ میں آپ نے سر دربار مخالفین سے مناظرے کیے اور کامیاب ہوئے، مگر پھر بھی مخالفین اپنی شرارت سے باز نہ آئے اور آپ کی تصنیفات پر اعتراضات لکھ کر بھیجے۔ (الغزالی وغیرہ)

ابوالوفاء علی بن عقیل بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الاسلام ابوالوفاء علی بن عقیل بغدادی حنبلی بہت بڑے عابد و زاہد اور مدرس ومناظر تھے، علوم قرآن وحدیث میں یکتائے روزگار تھے، زندگی بھر علم کے علاوہ کسی چیز کی خواہش نہ کی، فرماتے ہیں کہ زندگی عقلیات کے پھندے میں گزری، مگر آخر میں مکتب کا مذہب ہی وجہِ سکون بنا۔ ۱۸ر جمادی الثانیہ ۵۱۳ھ میں وصال ہوا۔

خود بیان فرماتے ہیں کہ دوستوں نے مجھے بڑی اذیت پہنچائی ہے، حتیٰ کہ اس سلسلے میں میرے قتل کا بھی سامان ہوا، نظام الملک کے دورِ حکومت میں حاسدوں اور افترا پردازوں کی وجہ سے بارہا سرِ دربار پکڑ کر حاضر کیا گیا اور قید و بند کے مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔

(ذیل طبقات الحنابلہ۔ ص ۱۱۸)

استاذ طغرائی رحمۃ اللہ علیہ

ابواسماعیل حسین بن علی اصفہانی نام ہے، طغرائی کے لقب سے مشہور ہیں، بہترین طغرا بناتے تھے، فن انشاء پردازی میں اپنے وقت کے یکتا تھے، نظم و نثر دونوں پر قادر تھے، طبیعت میں نیکی اور سلامت روی تھی۔ ۵۱۳ھ میں قتل کر دیئے گئے۔

استاذ طغرائی سلطان مسعود سلجوقی کے وزیر تھے، ایک مرتبہ سلطان مسعود اور اس کے بھائی سلطان محمود میں جنگ ہوئی، فتح کا سہرا محمود کے سر رہا، مسعود کی شکست کے بعد استاذ طغرائی گرفتار کر لیے گئے اور ان کی گرفتاری کی خبر سلطان کے وزیر کمال سُمیری کو دی گئی، کمال سمیری کے سامنے شہاب اسعد نامی ایک شخص نے شہادت دی کہ یہ آدمی (طغرائی) مُلحد ہے۔ جب وزیر کمال نے یہ سنا تو کہا کہ ملحد کی سزا قتل ہے۔ چناں چہ اس حیلے بہانے سے استاذ طغرائی کو کمال سمیری نے قتل کر دیا۔

اس سازش کی اصل وجہ یہ تھی کہ استاذ طغرائی کو سلطان محمود کی نگاہ جوہر شناس پہچان گئی تھی اور وہ استاد کی قابلیت کا قائل ہو چکا تھا، درباریوں نے اس کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھا اور ایک بہانہ ڈھونڈ کر الحاد و بے دینی کی فردِ جرم عائد کر کے قتل کرا دیا، مگر کمال سمیری بھی بے گناہ کے قتل کی پاداش سے نہ بچ سکا، بغداد میں سرِ بازار صفر ۵۱۶ھ میں استاذ طغرائی کے ایک سیاہ فام غلام نے اپنے آقا کے بدلے میں اس کو قتل کر دیا۔ (ابن خلکان۔ ج ۱۔ ص ۱۷۷-۱۷۸)

ابن سکرہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ

امام بوعلی حسین بن محمد سرقسطی، ابن سکرہ کے لقب سے مشہور ہیں، بلنسیہ، مریہ وغیرہ میں علم حاصل کر کے مغرب سے مشرق کا رخ کیا، ۴۸۱ھ میں حج سے فارغ ہو کر مصر، بصرہ، بغداد، واسط، انبار اور دمشق وغیرہ سے علوم کا ذخیرہ لے کر اندلس لوٹے اور جامعہ مرسیّہ میں درس و تدریس کی مسند پر بیٹھ کر مرجع خلق اللہ بنے۔ ۵۱۴ھ میں شہید ہوئے۔

بقول قاضی عیاضؒ صاحب ''شفاء'' ابوعلی نے امام ابن سکرہ کو قضا کے لیے مجبور کیا، جب کوئی چھٹکارے کی صورت نہ نظر آئی تو بادلِ ناخواستہ یہ عہدہ قبول کر لیا، مگر کچھ دنوں کے بعد روپوش ہو گئے، روپوشی کے بعد ابوعلی نے معافی دے دی۔

واقعہ فتیدہ میں اندلس کی سرحد پر ۶۰ رسال کی عمر میں ربیع الاول ۵۱۴ھ میں آپ شہید کر دیئے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۴۔ ص ۴۹)

حسن بن ابی مظفر سمعانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ زاہد، پارسا، کثیر العبادت اور تہجد گزار عالم تھے، فقہ اور حدیث اپنے والد سے حاصل کی، نیسا پور جا کر بہت سے علوم حاصل کیے، ۵۳۱ھ میں وصال ہوا۔

دوشنبہ کی رات میں آپ کے گھر پر چور گئے اور آپ کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، نہیں کہا جاسکتا کہ یہ لوگ چور تھے یا آپ کے دشمن تھے۔ یہ واقعہ ۵۳۱ھ کا ہے۔ (الفوائد البہیہ)

فتح بن عیسیٰ بن قیسی

ابوالنضر فتح بن عیسیٰ بن خاقان قیسی ۵۳۵ھ میں قتل ہوئے۔

(کشف الظنون۔ ج۲۔ ص۲۳۹)

عمر بن عبدالعزیز صدر شہید رحمۃ اللہ علیہ

امام اجل حسام الدین عمر بن عبدالعزیز بن مازہ صدر شہید معقول و منقول اور اصول و فروع کے امامِ زمانہ تھے، فقہ میں خصوصی شان کے مالک تھے، باپ کی زندگی ہی میں خراسان کے سب سے بڑے عالم ہو گئے تھے، مخالف و موافق سب ہی آپ کے معترف و مداح تھے، سلاطین تک آپ کی تعظیم کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے، ۵۳۶ھ میں شہید ہوئے۔

''واقعہ قطوان'' کے بعد سمرقند میں حضرت عمر بن عبدالعزیز ماہ صفر ۵۳۶ھ میں قتل کر دیئے گئے، آپ کی نعش مبارک سمرقند سے بخارا لائی گئی اور وہیں تجہیز و تکفین ہوئی۔ (الفوائد البہیہ)

محمد بن مسعود غافقی

فقیہ امام ''ذوالوزارتین'' ابوعبداللہ محمد بن مسعود بن ابی الخصال غافقی ۵۴۰ھ میں قتل کیے گئے۔ (کشف الظنون۔ ج۱۔ ص۴۷۰)

احمد بن ابی حفص نسفی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے بیشتر علم اپنے والد نجم الدین نسفی سے حاصل کیا، حدیث سے زیادہ فقہ میں دخل تھا، بہت بڑے فقیہ اور واعظ تھے، ۵۵۲ھ میں شہید ہوئے۔

امام ابن ابی حفص ۵۵۱ھ میں حج کی نیت سے نکلے اور بخارا تک آئے، بغداد آکر دو ماہ قیام کیا، پھر وہاں سے چل کر مقام ''قوص'' میں پہنچے تو وہاں کے قلعہ کے کچھ ڈاکوؤں نے کھل کر آپ کے کاروان کو لوٹ لیا اور مسافروں کو قتل کر دیا، اسی واقعہ میں آپ بھی ''بسطام'' کے قریب مقام ''کوف'' میں ۱۷ ؍جمادی الاولیٰ دوشنبہ ۵۵۲ھ کو قتل کر دیئے گئے۔ (الفوائد البہیہ)

محمد بن یوسف سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ

ابوالقاسم شہید حسینی زبردست عالم اور جلیل القدر امام تھے، علم ادب میں فاضل روزگار تھے، علم تفسیر، حدیث، فقہ اور وعظ میں آپکو مہارت تامہ حاصل تھی۔ ۵۵۶ھ میں شہید ہوئے۔

امام موصوف اپنے شہر سمرقند ہی میں بڑی بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔ آپ کی شہادت ۵۵۶ھ میں ہوئی۔

رشید بن زہیر اسوانی رحمۃ اللہ علیہ

ابوالحسن، احمد بن حسن، بڑے علم و فضل کے مالک تھے، منطق اور ہندسہ میں مشہور تھے، تاریخی علوم سے خوب واقف تھے، شعر و شاعری بھی کرتے تھے۔ مقام اسکندریہ کے نگراں مقرر کیے گئے تھے۔ اسی سلسلہ میں کسی وجہ سے ۵۶۳ھ میں قتل کر دیئے گئے۔

(حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرہ۔ ج ۱۔ ص ۲۳۲)

قاضی رشید غسّانی رحمۃ اللہ علیہ

بڑے صاحب فضل وکمال اور ثروت وریاست کے مالک تھے، علوم ہندسہ، ریاضی اور شرعیات میں یکتائے وقت کے علاوہ شہر اور معاصرین کے سردار تھے۔ آپ کے اشعار کا دیوان بھی ہے۔ ۵۶۳ھ میں شہید ہوئے۔

۵۵۹ھ میں قاضی رشید کی رضامندی کے بغیر ان کو اسکندریہ کی سرحد کا نگراں بنا دیا گیا، ایک مرتبہ آپ قاصد کی حیثیت سے یمن گئے، اور وہاں اپنے چند اشعار میں کچھ لوگوں کی مدح کی، ان اشعار کو سن کر عدن کا داعی آپ کا حاسد بن گیا، اور ان اشعار کو لکھ کر حاکم مصر کے پاس بھیج دیا، حاکم مصر ان کو دیکھ کر سخت برہم ہوا، کہ غیروں کی کیوں مدح کرتے ہو اور اس سزا میں قاضی رشید کو گرفتار کر کے، برہنہ کیا اور بیڑیاں پہنا کر ممدوحین کے پاس بھیج دیا اور سارا مال واسباب ضبط کر لیا، ایسی بے سروسامانی کی حالت میں ایک مدت تک آپ یمن میں سکونت پزیر رہے، پھر مصر لوٹے۔

یمن سے مصر کی طرف واپسی کے بعد بھی آپ کو چین نصیب نہ ہوا، شادر نامی نے آپ کو یہاں یہ الزام لگایا کہ یہ شخص شیرکوہ اسدالدین کی طرف مائل ہے اور اسی الزام کے بہانے سے بڑی بے دردی اور مظلومی کے ساتھ آپ کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ محرم ۵۶۳ھ کا ہے۔ (ابن خلکان۔ ج ا۔ ص ۵۴)

ابوعمر واندلسی رحمۃ اللہ علیہ

اندلس کے امام الحدیث ہیں، نہایت نیک، متواضع اور منکسر المزاج تھے، ہر چھوٹے بڑے عالم سے علم حاصل کیا، بڑے بڑے علماء وقت سے ملاقات کی اور ان سے استفادہ کیا۔ ۵۷۵ھ میں شہید ہوئے۔

امام ابوعمرو اندلسیؒ عین عیدالفطر کے دن ۵۷۵ھ میں عدولیہ گرجا کے سامنے شہید کر دیئے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۴۔ ص ۱۵۵)

احمد بن العریف اندلسی رحمۃ اللہ علیہ

احمد بن محمد اندلسیؒ اولیائے کاملین اور صلحائے متورعین میں سے تھے، اطراف و جوانب کے عُبّا دزہاد آپ کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے اور آپ کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے، آپ کے بڑے فضائل ومناقب ہیں۔ ۵۸۱ھ میں مراکش میں آپ کا وصال ہوا۔

امیر مراکش علی بن یوسف بن تاشفین سے آپ کے خلاف آپ کی شکایت کی گئی اور آپ پر بے جا اور جھوٹے الزامات تراشے گئے، چناں چہ ان پروپیگنڈوں سے متاثر ہوکر بادشاہ نے آپ کو مراکش میں طلب کیا اور گرفتار کرلیا، اپنی ایامِ اسیری میں ۲۳/صفر جمعرات ۵۸۱ھ کو آپ کا وصال ہوگیا۔ انتقال کے بعد آپ کی کرامتوں کا ظہور ہوا، بے شمار مخلوق آپ کے جنازے میں شریک ہوئی۔ حاکم مراکش اپنی حرکت پر سخت نادم ہوا۔ (ابن خلکان۔ ج ا۔ ص ۵۶)

شیخ الاشراق سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

یحییٰ بن حبش بن امیرک نام ہے اور شہاب الدین اور شیخ الاشراق لقب ہے۔ تقریباً ۵۵۰ھ میں پیدا ہوئے، حکمت اور اصول فقہ میں اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء میں سے تھے، امام فخر الدین رازیؒ کے استاد شیخ مجد الدین جبلی سے اصول فقہ پڑھی، آپ کے متعلق مشہور ہے کہ ان کا علم ان کی عقل سے زیادہ تھا۔ ۵۸۷ھ میں قتل کیے گئے۔

آپ کے متعلق بدعقیدہ ہونے کی خبر مشہور کردی گئی، جب آپ حلب پہنچے تو وہاں کے علماء نے ان کے بداعتقاد اور فاسد المذہب ہونے کی شہرت کی بناء پر ان کے خون کے مباح ہونے کا فتویٰ دے دیا، جس وقت آپ کو اپنے قتل ہونے کی خبر متحقق طور پر معلوم ہوگئی تو یہ شعر آپ پڑھنے لگے:

اریٰ قدمی اراق ، دمی وھان دمی فھا ، ندمی

میرے قدم نے (کہ اس سے چل کر حلب میں آیا) میرا خون گرایا۔ اور میرا خون کتنا بے وقعت ہوگیا، ہائے ندامت! حلب آنے پر۔

علماء کے فتویٰ کے بموجب سلطان حلب ملک ظاہر بن سلطان صلاح الدین نے ان کو قید کر دیا، پھر ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، یہ واقعہ حلب کے قلعہ میں ۵؍رجب ۵۸۷ھ کا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۸؍سال کی تھی۔ایک روایت کے مطابق قلعہ میں قتل کر دیئے گئے اور قتل کے بعد کئی دن تک لاش سولی پر لٹکتی رہی۔ (ابن خلکان۔ج ۲۔ص ۴۱۲)

رکن بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

عبدالسلام بن عبدالقادر بن ابی صالح، بہت بڑے صوفی و عابد ہیں، گزشتہ زمانہ کے علوم کی خوب تحصیل کی، اس سلسلہ کی بہت سی کتابیں بھی جمع کی تھیں اور کافی شہرت رکھتے تھے، یہی علمی شہرت آپ کی موت کا ذریعہ بنی۔

آپ کے حاسدین سے آپ کی علمی شہرت وعزت دیکھی نہ جاسکی اور ان کے خلاف طرح طرح کے الزام تراشنے شروع کیے، ایک نے یہ الزام لگایا کہ یہ شخص اللہ کو بے کار ثابت کرتا ہے اور اس کے تعطّل کا قائل ہے، اس بارے میں فلاسفہ کے اقوال کا اتباع کرتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ پر اور آپ کی ساری کتابوں پر نگراں مقرر کر دیئے گئے اور دولت ناصریہ کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ ان کا کتب خانہ بغداد کے مقام ''رحبہ'' میں نکال کر لے جایا جائے اور جم غفیر کے سامنے سارا کتب خانہ جلا دیا جائے، چناں چہ اس کام کے لیے عبیداللہ تیمی مکبری جو کہ ابن مارستانیہ کے لقب سے مشہور تھا، بلایا گیا، اس کے لیے ایک منبر تیار کیا گیا، جس پر چڑھ کر رحبہ میں ایک تقریر کی جس میں فلاسفہ کی برائیاں بیان کرتے ہوئے عبدالسلام رکن کا ذکر برائی کے ساتھ کیا، منبر پر کھڑا ہو کر رکن کے کتب خانہ کی ایک کتاب ہاتھ میں لیتا اور مجمع کے سامنے اس کتاب کی اور اس کے مصنف کی برائی کر کے اس آدمی کے حوالہ کر دیتا جو اس کو آگ میں ڈالے۔

حکیم یوسف سبستی اسرائیلی کا بیان ہے کہ میں اس مجمع میں موجود تھا، ابن مارستانیہ نے ابن الہیثم کی ''کتاب الہیئۃ'' ہاتھ میں لیا اور اس کے فلکی دائروں کو لوگوں کو دکھا کر کہا کہ یہ خطرناک بلائیں ہیں، جو کہ بڑی سخت اندھی مصیبتوں کی شکل میں نازل ہوئی ہیں، ان میں سراسر

ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ یہ کہہ کر کتاب کے پرزے پرزے کردیئے اور پھر آگ میں ڈال دیا، اس کے بعد رکن عبدالسلام کو سزا کے طور پر جیل خانہ میں بند کردیا گیا، پھر سنیچر کے دن ۱۴/ربیع الاول ۵۸۹ھ کو نکال کران کوان کے مقام پر پہنچادیا گیا۔ (اخبار العلماء باخبار الحکماء قفطیؒ۔ص ۱۵۴)

امام ابن جوزی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن بن علی ہے۔ حنبلی مذہب کے بہت بڑے محدث، مفسر اور واعظ تھے، آپ جیسے واعظ امت میں کم پیدا ہوئے ہیں، آپ کی مجلس وعظ میں سلاطین، وزراء، علماء، فقہاء، فقراء غرض کہ ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے تھے، ایک ایک وعظ میں لاکھ لاکھ انسانوں کا مجمع ہوتا تھا، مذہبی مناظرے اور ہنگامے کی وجہ سے بارہا مصائب میں مبتلا ہوئے، جمعہ کے دن ۱۳/رمضان ۵۹۷ھ کو انتقال فرمایا، عمر ۹۰/سال سے زائد ہوچکی تھی، بیشمار خلقت نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔

امام ابن جوزی کے زمانے میں شیعیت کا بڑا زور تھا اور حکومت کی باگ ڈور بھی رافضیوں ہی کے ہاتھوں میں تھی، سلاطین روافض علمائے اہل سنت کے ساتھ نہایت بدسلوکی سے پیش آتے اور ہر وقت ان کے درپئے آزار رہتے، امام ابن جوزی کے خون میں صدیقی حرارت تھی، جس کے باعث اعلانِ حق کے جرم میں بارہا مبتلائے محن ہوئے، حالات کی نامساعدت کے باوجود کبھی حق بات کہنے سے نہ رکے، جس طرح بھی موقع ملتا رہا اظہار حق فرماتے رہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ دونوں میں کون افضل ہے'' آپ نے فرمایا ''ان دونوں میں افضل وہ ہے کہ ''اس کی'' لڑکی ''اس کے'' نکاح میں ہے''۔

زندگی بھر مبتلائے محن رہے، بڑھاپے میں بھی نجات نہ ملی، بادشاہ وقت نے آپ سے کوئی سوال کیا تھا، سوال مُبہم تھا، اس کے مفہوم میں اختلاف ہوا، آپ نے جیسا کچھ مطلب سمجھا

اس کے مطابق جواب دے دیا، جس کی وجہ سے حکومت کی طرف سے آپ پر سختی کی گئی، ایک شخص نے آکر آپ کو گالی دی، توہین و بے عزتی کی، گھر پر قفل چڑھا دیا اور بال بچوں کو اِدھر اُدھر تتر بتر کر دیا اور ایک کشتی میں آپ کو قید کر کے واسط بھیج دیا، اسی کشتی کی ایک کوٹھری میں آپ کو بند کر دیا گیا، اس کوٹھری میں آپ پانچ سال قید رہے، اس ذلت وخواری اور رنج ومصیبت میں بڑھاپے کے ایام کاٹنے پڑے، کپڑے دھوتے اور کھانا پکاتے رہے۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۴۔ ص ۱۳۵)

عبدالغنی بن عبدالواحد دمشقی رحمۃ اللہ علیہ

حنبلی مذہب کے امام ہیں، کثرت کتابت اور گریہ وزاری کے باعث آخری عمر میں بینائی جاتی رہی، بڑے رعب وجلال کے عالم تھے، ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ جب باہر نکلتے تو زائرین کے ازدہام کی وجہ سے راستہ چلنا دشوار ہو جاتا تھا، جو کچھ روپیہ پیسہ آتا فوراً ضرورت مندوں کو تقسیم فرما دیتے اور حق گوئی کے جرم میں بارہا مصائب کا شکار ہوئے۔ دوشنبہ ۱۲/ربیع الاول ۶۰۰ھ کو انتقال فرمایا۔

شیخ موفق کا قول ہے کہ امام عبدالغنی کے فضائل میں جو کچھ کمی تھی اس کو ان کی آزمائشوں اور بدعتیوں کی سازشوں اور بکواس نے پورا کر دیا، اہل بدعت نے ’’صدر عادل‘‘ کے پاس امام موصوف کی شکایت کر کر کے اس کو آپ کے خلاف خوب ورغلایا، وہ کہا کرتے تھے کہ اگر حافظ عبدالغنی صدر عادل کے پاس آگئے تو ہم ان کو زندہ نہیں چھوڑ سکتے۔ بعضوں نے آپ کے قتل کے لیے پانچ ہزار دینار تک خرچ کیے، ایک مرتبہ دمشق میں بادشاہ کے دربار میں مخالفین نے آپ کے حق پر اصرار کے جرم میں قتل کر دینے کی ٹھان لی، وہاں پر دربارِ کُرد کے کچھ امراء بھی موجود تھے، ان لوگوں نے حافظ موصوف کے متعلق سفارش کی کہ ان کو چھوڑ دیا جائے، وہ دمشق کو خیر باد کہہ کر اور کہیں چلے جائیں گے، ان کو قتل نہ کیا جائے، ہجرت کی شرط پر ان کی سفارش منظور ہوئی۔ آپ اپنے وطن دمشق کو چھوڑ کر مصر چلے گئے، جہاں زندگی کے بقیہ دن روپوشی کے عالم میں پورے کیے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص کے پاس شراب رکھی تھی، آپ نے دیکھتے ہی ساری کی ساری گرادی، یہ دیکھ کر وہ شرابی آپ کے قتل کرنے کے لیے ننگی تلوار لے کر سامنے آ گیا، آپ بھی قوت اور چستی بدن میں کم نہ تھے، فوراً اس آدمی کے ہاتھ سے بڑھ کر تلوار چھین لی۔

حافظ عبدالغنی نے ابونعیم کی ۲۹۰ مقامات پر گرفت کی، جب صدر ابن فجندی کو معلوم ہوا کہ حافظ عبدالغنی نے ابونعیم کی غلطیاں نکالی ہیں، تو اس نے آپ کو بلوایا اور آپ کے قتل کر دینے کے درپے ہو گیا، مگر آپ نے چھپ کر اپنی جان بچائی۔

آپ کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں موصل میں امام عقیلیؒ کی ''کتاب الضعفاء'' کی سماعت کر رہا تھا، مجھ کو اہل موصل نے بلا وجہ گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا، ان کا پورا ارادہ تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں، انہی دنوں ایک لمبا آدمی تلوار لیے ہوئے میرے پاس آیا اس کو دیکھ کر مجھ کو خیال ہوا کہ یہ شخص مجھے قتل کرنے کے لیے آیا ہے، مگر وہ آ کر میرے پاس سے ''کتاب الضعفاء'' اٹھا لے گیا، لوگوں نے اس کو الٹ پلٹ کر اِدھر اُدھر سے دیکھا، ان کا خیال تھا کہ ان کے کسی بزرگ کے متعلق اس میں کچھ لکھ دیا گیا ہے، مگر جب کوئی بات قابل اعتراض نہ ملی تو مجھ کو چھوڑ دیا۔

امام عبدالغنی کو حاسدوں اور دشمنوں نے ان کے وطن دمشق میں اس قدر پریشان کیا کہ آپ کو دمشق چھوڑنا پڑا۔ ایک مدت تک یمن کے شہر بعلبک میں رہے، پھر وہاں سے بھی چل دیئے اور مصر پہنچے، مگر یہاں بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا، اہل اہواء ہمیشہ بادشاہ کے یہاں آپ کے خلاف شکایتیں پہنچایا کرتے، آپ کے خلاف رات دن سازشوں کا جال بچھا دیا جاتا، نتیجہ یہ ہوا کہ ''صدر عادل'' نے انہی فتنہ پروروں سے متاثر ہو کر آپ کو طلب کیا اور ایک ملزم جیسا سلوک روا رکھا۔

کامل نے آپ کو شہر بدر کر دینے کی ٹھان لی تھی، مگر کچھ سوچ کر اپنے گھر میں سات دن تک بند رکھا اور آپ کے اعتقاد کے سوالات لکھ کر جواب کے لیے آپ کے پاس بھیجے، آپ نے اُسی حوالات سے سوالات کے جوابات لکھ کر کامل کے پاس بھیج دیئے، جب اس نے پڑھا تو یہ

کہہ کر چھوڑ دیا کہ ''میں کیا کرسکتا ہوں یہ شخص تمام باتیں اللہ اور اس کے رسول کے مطابق لکھتا ہے''۔(تذکرۃ الحفاظ۔ج۴۔ص۱۶۱-۱۶۷)

قاضی کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ
اور
قاضی تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ

کمال الدین کے لقب سے مشہور ہیں محمد ابن عبداللہ نام ہے،موصل کے قاضی تھے، شافعی مذہب کے فقیہ ہیں،موصل میں شوافع کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا اور مدینہ منورہ میں ایک سرائے بنوائی۔قاضی تاج الدین کمال الدین کے بھائی ہیں، ان کا نام ابوطاہر یحییٰ ہے، زبردست عالم تھے۔

جب عمادالدین کے بیٹے سیف الدین غازی کا دورِ حکومت آیا تو اس نے قاضی کمال الدین اور ان کے بھائی تاج الدین کو موصل اور تمام سلطنت کے قضا کا مالک بنا دیا، پھر کسی وجہ سے دونوں حضرات کو گرفتار کر کے موصل کے قلعہ میں قید کر دیا اور قاضی کمال الدین کے چچازاد بھائی ابوعلی نجم الدین حسن کو بلا کر موصل اور دیارِ ربیعہ کا قاضی بنا دیا، جب خلیفہ مقتضی کو ان دونوں حضرات کی گرفتاری کی خبر ہوئی تو آدمی بھیج کر سیف الدین غازی سے ان کی رہائی کے لیے سفارش کی، چناں چہ ان دونوں کو تو اس قید خانہ سے رہائی دے دی،مگر قاضی کمال الدین کے بیٹے جلال الدین اور قاضی تاج الدین کے بیٹے ضیاء الدین کو قید کر کے موصل کے جیل خانہ میں بند کر دیا، دونوں قاضی رہائی کے بعد اپنے گھر میں نظر بند رہے اور ان پر پابندی رہی،سیف الدین غازی کے انتقال کے بعد جب قطب الدین مودود بن زنگی حکومت کا وارث ہوا تو ان کو پوری آزادی نصیب ہوئی۔(ابن خلکان۔ج۲۔ص)

ساتویں صدی ہجری

فتنے اور تحریکیں

اسلامی تاریخ میں سب سے جانکاہ واقعہ تاتاریوں کا حملہ ہے، یہ جماعت ایک طوفان کی طرح مشرق سے نکل کر تمام ایشیائے اسلامی پر مشرقی یورپ تک چھا گئی اور قتل وغارت سے عالم کو تباہ و برباد کرڈالا، اس یورش کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ خلافت عباسیہ کی کمزوری اور طوائف الملوکی کی تازہ طاقت یہ رنگ لائی، چنگیز خاں مغولی کے ہاتھوں یہ فتنہ اٹھا، ۶۱۶ھ میں چنگیز خاں بخارا میں داخل ہوا، لوگ قتل کیے گئے، مال لوٹا گیا، جامع مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں جلادی گئیں، بندگانِ دین، علمائے اسلام اور صلحائے امت خانقاہوں، محرابوں اور مدرسوں میں قتل کیے گئے، کتب خانے برباد کیے گئے، ۶۱۷ھ میں چنگیز خاں سمرقند کی طرف بڑھا، کئی شہروں پر حملہ کیا، باشندوں کو قتل کیا، لوٹا اور تین دن کے اندر تمام لوگوں کے نکل جانے کا حکم دیا اور سمرقند جو اربابِ علم وفن کا مخزن اور اہل دولت وثروت کا مرکز تھا، بالکل اجڑ کر تباہ ہوگیا، خوارزم شاہ کے تعاقب میں شہر شہر فوج دوڑائی، راستے میں ہر بستی اور شہر کو لوٹا، قتل وغارت کیا، قزوین فتح کرکے چالیس ہزار باشندوں کو تہِ تیغ کیا، اسی طرح قتل وغارت کرتا ہوا چنگیز خاں نے اقصائے چین سے عراق، بحر خزر اور حدود روس تک اور بحر شمال سے سرحد ہندوستان تک قبضہ میں کرلیا۔

عالم اسلام میں تباہی مچی ہے، خون کا سیلاب مسلمانوں کے سروں سے گزر رہا ہے، علوم دینیہ کے آثار مٹ رہے ہیں، مدرسے، خانقاہیں، مساجد برباد کی جارہی ہیں، ہر طرف چیخ پکار اور نالۂ وبکا کی گرم بازاری ہے، مگر خلیفہ عباسی ''ناصرلدین اللہ'' اپنی امامیت نوازی اور رفض پسندی میں مصروف ہے، اہل دربار اپنے اپنے مشاغل میں چست ہیں، کیوں کہ اب بنوعباس کی شان وشوکت چراغ سحری بن رہی ہے، پانچ سو سالوں کی بندھی ہوئی ساکھ بگڑنے والی ہے، جب قوموں اور حکومتوں کے برے دن آتے ہیں تو ان کے اعمال وخیال ایسے ہی ہوجاتے ہیں۔

اسی صدی کا دوسرا اسلامی تاریخ کا اہم واقعہ ہلاکو خاں کے ہاتھوں بنوعباسیہ کی سلطنت کا سقوط ہے، عبداللہ بن سبا نے جو بیج اسلام کی بیخ کنی کے لیے بویا تھا، وہ پوری طرح برگ وبار لایا، وہی شیعیت اور سنیت کی پرانی کشاکش اپنا رنگ لائی، بغداد کے باشندے اکثر سنی مذہب کے تھے، لیکن شیعوں کی ایک جماعت تھی، جو بنی بویہ کے زمانے سے کافی زور وترقی پر تھی، یہ شیعہ بنوعباس کی خلافت کے ازلی دشمن تھے، آخری خلیفہ عباسی مستعصم ۶۴۰ھ کا وزیر ابن علقمی نہایت غالی شیعہ تھا، مستعصم کے زمانے میں بغداد کے اندر شیعہ سنی نزاع ہوئی، بدبخت ابن علقمی نے موقعہ پاکر چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کو بغداد پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی، ادھر ہلاکو خاں کا وزیر نصیر الدین طوسی بھی بڑا غالی شیعہ تھا، ان دونوں شیعہ وزیروں نے مل کر خلافت عباسیہ کا تختہ الٹ دیا، ۱۵؍محرم ۶۵۶ھ کو ہلاکو خاں لشکر جرار لے کر بغداد آیا اور محاصرہ کیا، خلیفہ کے پاس مدافعت کی قوت کہاں تھی؟ اس کی فوج نے قتل و غارت شروع کی، بغداد لوٹا گیا، باشندے مارے گئے، کتب خانے، مدرسے، مساجد تباہ و برباد کی گئیں، بے شمار علماء اس فتنہ میں موت کا شکار ہوئے، بغداد میں کچھ نصاریٰ رہ گئے اور کچھ شیعہ، باقی کچھ بھاگ نکلے، کچھ لقمۂ اجل ہوگئے، بغداد جو اسلامی عظمت وشوکت اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھا، دیکھتے دیکھتے سنسان ہوگیا، بھری مسجد، مدرسے ویران اور کتب خانے خاکستر کر دیئے گئے۔ یہ سب کچھ کیا ہلاکو خاں کی فوج نے جس کا کوئی مذہب نہ تھا۔ خلافت عباسیہ کا آفتاب جو ۵۲۴؍سال سے تاباں ودرخشاں تھا، ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا، انا للّٰہ۔

۲۴؍ہزار عراقی علماء

ابن جزی رحمۃ اللہ مرتب سفرنامہ ابن بطوطہؒ کا بیان ہے کہ میرے استاذ الاستاذ خطیب ابوعبداللہ بن رشید بیان فرماتے ہیں کہ مکہ معظّمہ میں میں نے عالم عراق نورالدین بن زجّاج اور ان کے بھتیجے سے ملاقات کی اور ان سے احادیث سنیں، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ فتنۂ تاتار میں صرف عراق کے چوبیس ہزار علماء شہید ہوئے اور میں اور میرے اس بھتیجے کے سوا

علماء عراق میں سے ایک متنفس بھی اس فتنہ میں نہ بچ سکا۔ (ابن بطوطہ۔ ج ۱۔ ص ۲۳۸)

محمد بن خطیب رازی رحمۃ اللہ علیہ

آپ فخر الدین کے لقب سے مشہور تھے، شافعی مذہب کے فقیہ تھے، ہرات کے شیخ الاسلام تھے، علم کلام اور معقولات میں اپنے تمام معاصرین سے آگے تھے، پرانی تاریخوں سے آگاہی کے علاوہ عربی اور عجمی زبان میں وعظ کہنے پر پوری قدرت رکھتے تھے، آپ کے وعظ میں سامعین پر وجد ہو جاتا تھا اور مجمع سے رونے کی آواز بلند ہونے لگتی تھی، ۶۰۶ھ میں عید کے دن وصال ہوا۔

علوم فنون میں قابلیت پیدا کر کے فخر رازی نے خوارزم کا قصد کیا، وہاں کے لوگوں میں اور آپ میں مذہبی اور اعتقادی گفتگو ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے لوگوں نے آپ کو نکال دیا، آپ نے وہاں سے نکل کر ماوراء النہر میں پناہ لی، جب وہاں پہنچے تو پھر وہی مذہبی مناظرے اور مجادلے جن کے باعث آپ پر سرزمین خوارزم تنگ بھی ہوگئی اور یہاں بھی وہی عالم ہوا کہ ماوراء النہر سے بھی شہر بدر کیے گئے، اب آپ اپنے وطن مقام ''رے'' میں آکر پناہ گزیں ہوئے اور طبابت کو فروغ دیا۔ (ابن خلکان۔ ج ۲۔ ص ۴۹)

آپ فرقۂ کرامیہ کے سخت مخالف تھے، اکثر ان کا ردّ کیا کرتے اور ان کی غلطیاں بیان کرتے، فرقۂ کرامیہ آپ کے پیچھے پڑ گئے، ہمیشہ گھات میں رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کو موقع ہاتھ آ گیا اور آپ کے کھانے میں زہر ڈلوا دیا اور آپ کھاتے ہی انتقال کر گئے، اس خطرہ سے کہ کرامیہ آپ کی لاش کھود کر اس کا مثلہ کریں گے، آپ کو آپ کے گھر ہی میں دفن کیا گیا۔ یہ واقعہ ذوالحجہ ۶۰۶ھ کا ہے۔ (اخبار العلماء باخبار الحکماء۔ ص ۱۹۰-۱۹۱)

قاسم بن حسن خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ

صدر الافاضل قاسم بن حسن خوارزمی صاحبِ فضل و کمال تھے، حدیث، تفسیر اور فقہ کے

ساتھ ساتھ علم ادب، نحو اور لغت میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، مقامات حریری، سقط الزند، مفصل زمخشری وغیرہ کی شرحیں لکھیں۔

۷۱۶ھ میں تاتاریوں نے اس صدر الافاضل کو شہید کر ڈالا۔ (الفوائد البہیہ۔ص ۵۵، کشف الظنون۔ج ا۔ص ۱۸۸)

یعقوب بن محمد سکّاکی رحمۃ اللہ علیہ

سکا کی کو نحو، صرف، بیان، عروض اور شعر میں تبحر حاصل تھا، دوسرے علوم میں بھی پوری مہارت تھی، سکا کی فنون عجیبہ اور علوم غریبہ کے بھی ماہر تھے، تسخیر جنات، کواکب، طلسمات، سحر، کیمیا، خواصِ ارض اور اجرام سماویّہ میں کافی دخل تھا، آپ کی کتاب ''مفتاح العلوم'' مشہور ہے اور اس کی تلخیص عام طور پر مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، خوارزم میں ۶۲۶ھ میں فوت ہوئے۔

چغتائی خاں بن چنگیز خاں کو سکا کی سے بڑی عقیدت تھی، سامنے مؤدبانہ طور سے بیٹھتا تھا، معاصرین سے یہ عروج نہ دیکھا گیا، حسد کی آگ ان کے دلوں میں بھڑک اٹھی، خصوصاً سلطان چغتائی خاں کے وزیر حبش عمید کو ان کی ترقی سے بڑا رنج ہوا، وہ ہاتھ دھو کر سکا کیؒ کے پیچھے پڑ گیا، ان کو بھی اس کی عداوت کا حال معلوم ہو گیا، انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ حبش عمید کی سعادت کا ستارا مجھ کو گرتا نظر آتا ہے، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں اس کی نحوست آپ تک نہ پہنچے، یہ سنتے ہی چغتائی خاں نے حبش عمید کو وزارت سے برطرف کر دیا، اس کی برطرفی کی وجہ سے امورِ سلطنت میں خلل پڑنا شروع ہو گیا، بادشاہ نے ایک سال کے بعد سکا کی سے کہا کہ شاید حبش عمید کی سعادت کا ستارا طلوع ہو رہا ہے۔ کیوں کہ نحوست ہمیشہ نہیں رہتی، سکا کی نے بھی ہاں کہہ دیا، چناں چہ حبش عمید پھر منصب وزارت پر فائز ہو گیا اور اب اس کو سکا کی کی تذلیل کا پورا موقع ہاتھ آ گیا، ہر قدم پر سازش ہونے لگی، اِسی زمانہ میں سکا کی نے طلسماتی طریقہ سے چغتائی خاں کی فوج میں آگ ظاہر کی، حبش عمید کو اس واقعہ سے اور موقع مل گیا، اس نے بادشاہ سے کہا کہ یہ شخص جب ایسی ایجادات پر قدرت رکھتا ہے تو کیا تعجب ہے کہ اس طرح کبھی آپ کی سلطنت پر

ہاتھ صاف کردے اور آپ کو بے دخل کردے، چغتائی خاں کے دل میں وزیر کی یہ بات بیٹھ گئی، اس نے سکاکی کو گرفتار کر کے قید خانہ میں داخل کردیا، سکاکیؒ تین سال تک جیل میں رہے اور جیل ہی میں ۶۲۶ھ میں انتقال کیا۔ (الفوائد البہیہ۔ص ۸۳)

یحییٰ بن یوسف بغدادی

شیخ حروی یحییٰ بن یوسف بغدادی ۶۵۶ھ میں شہید کردیئے گئے۔

(کشف الظنون۔ج ۲۔ص ۴۱)

قطب الدین مصری رحمۃ اللہ علیہ

ابراہیم نام، ابواسحاق کنیت اور قطب الدین لقب ہے۔ دیارِ مغرب سے مصر میں آئے، ایک زمانہ تک مصر میں قیام کے بعد حج کو گئے، امام فخر الدین رازیؒ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں، طب اور حکمت میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔

تاتاریوں نے جس زمانہ میں عروج حاصل کیا تو دیگر علماء اسلام کے ساتھ آپ کو بھی قتل کر ڈالا۔ (حسن المحاضرۃ۔ج ۱۔ص ۱۳۲)

عبدالحلیم حرانی رحمۃ اللہ علیہ

شہاب الدین ابواحمد عبدالحلیم بن عبدالسلام، امام ابن تیمیہ کے والد ہیں، ۶۲۷ھ میں پیدا ہوئے، آپ علوم وفنون میں امام اور رشد وہدایت کے علم بردار تھے، وطن مالوف حران کو چھوڑ کر دمشق میں قیام پزیر ہوئے اور درس وتدریس کا مشغلہ جاری کیا، ذی الحجہ ۶۸۲ھ میں وصال ہوا۔

جب سرزمین حران پر تاتاری حملہ آور ہوئے اور وہاں کے باشندے بھاگنے لگے، تو آپ بھی دمشق کی طرف روانہ ہوئے، تاتاریوں کے ڈر سے صرف رات کو چلتے اور دن کو کہیں

چھپ رہتے، ایک صندوق کی گاڑی میں آپ کی کتابیں بھری ہوئی تھیں، آپ اس گاڑی کو خود ہی کھینچتے تھے، ایک مرتبہ رات کو گاڑی کیچڑ وغیرہ میں پھنس گئی، سفر کی تکان، بھوک، اور تاتاریوں کا ڈر تمام مصیبتیں موجود تھیں، آپ نے ہزار کوشش کی مگر گاڑی نہ چل سکی، آخر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور خدا سے دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ بیڑا پار کیا، آخر خدا خدا کر کے کسی طرح آپ ۷۶۶ھ کے آخر میں دمشق پہنچے۔

حسن بن احمد رازی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث اور تفسیر میں ماہر تھے، علم و فضل میں امام زمانہ تھے، ۲۰؍سال تک دمشق کے اور پھر ۴؍سال تک مصر کے قاضی رہے، ۶۹۹ھ میں تاتاریوں کے سیلاب میں علم و فضل کا یہ مینارا بھی ڈھیر ہو گیا۔ (الفوائد البہیہ۔ ص ۲۶)

آٹھویں اور نویں صدی ہجری

فتنے اور تحریکیں

یہ صدیاں فتنوں اور تحریکوں کا مرکز ہیں، خلافت عباسیہ کی رہی سہی شان وشوکت ختم ہوئی، اسلامی ممالک میں آزاد ریاستیں قائم ہوچکی تھیں، ہر بادشاہ اپنے مفاد کے لیے ملک وملت کی تمام دولت لٹادینے میں ذرا بھی تامل نہ کرتا تھا۔

ارباب فتن اپنے فتنہ پرور ذہنوں کی جولانیت میں بے مہار ہوگئے تھے، باطل عقائد واعمال سیاسی روپ میں پرورش پارہے تھے اوران کی حمایت شہنشاہیت کے لیے ضروری تھی۔

سربرآوردگان ظلم وستم

انفرادی حیثیت سے بھی علماء امت کے ساتھ عوام کا سلوک نہایت برا ہوچکا تھا، حکومتوں کے مسلسل مظالم اور فتنوں کے پیہم باطل اثرات نے ارباب علم وفضل کے لیے مصائب عام کردیئے، لوگ علانیہ مسجدوں میں علماء کے خلاف ہنگامہ آرائی کرتے تھے، سیاسی مصالح کی بناء پر حکومت بھی عوام ہی کا ساتھ دیتی تھی، خود سلاطین جو اپنے سیاسی عقیدے کی بناء پر علماء، اولیاء اور بزرگانِ دین سے اظہارِ عقیدت کرتے، ان کے وظائف مقرر کرتے، ان کی زیارت کے لیے خود جاتے، جب ذرا اپنی حکومت کے خلاف ان علماء کو پاتے تو قتل وغارت گری سے دریغ نہ کرتے، سردربار عبرت ناک سزائیں دیتے، بے رحمی اور بے دردی سے علماء کے ساتھ برا سلوک کرتے۔

آٹھویں صدی کے مظالم میں سلطان محمد تغلق شہنشاہِ دہلی کے مظالم امتیازی شانِ ستم کے مالک ہیں، اس شہنشاہ کی سیرت میں ''عادل'' اور ''ظالم'' کے الفاظ نمایاں نظر آتے ہیں، اِشاعت دین اور تعظیم علم وعلماء میں بھی پیش پیش نظر آتا ہے اور ساتھ ہی علماء دین کے ساتھ انسانیت سوز مظالم، وحشیانہ حرکات اور ایمان کش سلوک بھی اس کے دورِ حکومت کا جزو ہیں، یہ بادشاہ اپنے سیاسی مفاد پر اس قدر فریفتہ تھا کہ ذرا بھی اپنے مصالح کے خلاف کچھ کہنا سننا

گوارانہ کرتا، اورذرا ذرا سے شبہات پر معصوموں کے خون سے کھیلنے لگتا تھا، اس سلسلہ میں ذیل کے تاثرات قابل دید ہیں:

"واما فتکاتُ هٰذا السلطان وما نقم من افعاله فلا تسئل عن ذٰلک فانه کان مع تواضعهٖ وانصافهٖ ورفقهٖ بالمساکین وکرمه الخارق للعادة کثیر التجاسرِ علیٰ اراقة الدماء لایخلو بابه عن مقتول الا فی النادر کان یعاقب علی الصغیرة والکبیرة ولا یحترم احداً من اهل العلم والصلاح والشرف و فی کل یوم یرد علیه من المسلمین والمغلولین والمقیدین مئون فمن کان للقتل قتل او للعذابِ عُذب اوللضربِ ضُرب"۔

(نزہۃ الخواطر۔ص۱۳۲)

اس بادشاہ کی لغزشیں اور انتقامی حرکات پوچھنے کے قابل نہیں ہیں۔ یہ بادشاہ تواضع، انصاف، رحم وکرم اور سخاوت وخیرات کے باوجود ناحق خون بہانے کا بڑا عادی تھا۔شاید ہی کوئی ایسا دن ہوتا جس میں اس کے دروازے پر لوگ قتل نہ کیے جاتے۔ جرم معمولی ہو یا بڑا بے سزا دیئے نہ مانتا۔علماء صلحاء اور شرفاء کا کچھ خیال نہ کرتا۔اس کے دروازے پر روزانہ ہتھکڑیوں، زنجیروں میں بندھے ہوئے سینکڑوں آدمی لائے جاتے تھے، جوقتل کے لیے ہوتا قتل کیا جاتا، جو عذاب کے لیے ہوتا عذاب پاتا اور جو مارنے کی غرض سے لایا جاتا اس پر مار پڑتی۔

سرخیل مظلوماں

اس دور میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظلم وستم کی جڑ ہندوستان کی زمین میں گاڑ دی گئی، ہندوستان کے ارباب علم وفضل اوراولیاء اللہ پر مظالم کے اندوہناک منظر سے اس ملک کا چپہ چپہ

لالہ زار ہے، بے قصوری و معصومی پر حکومت و جبروت کی تلوار برابر "بکش بزن" کی مشق کررہی ہے۔

مجدد ملت حضرت امام تیمیہؒ یقیناً اپنے وقت کے امام مظلوماں ہیں، کہ اس پرستار توحید وسنت نے باوجود انتہائی مظالم کے اپنی راہ نہ چھوڑی، حکومت کی چیرہ دستی، عوام کا ہنگامہ، قید و بند کے مصائب، زندگی کے ہر لمحہ کو بے قرار رکھنے کے باوجود آپ کو اپنے مقام سے ہٹا نہ سکے، آپ کے مصائب یقیناً امام احمد بن حنبلؒ کی یاد تازہ کررہے ہیں، مگر ہندوستان کے معصوم بندگان خدا، علماء و اولیاء کی داستان مظلومی بھی کچھ کم روح فرسا نہیں ہے، اس عبرت ناک طریقہ سے بے محابا قتل یقیناً کسی دور میں نظر نہ آئے گا، خصوصاً حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی خراسانی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دل خراش داستان جاں گدازی ہندوستان کے مظلوموں کی امامت کی مستحق ہے۔ اس ملک کا یہ مظلوم درحقیقت مظلومی میں یکتا ہے۔

امام ابن تیمیہ حرانی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوالعباس تقی الدین احمد بن تیمیہ حرانی حنبلی ربیع الاول ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے، خاندان پہلے ہی سے علمی تھا، آپ علومِ عقلیہ و نقلیہ کے دریائے بے پایاں تھے، تفسیر، حدیث، فقہ اور علم کلام میں مسلم امام تھے، توحید وسنت کے مقابلہ میں شرک و بدعت کے سخت دشمن تھے۔ ۲۰/ ذی قعدہ ۷۲۸ھ میں انتقال ہوا۔

حق و باطل کی آویزش نے اس مجدد امت اور امامِ مسلّم کو ہمیشہ مصائب میں مبتلا رکھا، افتراء پردازی، فتنہ انگیزی، قید و بند غرض کہ کوئی ایسا حربہ نہیں جو آپ کے خلاف استعمال نہ کیا گیا ہو۔

دمشق میں ایک مرتبہ فقہاء نے آپ کی باتوں کے خلاف ملک ناصر کے دربار میں شکایت کی، جس کے نتیجہ میں آپ کو گرفتار کرکے قاہرہ روانہ کردیا گیا، ملک ناصر کے دربار میں قضاۃِ وقت اور فقہاء زمانہ کا اجتماع ہوا، شرف الدین زولوی مالکی نے اس مجمع میں آپ کی شکایات گنانا شروع کیں، آپ کے خلاف ثبوت بہم پہنچائے، قاضی القضاۃ نے ان شکایات کے متعلق آپ سے دریافت کیا، آپ نے جواب میں صرف لا الٰہ الا اللّٰہ فرمایا، پھر قاضی القضاۃ

نے وہی سوال کیا، آپ نے بھی وہی جواب دیا، ملک ناصر نے آپ کو قید کرنے کا حکم دے دیا، چناں چہ کئی سال تک آپ جیل خانہ میں بند رہے اور جیل ہی میں قرآنِ حکیم کی بے نظیر تفسیر ''البحر المحیط'' چالیس جلدوں میں لکھی، آخر میں امام صاحب کی والدہ نے ملک ناصر سے منت و سماجت کر کے رہا کرایا۔ (رحلۃ ابن بطوطہ۔ ج ا۔ ص ۵۷)

ایک مرتبہ دمشق کی جامع مسجد میں ایک مسئلہ پر آپ کے خلاف عوام میں سخت ہیجان برپا ہوا، آپ کو زدوکوب کیا گیا، آپ کے خلاف جوتوں تک نوبت پہنچی اور اس قدر مارا کہ آپ کی پگڑی سر سے زمین پر آرہی، اس کے بعد عوام آپ کو پکڑ کر حنبلی قاضی عزالدین بن مسلم کے پاس لے گئے، قاضی نے قید خانہ کا حکم سنایا، فقہاء مالکیہ اور شافعیہ نے اس سزا کے خلاف احتجاج کیا اور ملک الامراء سیف الدین چنگیز کے پاس اس معاملہ کو لے گئے، اس نے ان فقہاء کے احتجاج کو اور ابن تیمیہ کے مسائل کو لکھ کر ملک ناصر کے پاس بھیج دیا، ملک ناصر نے ابن تیمیہ کو قلعہ کے اندر قید کرنے کا حکم دے دیا، آپ حکم شاہی کے مطابق جیل خانہ میں بند کر دیئے گئے، جہاں سے آپ کا جنازہ نکلا۔ (رحلۃ ابن بطوطہ۔ ج ا۔ ص ۵۷-۵۸)

قید خانہ میں آپ نے قیدیوں کو نرد، شطرنج اور دوسرے طرح طرح کے لہو ولعب میں مبتلا پایا، آپ نے ان کو نماز، اعمال صالحہ اور تسبیح تہلیل کی تلقین فرمائی، کتاب وسنت کا درس دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دن میں جیل خانہ علم وعمل کا گہوارہ بن گیا، جیل خانہ دار العلم سے بدل گیا، برابر لوگوں کا تانتا بندھا رہتا، استفسارات کے جواب لکھتے، آپ کے دشمن جیل خانہ کی بھی آپ کی ہردلعزیزی نہ دیکھ سکے، کوشش کر کے آپ کو فوراً اسکندریہ کے قلعہ میں منتقل کر دیا گیا، اس کے ایک برج میں آپ کو قید کر دیا گیا، جس کی کھڑکی سمندر کی طرف کھلی رہتی تھی، فقہاء ومحدثین اور اعیان اسکندریہ اسی طرف سے آکر آپ سے فیض وبرکت حاصل کرتے۔

پہلی مرتبہ جب قید سے رہا کیے گئے تو مصر میں اپنا علمی فیض پہنچانے لگے، رجب ۷۱۱ھ میں مخالفین نے مصر کی جامع مسجد میں آپ پر حملہ کر کے زدوکوب کیا، ایک مرتبہ خالی مکان میں بلا کر آپ کو پیٹا گیا۔ جب آپ آخری مرتبہ قلعہ میں بند کیے گئے تو قلم، دوات اور کتابوں سے بھی محروم

کردیئے گئے، تمام وقت نماز، تلاوت اور عبادت میں مصروف رہتے، اس مدت میں قرآن حکیم کے اسّی ختم کیے، اکاسیواں ختم اس آیت تک پہنچا تھا کہ انتقال ہوگیا ''ان المتقین فی جناتٍ ونهر فی مقعد صدق، عندملیک مقتدر ''۔(پ۲۷۔سورہ القمر۔آیت۵۴-۵۵)

آپ تقریباً جیل خانہ میں بیس دن بیمار رہے، شب دوشنبہ ۲۰/ذی قعدہ ۷۲۸ھ کو فوت ہوئے، وفات کی خبر سے سارا شہر ماتم کدہ بن گیا، لوگ جوق در جوق قلعہ میں پہنچے، بڑی شان وشوکت کے ساتھ آپ کا جنازہ نکلا، پہلے نمازِ جنازہ قلعہ ہی میں ادا ہوئی، پھر جامع مسجد دمشق میں پھر دمشق کے ایک میدان میں، تقریباً دو لاکھ آدمی مرد وعورت جنازہ میں شریک تھے، مصر، دمشق، عراق، تبریز، بصرہ وغیرہ کے ہر گاؤں میں غائبانہ نماز جنازہ ادا ہوئی، غالباً امام احمد بن حنبل کے متبعین میں کسی کا جنازہ اس شان سے نہیں نکلا، ملک چین کے مختلف مقامات پر جمعہ کے دن آپ کی وفات کی منادی ہوئی۔

امام ابن قیم دمشقی رحمۃ اللہ علیہ

امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد ابن بکر دمشقی حنبلی، امام ابن تیمیہ کے خاص شاگرد ہیں، تمام علومِ اسلامیہ کے امام ہیں، تفسیر، حدیث، نحو، اصول، علم کلام سب میں مہارت تامہ حاصل تھی، تمام زندگی استاد کے ساتھ رہے، مصائب میں بھی شریک غم رہے، ''زادالمعاد'' آپ کی مشہور کتاب ہے۔۱۳/رجب ۷۵۱ھ میں انتقال فرمایا۔

اپنے استاد کی موافقت میں آپ کو بھی متعدد بار قید وبند اور دیگر مصائب برداشت کرنے پڑے، بڑے کٹھن امتحانات پیش آئے، مسئلہ ''شدِّ رحال'' کے سلسلہ میں ایک مدت تک جیل میں رہے۔

آخری وقت میں اپنے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ساتھ قلعہ میں تنہائی کی قید میں ڈال دیئے گئے، قید خانہ میں امام ابن تیمیہ کے انتقال کے بعد آپ کو رہا کردیا گیا، زمانۂ اسارت میں جیل کے اندر تلاوت قرآن اور مسائل دینیہ میں غور وفکر ان کا محبوب مشغلہ رہا،

خدا نے جیل کے توسط سے آپ کو بہت سی صلاحیتیں بخشیں اور بے شمار علوم عطا کیے۔

فقیہ ابوالعباس فاسی رحمۃ اللہ علیہ

مدینہ منورہ کے مجاوروں میں سے تھے اور مدرسہ مالکیہ کے مدرس بھی، مدینہ میں شیخ شہاب الدین زرندی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے شادی کر لی تھی۔

ایک مرتبہ کسی سے گفتگو فرما رہے تھے اثنائے کلام میں سبقت لسانی سے یہ جملہ نکل گیا کہ ''امام حسین رضی اللہ عنہ کے کوئی اولاد نہ تھی'' یہ بات امیر مدینہ طفیل بن منصور کے پاس پہنچی، اُس نے برا مان کر آپ کے قتل کی ٹھان لی مگر لوگوں کی سفارش سے اس برے ارادے سے باز آ گیا اور آپ کو جوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلوا دیا، سیاح اسلام ابن بطوطہ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ پہنچا اس وقت تک آپ لا پتہ تھے۔ (عجائب الاسفار ابن بطوطہ۔ طبع مصر۔ ج ۱۔ ص ۷۵)

شیخ ظہیر الدین عجمی رحمۃ اللہ علیہ

آٹھویں صدی ہجری میں دمشق میں شیخ ظہیر الدین نہایت صالح اور بزرگ آدمی تھے، سیف الدین چنگیز ملک الامراء آپ کا شاگرد تھا اور آپ کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔

ایک دن ملک الامراء کے دربار میں دمشق کے چاروں قاضی جلال الدین محمد بن عبدالرحمٰن قزوینی قاضی شوافع، شرف الدین بن خطیب القیوم قاضی مالکیہ، عماد الدین حورانی قاضی احناف اور عزالدین بن مسلم قاضی حنابلہ یہ تمام قضاۃ موجود تھے، شیخ ظہیر الدین بھی پہنچ گئے، قاضی القضاۃ جمال الدین بن جمعہ نے ایک قصہ بیان کیا، شیخ نے وہ قصہ سن کر کہہ دیا کہ آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں، اس پر قاضی القضاہ کو بڑا رنج ہوا اور امیر سے کہا کہ آپ کی موجودگی میں انہوں نے کیسے میری تکذیب کر دی؟ امیر نے اس کی دل جوئی کے لیے شیخ کو حوالے کر دیا اور کہہ دیا کہ ان کے متعلق کوئی فیصلہ کیجیے، امیر کا گمان تھا کہ اس بات سے قاضی القضاۃ کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا، مگر قاضی نے پورا انتقام لیا اور دل کی آگ بجھائی، شیخ کو پکڑ کر مدرسہ عادلیہ میں

لے گیا اور دو سو کوڑے لگوائے اور سارے شہر دمشق میں گدھے پر سوار کر کے تشہیر کرائی اور پیچھے پیچھے ایک آدمی کے ذریعہ اعلان کرایا، سارے شہر میں گشت کرانے کے بعد ان کی پشت پر درے لگوائے، جب امیر کو اس کی خبر ہوئی تو سخت برہم ہوا اور شہر کے قضاۃ اور فقہاء کو جمع کر کے قاضی مذکور کے حق میں اس جرم پر فیصلہ چاہا تمام علماء نے متفقہ فیصلہ دیا کہ قاضی غلطی پر ہے اور اس نے اپنے مذہب کے خلاف کام کیا ہے، کیوں کہ امام شافعی کے نزدیک یہ جرم سزائے حد کو نہیں پہنچتا ہے، اس کے بعد یہ تمام واقعہ ملک الناصر کے پاس لکھ کر روانہ کیا گیا اور اس نے قاضی مذکور کو معزول کر دیا۔ (ابن بطوطہ۔ ج ۱۔ ص ۵۸)

محمد بن ابراہیم عطاء

شیخ زین الدین محمد بن ابراہیم عطاء ۷۲۷ھ میں قتل کر دیئے گئے۔

(کشف الظنون۔ ج ۱۔ ص ۴۰۶)

شیخ شہاب الدین خراسانی

شیخ شہاب الدین بن شیخ نظام حاجی خراسانی ہندوستان کے اولیاء کبار میں سے ہیں، پندرہ پندرہ دن تک لگاتار روزے رکھا کرتے تھے، سلطان قطب الدین مبارک شاہ اور سلطان غیاث الدین تغلق آپ کی بڑی تعظیم کرتے تھے، غالبًا ۷۴۱ھ میں عبرت ناک طریقہ سے شہید ہوئے۔

جب محمد شاہ تغلق دہلی کے تخت شاہی پر بیٹھا تو اس نے چاہا کہ کوئی خدمت شیخ شہاب الدین خراسانیؒ کے سپرد کر دے، مجمع عام میں سلطان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، آپ نے وہیں کھلے لفظوں میں انکار فرما دیا، اس سے سلطان سخت برہم ہوا اور شیخ ضیاء الدین سمنانیؒ کو حکم دیا کہ شیخ شہاب الدین کی داڑھی سر دربار نوچ ڈالیں، شیخ سمنانیؒ نے اس سے انکار کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کے حکم سے دونوں مشائخ کی داڑھی کی بھرے مجمع میں بے حرمتی کی گئی، اس کے بعد شیخ سمنانیؒ تلنگ

کے حدود میں نظر بند کر دیئے گئے اور شیخ خراسانیؒ دولت آباد میں قید ہوئے، یہاں آپ سات سال تک غربت کی مصیبت برداشت کرتے رہے، سات سال کے بعد سلطان نے آپ کو بلایا اور تعظیم وتکریم سے پیش آیا اور صیغۂ دیوان کا عہدہ آپ کے سپرد کیا، کچھ دن کے بعد آپ نے سلطان سے اجازت لے کر دہلی کے قریب ''میوات'' میں ایک بہت بڑا گڈھا کھودا اور اس کے اندر کمرے، کوٹھریاں اور حمام وغیرہ بنوائے، پانی کے لیے دریائے جمنا سے یہاں تک نہر کا انتظام کیا، چند سال تک اسی مقام میں رہ کر سلطان کی نظر سے غائب رہے، رات دن عبادت میں گزارتے تھے، جب بادشاہ آپ کی زیارت کے لیے چلا تو آپ نے سات میل چل کر اس کا استقبال کیا اور ملاقات کے بعد پھر اپنے غار میں لوٹ آئے۔

ایک دن بادشاہ نے آپ کو بلوا بھیجا، آپ نے جانے سے انکار کر دیا، پھر بادشاہ کے ایک خاص آدمی نے آکر بہت کچھ سمجھایا بجھایا، مگر آپ نے جواب دیا کہ ''میں ظالم کی کبھی خدمت نہیں کر سکتا'' اس آدمی نے جا کر بادشاہ سے سارا واقعہ بیان کر دیا، بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ خراسانیؒ کو سر دربار لایا جائے، چناں چہ آپ پابجولاں حاضر دربار کیے گئے:

بادشاہ: آپ نے مجھے ظالم کہا ہے؟

شیخ: ہاں تم ظالم ہو اور تمہارا فلاں فلاں ظلم ہے۔

بادشاہ: (قاضی کمال الدین کے ہاتھ میں تلوار دے کر) اگر یہ ثابت کر دیں کہ میں ظالم ہوں تو ابھی میری گردن مار دی جائے۔

شیخ: کس کو پڑی ہے کہ اس کی گواہی دے کر اپنی جان کے لیے خطرہ مول لے، تم کو خود معلوم ہے کہ تم ظالم ہو۔

یہ صداقت بھری آواز سن کر بادشاہ کا پارۂ حرارت تیز ہو گیا، فوراً حکم دیا کہ شیخ کو حوالۂ جیل کیا جائے، چناں چہ اسی وقت چوہری بیڑیاں ڈال دی گئیں اور دونوں ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے، آپ اسی حال میں چودہ دن تک بے آب ودانہ جیل خانہ میں پڑے رہے، روزانہ جیل خانہ سے نکال کر اسی حالت قید وبند میں باہر لائے جاتے تھے، جہاں فقہاء، مشائخ اور عمائد شہر سب جمع

ہوکر آپ کو سمجھاتے کہ آپ اپنے قول سے رجوع کرلیں، آپ ان کے جواب میں روزانہ یہی فرماتے کہ ''میں اپنے قولِ حق سے باز نہیں آسکتا، مجھے شہداء کے زمرے میں داخل ہونا پسند ہے، مگر حق بات سے پھر جانا پسند نہیں''۔

چودہویں دن بادشاہ نے آپ کے لیے کھانا بھجوایا، آپ نے کھانا کھانے سے انکار کردیا اور فرمایا ''میرا رزق دنیا سے اب اٹھ چکا ہے''، بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کی حلق کے نیچے پانچ گھونٹ نجاست کے اتارے جائیں، چناں چہ ہندوؤں کی ایک جماعت نے جو اسی قسم کے کام کے لیے مقرر تھی آپ کو بیڑیوں سمیت زمین پر پچھاڑ دیا اور چت کرکے لوہے کی سلاخوں سے آپ کا منہ چیرا اور نجاست کو پانی میں گھول کر آپ کی حلق کے نیچے زبردستی اتارا اور پھر جیل خانہ میں بند کردیا۔

پندرہویں دن آپ قاضی کمال الدین کے گھر پر لائے گئے، آج بے شمار علماء، فقہاء، مشائخ اور با اثر لوگوں کا اجتماع ہوا اور سب نے حتی المقدور حضرت شیخ خراسانی کو نصیحت کی اور رجوع کرنے کی رائے دی، مگر آپ نے علی الاعلان فقہاء و مشائخ دین کے سامنے رجوع الی الباطل سے انکار فرمادیا، جس کے نتیجہ میں اسی بھرے مجمع میں آپ کی گردن ماردی گئی۔ (سفرنامہ ابن بطوطہ۔ مطبوعہ مصر۔ ج ۲۔ ص)

مولانا عفیف الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا امامِ وقت اور فقیہ زماں تھے، آپ کا شمار ان چند نفوس قدسیہ میں تھا، جن کی فضیلت وصلاحیت مشہور زمانہ تھی، دہلی میں آپ کا علمی فیض جاری رہتا تھا اور اپنے درس وتدریس سے مخلوقِ خدا کو فیض پہنچاتے تھے۔

محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دہلی میں قحط پڑا، اس نے حکم دیا کہ دہلی کے باہر کنویں کھودے جائیں اور ان کے ذریعہ سے کھیتیاں کی جائیں اور عوام میں بیج، خرچ اور دوسرے کھیتی کے ضروری سامان دیئے تاکہ خزانہ میں غلہ جمع رہے، جب مولانا عفیف الدین کو یہ خبر معلوم

ہوئی تو آپ نے فرمایا ''ایسی کھیتی کچھ نفع نہیں دے سکتی'' پہنچانے والوں نے مولانا کی یہ بات بادشاہ تک پہنچادی، بادشاہ نے مولانا کو گرفتار کرلیا اور دخل حکومت کے جرم میں قید کردیئے گئے، ایک زمانہ کے بعد رہائی نصیب ہوئی، جس وقت آپ جیل خانہ سے نکل کر جارہے تھے، راستہ میں آپ کے دو پرانے فقیہ دوست مل گئے، دونوں حضرات نے مولانا کی رہائی پر ان کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کیا اور آپ کی رہائی پر خدا کا شکر ادا کیا، بلکہ ان میں سے ایک صاحب نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت کی:

''الحمدللّٰہِ الذی نجّانا من القوم الظالمین''۔	خدا کا شکر ہے کہ اس نے ظالموں کے ہاتھ سے نجات دلائی۔
(پ۱۸۔ سورہ المومنون۔ آیت ۲۸۔)	

تینوں حضرات گفتگو کرکے اپنے اپنے گھر کو چلے، ابھی راستہ ہی میں تھے کہ اس کی خبر بھی بادشاہ تک پہنچ گئی، چناں چہ اسی وقت تینوں ساتھیوں کو بادشاہ کے دربار میں حاضر کیا گیا، بادشاہ نے مولانا عفیف الدین کے بارے میں تو یہ حکم دیا کہ ان کی گردن اس طرح ماردی جائے کہ سر کے ساتھ مونڈھے اور سینے کا بھی حصہ کٹ جائے اور ان دونوں عالموں کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ ان کی گردن ماردی جائے، یہ حکم سن کر ان دونوں حضرات نے عُذر کے طور پر بادشاہ سے کہا کہ مولانا عفیف الدین تو اپنے قول کی وجہ سے مجرم ہیں، ہم دونوں کو کیوں قتل کرتے ہیں؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ تم دونوں نے ان کی بات سنی اور اس پر خاموش رہے، اس سے معلوم ہوا کہ تم دونوں بھی انہیں کے موافق ہو، یہ کہہ کر بادشاہ نے تینوں عالموں کو شہید کرادیا۔ (رحلہ ابن بطوطہ۔ ج ۲۔ ص)

شیخ شہاب الدین ''حق گو'' میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ''حق گو'' کے لقب سے مشہور ہیں، فقہ میں ماہر تھے، اپنے زمانہ کے مشائخ کبار میں سے تھے، اپنے والد سے میرٹھ میں علوم حاصل کیے اور ایک زمانہ تک ان کی خدمت میں رہے، پھر دہلی کا رُخ کیا۔

ایک دن باتوں باتوں میں محمد شاہ تغلق نے آپ کو خطاب کرکے کہا کہ ''ولایت کی طرح نبوت کا بھی سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے'' حضرت شیخ سلطان کا یہ جملہ سن کر غصہ سے بیتاب ہوگئے، اپنے اوپر قابو نہ پاسکے اور جوتا نکال کروہیں بادشاہ کے منہ پر رسید کیا، بادشاہ نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ قلعہ کی دیوار سے باہر خندق میں آپ کو ڈھکیل دیا جائے، چناں چہ قلعہ کی دیوار سے آپ کو نیچے خندق میں گرایا گیا، مگر آپ نہ مرے، پھر گرایا گیا، اب کے بھی زندہ تھے، تیسری مرتبہ پھر خندق میں ڈھکیلے گئے تب آپ کا وصال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر۔طبع حیدرآباد۔ص ۶۱)

ایک روایت میں ہے کہ سلطان محمد شاہ تغلق نے آپ سے کہا کہ مجھ کو ''محمد عادل'' کہا کیجیے، آپ نے یہ سنتے ہی انکار کردیا اور فرمایا ''ہم لوگ ظالموں کو کبھی عادل نہیں کہہ سکتے'' بادشاہ نے یہ ''حق گوئی'' دیکھ کر آپ کو دہلی کے قلعہ کی دیوار سے نیچے خندق میں ڈھکیلوا دیا، آپ کا مزار پُر بہار بھی زیر قلعہ ہی ہے۔ (اخبار الاخیار۔ص ۱۳۱)

مولانا عماد الدین غوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا صلحائے ہند میں سے ہیں، حنفی المذہب ہیں، اولیاء کبار میں سے ہیں، جوانی میں لکھنا پڑھنا چھوڑ کر پہلوانی کرنے لگے اور اس فن میں یکتائے وقت ہوئے، اہل دل کی توجہ سے پھر متوجہ الی اللہ ہوئے، اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت نہیں چھوڑتے تھے۔

محمد شاہ تغلق نے آپ سے بھی ایک دن کہا کہ ''اب تک فیوض الٰہیہ منقطع نہیں ہوئے ہیں مولانا! بتایئے اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے اور اس کے معجزے ظاہر ہوں تو آپ اس شخص کی تصدیق کریں گے یا نہیں؟'' مولانا عماد الدینؒ یہ سن کر ضبط کی تاب نہ لاسکے اور سلطان محمد شاہ تغلق کو ڈانٹ کر کہا کہ ''گوخور'' یعنی خاموش رہ، پائخانہ نہ کھا، بادشاہ نے یہ سن کر حکم دیا کہ ان کو فوراً ذبح کردیا جائے اور منہ سے زبان کھینچ لی جائے، حاضرین دربار نے حکم شاہی سنا اور اس پر عمل کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (اخبار الاخیار۔ص ۲۰۱)

شیخ شمس الدین کوئلی رحمۃ اللہ علیہ

تاج العارفین حضرت شیخ شمس الدین ہندوستان کے اولیاء کاملین میں سے ہیں، زہدوعبادت اور علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھے، بغاوت کے الزام میں گرفتار کیے گئے اور جیل خانہ ہی میں انتقال فرمایا۔

سلطان محمد شاہ تغلق جب کوئل گیا تو آپ کے پاس آدمی بھیجا اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی، آپ نے بادشاہ کے پاس جانے سے انکار کردیا، بادشاہ خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا، مگر اس کے پہنچنے کے پہلے ہی آپ اپنے گھر سے کہیں چلے گئے اور ملاقات نہ ہوئی، بادشاہ نامراد واپس آیا، اس واقعہ سے اس کے دل میں آپ کی طرف سے رنجش پیدا ہوئی اور موقع کا منتظر رہا، اتفاق کی بات کہ اس واقعہ کے کچھ دن کے بعد ملک کے کسی حصہ میں بعض امراء نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کردی اور لوگوں نے اس کی بیعت بھی کرلی، بادشاہ کے پاس اس سلسلہ میں یہ خبر پہنچائی گئی کہ شیخ شمس الدین کی مجلس میں اس باغی امیر کا تذکرہ آیا انہوں نے اس کی تعریف کی اور کہا کہ واقعی یہ شخص بادشاہت کرنے کے قابل ہے، یہ سن کر بادشاہ نے ایک امیر کو آپ کی گرفتاری کا حکم دے کر کوئل بھیج دیا، چناں چہ اس نے آکر شیخ شمس الدین کے ساتھ ساتھ کوئل کے قاضی اور محتسب کو بھی گرفتار کیا، ان دونوں کا جرم یہ تھا کہ جس مجلس میں شیخ نے اس مخالف امیر کی تعریف کی تھی، یہ دونوں قاضی اور محتسب بھی موجود تھے، گرفتاری کے بعد قاضی اور محتسب کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلائی پھیری گئی، اس کے بعد تینوں کو جیل خانہ میں بند کردیا گیا، حضرت شیخ شمس الدین تو جیل ہی میں واصل بحق ہوگئے، قاضی اور محتسب دوسرے قیدیوں کے ساتھ روزانہ جیل خانہ سے نکالے جاتے اور گلی کوچوں میں رسوا کر کے پھر جیل خانہ میں ڈال دیئے جاتے۔

شیخ کی وفات کے بعد بادشاہ کو معلوم ہوا کہ آپ کی اولاد ہندوؤں کے ساتھ مل کر بغاوت اور نافرمانی کررہی ہے، چناں چہ آپ کی اولاد کو بھی جیل خانہ میں بھر دیا گیا، پھر بادشاہ

نے ان کو جیل سے نکال کر کہا کہ "تم لوگ اس حرکت سے باز آ جاؤ" صاحبزادوں نے جواب دیا کہ "ہم نے کیا کیا ہے جو باز آ جائیں؟" یہ جواب سن کر بادشاہ برہم ہوا اور قتل کا حکم دے دیا، چناں چہ فرمان شاہی کے بموجب تمام لڑکے قتل کر دیئے گئے۔

اس کے بعد کوئل کے قاضی جو شیخ کے ساتھ گرفتار کیے گئے تھے، بادشاہ کے سامنے لائے گئے، بادشاہ نے ان سے ان تمام لوگوں کے نام اور حالات دریافت کیے جنہوں نے شورش مچا رکھی تھی، قاضی نے شہر کے بہت سے کفار کے نام باغیوں کی فہرست میں لکھوا دیئے، جب بادشاہ کے سامنے یہ فہرست پیش کی گئی تو بادشاہ نے یہ محضر نامہ دیکھ کر کہا "یہ شخص (قاضی) چاہتا ہے کہ سارا شہر برباد کر دیا جائے، جاؤ اسی کی گردن مار دو" چناں چہ حکم کی تعمیل کی گئی اور قاضی کو بھی قتل کر دیا گیا۔ (رحلہ ابن بطوطہ۔ مطبوعہ مصر۔ ج ۲۔ ص)

شیخ صلاح الدین درویش رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ صلاح الدین بن حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے، بڑے صاحب کمال بزرگ تھے، ملتان سے دہلی تشریف لائے اور یہیں کے ہو رہے، حضرت شیخ نصیر الدین محمد چراغ دہلیؒ کے معاصر اور ہم سایہ تھے، دونوں حضرات کی قبر بھی دہلی میں ایک ہی جگہ ہے۔

سلطان محمد شاہ تغلق علماء اور مشائخ کو سخت ایذائیں دیتا تھا، حضرت شیخ نصیر الدینؒ تو اپنے پیر کی وصیت کے مطابق مصائب برداشت کرتے رہے، مگر حضرت شیخ صلاح الدین درویشؒ محمد شاہ تغلق کی ایذا رسانی پر اس کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔ (اخبار الاخیار۔ ص ۶۶)

شیخ نصیر الدین چراغِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے اور مشہور خلیفہ ہیں، بڑے جذب وسلوک کے مرد تھے، صبر وفقر اور تسلیم ورضا میں زندگی گزار دی، مرشد کے بعد دہلی میں

مرجع خلائق بنے، ۱۷؍رمضان ۵۸ے ھ کو وصال ہوا۔

اس مرتبۂ کمال کے باوجود سلطان محمد شاہ تغلق حضرت چراغِ دہلیؒ کو بری طرح اذیتیں دیتا تھا، جہاں چاہتا جبراً ساتھ لے جاتا، انتہا یہ کہ اپنا جامہ بردار بنالیا۔

ایک مرتبہ اس نے آپ کی خدمت میں سونے چاندی کے برتن میں کھانا بھیجا، اس سے اس کا مقصد آپ کی تعظیم وتکریم نہ تھی، بلکہ یہ کام اس لیے کیا تھا کہ اگر ان برتنوں میں کھانا نہ کھائیں گے تو سزا دوں گا اور اگر کھالیں گے تو اعتراض کا موقع مل جائے گا، کہ سونے چاندی کے برتن میں کھانا شرعاً حرام ہے، آپ معاملہ کو سمجھ گئے، چناں چہ سونے کے پیالہ سے گوشت کی ایک بوٹی ہاتھ پر رکھ کے کھانے لگے، آپ کی حکمت عملی کی وجہ سے محمد تغلق اپنے مقصد بد میں ناکام رہا۔ (اخبار الاخیار۔ ص۸۱)

شیخ علی حیدرؒ

گجرات میں آئے اور کھمبات میں مستقل سکونت اختیار کی، ہندوؤں میں ان کے علوم حاصل کیے اور ان کی زبان سیکھی، ایک زمانہ تک ایک برہمن کے ساتھ رہے اور اس کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ کیا، بہت سے ہندو مسلمان ہوئے، شیخ چوں کہ شیعہ مذہب کے تھے، اس لیے یہ مسلم بھی شیعہ ہی ہوئے اور ان کا نام بوہرہ پڑ گیا (بوہرہ کے معنی تاجر کے ہیں) مظفر شاہ گجراتی نے علماء کو جمع کر کے کہا کہ ان کو راہ راست پر لائیں، چناں چہ کچھ لوگ تو اہل سنت والجماعت ہوگئے اور کچھ شیعہ ہی رہے، اس طرح گجرات میں شیعہ بوہرہ اور سنی بوہرہ کی تقسیم ہوئی۔
(نزہۃ الخواطر)

قاضی جلال الدین افغانی اور اس کے قبیلے نے کھمبات میں سلطان محمد شاہ تغلق کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، بادشاہ کو معلوم ہوا کہ شیخ علی حیدر نے قاضی جلال الدین کو میرے خلاف ابھارا ہے اور اس کی روحانی امداد کی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ نے قاضی کی بیعت بھی کر لی ہے، بادشاہ خود کھمبات گیا اور قاضی جلال الدین کو شکست دی اور شرف الملک امیر بخت کو وہاں کا نائب

مقرر کیا، امیر بخت نے شیخ حیدری سے مخالفین کے بارے میں تحقیق کی اور فقہاء کو حَکَم بنایا، چناں چہ تحقیق کے بعد جب ثابت ہو گیا کہ شیخ نے قاضی کی خفیہ امداد کی ہے تو فقہاء نے ان کے قتل کر دینے کا حکم دے دیا کہ باغی کی سزا قتل ہے۔

جس وقت شیخ حیدری پر تلوار سے وار کیا گیا تو تلواریں اپنا کام نہ کر سکیں، شیخ کی اس کرامت سے لوگوں کو تعجب ہوا اور خیال ہوا کہ شاید اس کرامت کی وجہ سے آپ کی جان بخشی ہو جائے، مگر دوسرے جلادوں کو گردن مارنے کا حکم ہوا اور آپ قتل کر دیئے گئے۔

(رحلہ ابن بطوطہ۔ ج ۲۔ ص)

مولانا شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اودھ کے رہنے والے تھے، شیخ نظام الدین اولیاء کے بڑے خلفاء میں سے ہیں، اپنے حلقۂ احباب میں بڑے مکرم و معظم تھے، رسم ورسوم سے پاک نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، شادی تک نہ کی، اودھ سے دہلی گئے اور مولانا ظہیر الدین بھکریؒ سے ''اصول بزدوی'' پڑھنے کے بعد شیخ نظام الدین اولیاء کی شاگردی کی اور مرتبۂ کمال کو پہنچے، ''مشارق الانوار'' کی شرح لکھی، شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلویؒ نے آپ کی مدح میں فرمایا ہے:

سـألتُ العِلم مَن احياك حَقًّا — میں نے علم سے سوال کیا کہ واقعی زندگی تم کو کس ذات

فقال العلمُ شمسُ الدين يحيىٰ — سے ملی تو اس نے جواب دیا کہ شمس الدین یحییٰ سے۔

۷۴۷ھ میں وصال ہوا، دہلی میں دفن ہوئے۔

جس زمانہ میں سلطان محمد شاہ تغلق اپنے ظلم وسیاست کی تلوار کا مشائخ کو نشانہ بنا رہا تھا، اسی زمانہ میں شیخ شمس الدین یحییٰ کو طلب کیا اور کہا کہ ''دہلی میں بیٹھ کر کیا عقلمندی خرچ کر رہے ہو، کشمیر جاؤ وہاں کے بت خانوں میں بیٹھ کر بت پرستوں کو اسلام کی دعوت دو'' مولانا دربار سے یہ کہہ کر سامان سفر درست کرنے کے لیے اٹھے اور کہا کہ ''میں نے اپنے شیخ کو خواب میں دیکھا ہے وہ مجھ کو بلا رہے ہیں، میں پہلے ان کے پاس جاؤں گا'' اس گفتگو کے دوسرے دن

مولانا کے سینے پر ایک پھوڑا نکل آیا اور اتنی شدت ہوئی کہ بیمار پڑ گئے، جب محمد شاہ تغلق کو اس کی خبر ہوئی تو کہا کہ شاید وہ بہانہ کر رہے ہیں، ابھی ان کو دربار میں حاضر کیا جائے اِدھر سلطانی بلاوا صادر ہوا اور اُدھر خدائی بلاوا آیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (اخبار الاخیار۔ ص ۹۸)

مولانا فخر الدین زرّادی رحمۃ اللہ علیہ

دہلی کے اولیاء کبار میں سے تھے اور ذوق و عشق کے جامع تھے، دینی معاملات میں بڑے سخت تھے، رعب و جلال اور دبدبہ کے مالک تھے، ابتدا میں مولانا فخر الدین ہانسویؒ سے دہلی میں پڑھا، اُسی زمانہ میں حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید ہو کر طالب علمی چھوڑ دی اور درویشوں کے حلقے میں داخل ہو گئے، پھر حج کے لیے سفر کیا، حج سے فارغ ہو کر مکہ، مدینہ اور بغداد میں علم حاصل کر کے ہندوستان آئے، چراغِ دہلی کا فرمان ہے کہ جن مقامات سلوک پر ہم لوگ مہینے دو مہینے میں پہنچتے ہیں مولانا فخر الدین ایک گھڑی میں وہاں پہنچ جاتے ہیں، کشتی میں سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، اتفاق سے کشتی ڈوب گئی اور مولانا غریق رحمت ہو گئے۔

سلطان محمد شاہ تغلق نے ارادہ کیا کہ آل چنگیز خاں کو ترکستان اور خراسان سے شکست دے کر نکال دے اور ان مقامات کا خود انتظام کرے، اس غرض سے اس نے دیوگیر میں دہلی کے مشائخ کو جمع کیا اور بہت بڑا دربار منعقد کیا، منبر رکھوایا تا کہ خود اس پر بیٹھ کر لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے، اس مجلس میں اس نے مولانا فخر الدین زرادیؒ، شمس الدین یحییٰؒ اور شیخ نصیر الدینؒ کو بھی طلب کیا، اسی مجلس میں خواجہ قطب الدین دبیر بھی موجود تھا، جو شیخ نظام الدین کا مرید اور مولانا فخر الدین کا شاگرد تھا، اس نے جوشِ عقیدت میں مولانا کو سب سے آگے منبر کے پاس لے جا کر بیٹھایا، مولانا نے بارہا کہا کہ "بادشاہ کے دماغ میں تیزی ہے، مجھ سے مداہنت نہیں ہو سکتی" مگر اس نے نہ سنا، جب مولانا نے بادشاہ سے ملاقات کی اس وقت قطب الدین دبیر مولانا کے جوتے بغل میں لیے ہوئے تھا، بادشاہ نے دیکھا مگر منھ سے کچھ نہ کہا اور مولانا سے بات چیت کرنے لگا:

بادشاہ: مولانا! ہمارا ارادہ ہے کہ آل چنگیز خاں ملعون کو ختم کردیں، اس معاملہ میں آپ ہماری موافقت فرمایئے۔

مولانا: انشاءاللہ تعالیٰ۔

بادشاہ: یہ تو کلمۂ شک ہے۔

مولانا: ہاں آئندہ کی باتوں میں شک ہی ہوا کرتا ہے۔

بادشاہ: (سخت برہم ہوکر) ہم کو کوئی نصیحت کیجیے تاکہ ہم اس پر عمل کریں۔

مولانا: غصہ فرو ہونے کے بعد نصیحت کرسکتا ہوں۔

بادشاہ: غصہ کیسا؟

مولانا: درندوں کا غصہ۔

بادشاہ یہ سن کر اور غصہ ہوا اور بات چیت بند کر کے کھانا منگایا اور مولانا کو بھی جبراً تھوڑا سا کھانا کھلایا، کھانا کھانے کے بعد مشائخ دربار کے لیے جامہ اور رقم کی تھیلی آئی، مشائخ اپنا اپنا حصہ لے کر چلے گئے اور مولانا کی خلعت خدمت میں پیش کرنے سے پہلے ہی بادشاہ نے خواجہ قطب الدین کو کچھ دے دیا کہ تم مولانا کو دے دینا، کیوں کہ اسکو معلوم ہو چکا تھا کہ مولانا اس کو قبول نہ فرمائیں گے، جب تمام مشائخ دربار سے چلے گئے تو بادشاہ نے خواجہ قطب الدین سے کہا کہ ''بدبخت تو نے یہ کیا حرکت کی کہ مولانا فخر الدین کو میری تلوار سے بچا کر ان کو روانہ کردیا'' خواجہ نے کہا کہ مولانا میرے استاد ہیں اور میرے پیر کے خلیفہ ہیں، ان کا احترام مجھ پر فرض ہے، یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ ان کفریہ عقائد کو چھوڑ دو، ورنہ میں تم کو قتل کردوں گا، خواجہ نے کہا کہ زہے قسمت! اگر پیر کی راہ میں قتل کردیا جاؤں!۔ (اخبار الاخیار۔ص۹۲)

دو سندھی فقیہؒ

سلطان محمد شاہ تغلق نے کسی شہر میں ایک امیر مقرر کیا اور سندھ کے دو فقیہوں کو حکم دیا کہ امیر کے ہمراہ جائیں اور خیال رکھیں کہ ''میں آپ دونوں حضرات کو شہر اور رعایا کے حالات کا

ذمہ دار بناتا ہوں، یہ امیر آپ لوگوں کے موافق کام کرے گا'' ان دونوں نے کہا کہ ہم لوگ اس امیر کے ساتھ بطور گواہ رہیں گے، اور حق بات اس کے سامنے بیان کردیں گے تاکہ وہ اس کی اتباع کرسکے، یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ آپ لوگوں کا منشا یہ ہے کہ میرا مال کھائیں اور ضائع کردیں، اور ساری ذمہ داری اس جاہل ترکی آدمی پر ڈال دیں، ان لوگوں نے کہا کہ ''حاشا وکلّا'' ہمارا یہ مقصد نہیں ہے، بادشاہ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو نہاوندی کے پاس لے جاؤ، یہ شخص سزا دینے کے لیے مقرر تھا اور اپنے موکلین سے کہا کہ ان کو کچھ مزا چکھاؤ، چناں چہ ان دونوں کو پچھاڑا گیا اور ان کے سینے پر ایک گرم لوہے کا توا رکھ دیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد جب اس کو ہٹایا تو دونوں کے سینوں کا گوشت لے کر اُٹھا، پھر پیشاب اور ریت لے کر ان کے سینے کے زخموں پر ڈال دیا، جب یہ مصیبت برداشت نہ ہوسکی تو اقرار کرلیا کہ جو کچھ بادشاہ کہے گا یہ لوگ اس کی پابندی کریں گے اور قاضی کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا اور اس بات کی دستاویز بھی لکھی گئی، دستاویز کے آخر میں یہ عبارت بھی لکھی گئی کہ ان دونوں نے اس کا اعتراف بغیر کسی کے جبر واکراہ کے کیا ہے، سب کچھ کرنے کرانے کے بعد ان دونوں فقیہوں کو قتل کردیا گیا۔

(نزہۃ الخواطر۔ص۱۳۳-۱۳۴)

محمد بن عبداللہ بن خطیب وزیر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ امام محمد بن عبداللہ بن خطیب وزیر قرطبیؒ علماء مغاربہ میں ''لسان الدین'' کا لقب رکھتے ہیں، اجتہاد وعلم کلام میں امامت کا درجہ آپ کو حاصل ہے، اسلام کے بہت بڑے مناظر ہیں۔قرطبہ میں ۷۶ھ میں قتل کردیئے گئے۔ (کشف الظنون۔ج۱۔ص)

شیخ صدرالدین عارف ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے فرزند ہیں، والد بزرگوار ہی کی صحبت میں رہ کر عقلی وروحانی علم حاصل کیا، اس تعلیم کی بدولت اپنے زمانہ کے سرحلقۂ اولیاء سمجھے جاتے تھے، جب قرآن حکیم پڑھتے یا ختم کرتے تو آپ پر معرفت کے نئے نئے اسرار ورموز ظاہر ہوتے،

اسی لیے عارف کے لقب سے مشہور ہوئے، والد ماجد کے ترکہ سے سات لاکھ نقد ملے، جن کو آپ نے ایک ہی دن میں فقراء ومساکین پر تقسیم کردیا، آپ کا وصال ملتان میں ۳/ ذی الحجہ ۶۷۷ھ کو ہوا۔

سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کو مغلوں کی یورش فرو کرنے لیے ملتان بھیجا، شہزادہ کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی، جو سلطان رکن الدین ابراہیم بن شمس الدین التمش کی لڑکی تھی، یہ شہزادی اپنی نیکی، حیا اور حسن میں مشہور تھی، مگر شاہزادہ کی شراب خوری اور بدخلقی سے مجبور تھی، ملتان پہنچ کر شہزادے نے ایک دن نشہ کی حالت میں بیوی کو طلاق دے دی، مگر نشہ اترنے پر بیوی کی جدائی گوارا نہ ہوئی، علماء کو جمع کیا اور اس کا مسئلہ پوچھا، انہوں نے کہا کہ شہزادی سے نکاح اب اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ حلالہ نہ کرلیا جائے، شہزادہ نے امیرالدین خوارزمی سے بلا کر کہا کہ باپ کے غیظ وغضب اور دوزخ کے عذاب سے ڈرتا ہوں، لیکن اس کی جدائی بھی ناقابل برداشت ہے، قاضی امیرالدین نے مشورہ دیا کہ ملتان میں شیخ صدرالدین عارفؒ نیک آدمی ہیں، خفیہ طور سے ان سے شہزادی کا نکاح کرا کے طلاق لے لی جائے، شہزادہ اس پر راضی ہوگیا اور حضرت شیخ سے شہزادی کا نکاح کردیا گیا، جب نکاح ہو چکا تو شہزادی نے شیخ کے پاؤں پر گر کر کہا کہ اگر آپ مجھ کو پھر اس ظالم اور فاسق کے حوالے کردیں گے تو میں قیامت میں آپ کی دامن گیر ہوں گی، شیخ صدرالدینؒ کو شہزادی کی گریہ وزاری پر رحم آگیا اور طلاق دینے سے انکار کردیا، جب شہزادہ محمد سلطان کو یہ خبر لگی تو غصہ سے بیتاب ہوگیا اور اپنی فوج کو جو مغلوں کے مقابلہ کے لیے ساتھ تھی حکم دیا کہ شیخ صدرالدین عارفؒ کے گھر کو ان کے خون سے رنگین کردیا جائے۔

جب شیخ کو اس کی خبر معلوم ہوئی تو آپ کی حالت میں کوئی تغیر وتبدل نہ ہوا اور اپنے اسی ارادہ پر بڑی مستقل مزاجی سے قائم رہے، اسی دوران میں اچانک مغلوں نے محمد سلطان پر حملہ کردیا، شہزادہ کی فوج پسپا ہوگئی اور خود شہزادہ مغلوں کے ہاتھ سے قتل ہوگیا۔

(تاریخ فرشتہ۔ ج ۲۔ ص ۴۱۱)

سیدی مولہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ سلطان بلبن کے زمانے میں ملک بالا کی ولایت سے دہلی آئے، مجاہدہ وریاضت میں مصروف رہتے، جامہ اور چادر پہنتے، چاول کی روٹی معمولی سالن سے کھاتے، عورت، کنیز، غلام اور کوئی سامانِ زندگی نہ تھا، جو کچھ ملتا قبول نہ کرتے، خرچ اتنا تھا کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی، گھر کے سامنے ایک خانقاہ بنوائی تھی، اس میں بڑی مقدار میں کھانا پکتا، برّی وبحری مسافر آتے، ہزاروں من میدہ خرچ ہوتا، پانچ سو جانور ذبح ہوتے، سو دو سو من نبات اور دو تین سو من شکر صرف ہوتی تھی۔

حضرت سیدی مولہ کی خانقاہ کے اخراجات سلطان جلال الدین خلجی کے زمانے میں اور بھی بڑھ گئے، سلطان کا بڑا لڑکا خانخاناں آپ کا معتقد ہوگیا، اپنے کو سیدی مولہ کا بیٹا کہنے لگا، امراء اور حکام کی آمدورفت ان کے پاس بڑھ گئی، قاضی جلال کاشانی نے جو اس زمانہ کا قاضی القضاۃ اور بڑا فتنہ گر تھا، سیدی مولہ سے تعلقات پیدا کیے، دو دو تین تین دن تک آپ کی خانقاہ میں پڑا رہتا اور وہاں کے لوگوں سے گفتگو کرتا رہتا، بلبن کے زمانے کے مولیٰ زادے جو امراء اور ملوک کی اولاد تھے اس گفتگو میں شریک رہتے، جب یہ مولیٰ زادے عہد جلالی میں بالکل بے سروسامان اور بے حیثیت ہوگئے اور برنج تن اور ہتھیا پائک کے کوتوال بھی (جو آزادوں اور پہلوانوں کے گروہ میں سے تھے اور بلبنی عہد میں ایک لاکھ چیتل وظیفہ پاتے تھے) بے وظیفہ ہوگئے اور دوسرے لوگ بھی معزول کردیئے گئے، یہ تمام کے تمام لوگ سیدی مولہ کی خانقاہ میں رات کو سویا کرتے تھے، عوام سمجھتے تھے کہ ان کی آمدورفت حصول برکت کی غرض سے ہے، لیکن قاضی جلال الدین کاشانی، خان زادے، مولا زادے اور برنج تن اور ہتھیا پائک کے کوتوال کے متعلق معلوم ہوا کہ یہ لوگ رات کو سیدی مولہ کے پاس فتنہ انگیزی کا مشورہ کرتے ہیں، چناں چہ برنج تن اور ہتھیا پائک کے کوتوال نے ارادہ کیا کہ جمعہ کے دن جب نماز کے لیے سلطان کی سواری نکلے تو حملہ کردیا جائے اور سیدی مولہ کو خلیفہ بنا کر سلطان جلال الدین کی لڑکی

سے ان کی شادی کردی جائے اور قاضی جلال کو قاضی خان کا عہدہ دے کر ملتان کا اقطاع دار مقرر کردیا جائے، اسی طرح مَلِک زادوں اور خان زادوں میں اقطاعات تقسیم کیے جائیں، اِن ہی لوگوں میں سے ایک شخص جو اس مشورہ میں شریک تھا، ان سب سے منحرف ہوکر یہ تمام خبر سلطان تک پہنچادی، نتیجہ یہ ہوا کہ سیدی مولہ اور ان کے ساتھی متہم کرکے سلطان کے دربار میں حاضر کیے گئے، سلطان کے سامنے سب نے انکار کردیا، لیکن سلطان اور دوسرے لوگوں کو سازش کا پورا یقین ہو چکا تھا، سازشی لوگ منکر تھے، کوئی دوسرا ثبوت نہ تھا، اس لیے ان پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا تھا، آخر سلطان نے ''دب'' کا حکم دیا، ''بہار پور'' کے میدان میں آگ جلائی گئی، بادشاہ نوکر اور خواصیں کے ہمراہ وہاں پہنچا، بادشاہ کے لیے ایک بلند جگہ بنائی گئی، بادشاہ نے تمام اکابر شہر، علماء اور مشائخ کو بلایا تا کہ ان کے سامنے سازشی لوگوں کو آگ میں ڈالا جائے اور سچ جھوٹ روشن ہو، جب اس بارے میں علماء سے استفتاء کیا گیا تو مقتدر علماء نے کہا کہ ''دب'' جائز نہیں ہے، آگ سے جھوٹ سچ کی تمیز نہیں ہوسکتی، سازش کی خبر صرف ایک شخص نے دی ہے اور ایسے جرم میں ایک آدمی کی گواہی کافی نہیں، سلطان نے ''دب'' کا ارادہ چھوڑ دیا اور قاضی جلال کو جو فتنہ کا سرغنہ تھا، بدایوں کا قاضی بنا کر بھیج دیا اور خان زادوں اور ملک زادوں کو جلاوطن کردیا، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال کو سزادی، اس کے بعد سیدی مولہ کو باندھ کر سلطان کے کوشک کے سامنے لایا گیا، سلطان نے خود ان سے گفتگو کی، اس مجمع میں شیخ ابوبکر طوسی حیدری بھی اپنی جماعت سمیت موجود تھے، سلطان نے ان سے خطاب کرکے کہا ''اے درویشاں! انصاف من ازیں مولہ برستانید'' اس کے بعد بحری نامی ایک شخص نے بڑھ کر سیدی مولہ کو اُسترے سے زخمی کردیا اور ارکلی خان نے کوشک کے اوپر سے فیل بانوں کو اشارہ کیا، چناں چہ ایک فیل بان نے اپنا ہاتھی سیدی مولہ کی طرف دوڑایا اور ان کو پاؤں سے مسلوا ڈالا۔

جس دن سیدی مولہ کا قتل ہوا، ایک سیاہ طوفان آیا اور تاریکی چھا گئی، سیدی کے بعد طرح طرح کے فتور پیدا ہوگئے، بزرگوں نے کہا کہ کسی درویش کو قتل کرنا نحس ہے اور یہ کام کسی بادشاہ کو راس نہیں آیا، اس سال بارش نہیں ہوئی، دہلی میں قحط پڑا، غلہ ایک چیتل میں ایک سیر بکنے لگا،

سوالک کے علاقہ میں ایک قطرہ بارش نہیں ہوئی، وہاں کے ہندو اپنی عورتوں اور بچوں کو لے کر دہلی چلے آئے، بہتوں نے بھوک سے بیتاب ہوکر اپنے کو دریائے جمنا کی نذر کردیا، عوام امراء اور سلطان کے صدقات پر اپنی اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔ (تاریخ فیروز شاہی۔ از مولانا ضیاء الدین برنیؒ)

احمد بن عمر خیوفی

احمد بن عمر خیوفی شافعی کبری کے لقب سے مشہور ہیں، آپ نے ''نجم الدین'' کے نام سے ایک بہت بڑی تفسیر کئی جلدوں میں لکھی ہے۔ ۶۸۱ھ میں آپ شہید کیے گئے۔ (کشف الظنون۔ ج ۱۔ ص ۳۱۶)

شیخ محمد ترک نارنولی رحمۃ اللہ علیہ

ترکستان سے ہندوستان آئے، مقام نارنول میں قیام فرمایا، حضرت خواجہ عثمان ہارون کے مرید تھے، لوگ آپ کو ''پیر ترک'' اور ''ترک سلطان'' کہتے تھے، بالکل تنہا تھے، صبر وتوکل سرمایۂ حیات تھا، حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی آپ کے مزار پر حاضر ہوئے اور برکت حاصل کی، مزار مقدس نارنول میں ہے۔

قصبہ نارنول میں ابتداء میں مسلمانوں کی حالت کمزور تھی، کفار کی قوت غالب تھی، ہندو موقع کے منتظر رہا کرتے تھے، عید کے دن مصلیٰ پر نماز کی حالت میں موقع غنیمت جان کر یکبارگی حملہ کردیا اور بے دریغ مسلمانوں کو تہ تیغ کیا، بہت سے مسلمان شہید ہوئے، اسی ہنگامہ میں حضرت شیخ محمد ترکؒ بھی کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے، اکثر شہداء تہذ پال حوض کے کنارے دفن ہوئے، حضرت شیخ بھی اپنے مسکن نارنول میں حوض پر دفن ہوئے۔

تہذ پال حوض کے شہداء میں دو شہید نہایت بزرگ اور حافظ قرآن تھے، ایک کا مزار بلندی پر ہے، ان کو ''بلند شہید'' کہتے ہیں، دوسرے کا نشیب میں ان کو ''نشیب شہید'' کہتے ہیں، بعض صلحاء نے ان دونوں حضرات کی قبروں سے قرآن حکیم کی تلاوت کی آواز سنی، حفاظ کے دور کی طرح۔ (اخبار الاخیار۔ ص ۴۸)

شیخ دانیال بن حسن سترکھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ سترکھ ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے، فقہ، اصول اور ادب میں ممتاز علماء میں سے تھے، سترکھ میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی، بیانہ میں جا کر قاضی عبداللہ بیانویؒ سے پڑھا، پھر وہاں سے دہلی جا کر شیخ نصیرالدین محمود اودھی سے تصوف حاصل کیا اور مدتوں ان کی خدمت میں رہے، ۷۸۱ھ میں ڈاکوؤں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

جس زمانہ میں آپ قاضی عبداللہ بیانویؒ سے علم حاصل کر رہے تھے، قاضی موصوف نے اپنی صاحبزادی سے شیخ دانیال کی شادی کر دی تھی، مگر اپنی زوجہ کو وہیں چھوڑ کر دہلی حضرت نصیرالدین محمود اودھی کی خدمت میں آئے اور مدتوں فیض روحانی حاصل کرتے رہے، مرتبۂ کمال کو پہنچنے کے بعد آپ بیانہ گئے اور اپنی عورت کو ساتھ لے کر وطن سترکھ کو لوٹے، میاں بیوی کا یہ روحانی کاروان چلتے چلتے جس روز اپنے وطن سترکھ کے قریب پہنچا، منزلِ مقصود سامنے تھی، ڈاکوؤں نے شیخ صاحب کو راستہ میں قتل کر ڈالا اور لاش مبارک وطن میں پہنچائی گئی اور وہیں دفن کیے گئے۔ (نزہۃ الخواطر۔ص۴۲)

شاہ جلال گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ پیارہ کے مرید تھے، اپنے وقت کے اولیائے کاملین میں سے تھے، صاحب تصوف و کرامت کے علاوہ ظاہر اور باطن میں بڑے مرتبے اور شان کے مالک تھے، علاقہ گجرات ان کا وطن ہے۔

فقیروں کی شان کچھ اور ہی ہوا کرتی ہے، ایک مرتبہ حضرت شاہ جلال گجراتیؒ مقام گُور کے تخت سلطنت پر بیٹھ گئے اور بادشاہوں کی طرح اپنا حکم جاری کر دیا، غرض مندوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ یہ فقیر اس طرح تخت حکومت پر قبضہ کر لے گا، بادشاہ کے دل میں اس کا وہم اور آپ کی طرف سے دغدغہ پیدا ہو گیا اور آپ کو قتل کرا دیا، قاتلین نے آپ کی خانقاہ میں گھس کر

خوں ریزی شروع کی، پہلے مریدوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا، جب مریدوں کے سروں پر قاتلین کی تلواریں پڑیں تو حضرت شاہ جلال ''یا قہار یا قہار'' فرماتے اور جب آپ کی باری آئی تو ''یارحمٰن یارحمٰن'' فرمایا، یہی کلمہ کہتے کہتے آپ کا سرتن مبارک سے جدا ہوگیا اور زمین پر گر پڑا، جب سر زمین پر گر گیا تو ''اللہ اللہ'' کہا اور پھر خاموش ہو گئے۔

(اخبار الاخیار۔ ص ۱۷۳)

شیخ زین العابدین دولت آبادی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی کے بعد اس کا بڑا بیٹا سلطان محمد شاہ دکن کے تخت پر بیٹھا، عوام کے علاوہ تمام مشائخ دکن نے حاضرانہ اور غائبانہ سلطان محمد شاہ کی بیعت کی، مگر حضرت شیخ زین العابدین دولت آبادی نے اس بناء پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا کہ بادشاہ شراب پیتا ہے اور امر بالمعروف کی چنداں پرواہ نہیں کرتا، محمد شاہ نے کہلا بھیجا کہ آ کر میری بیعت کرو، مگر آپ نے انکار فرما دیا، اور کہلا بھیجا کہ ''چوں کہ آپ بیعت کے لیے بلواتے ہیں اس لیے حاضری سے معذور ہوں'' اس پر بادشاہ نے غصہ میں آ کر آپ کے پاس کہلایا کہ ابھی شہر بدر ہو جاؤ، شیخ نے فوراً شہر سے نکل جانا گوارا کر لیا اور شہر سے نکل کر اپنے مرشد حضرت شیخ برہان الدینؒ کی درگاہ میں چلے آئے اور اپنا عصا وہاں گاڑ کر کہا ''دیکھوں تو یہاں سے مجھ کو کون نکالتا ہے؟''۔

احمد بن ابراہیم دمشقی

شیخ محی الدین احمد بن ابراہیم نحاس دمشقی شافعی ۸۱۴ھ میں شہید ہوئے۔ (کشف الظنون۔ ج ۱۔ ص ۳۳۲)

عبدالرحمٰن بن علی تفہنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ قاضی القضاۃ تھے، بچپن ہی میں باپ کا انتقال ہوگیا تھا، ماں کے ساتھ قاہرہ آئے، بڑے بھائی پہلے سے وہاں موجود تھے، ان کی کوششوں سے مکتب الیتام میں داخل ہوگئے اور اصول فقہ، تفسیر، ادب، معانی اور منطق میں ماہر ہوکر نکلے، بڑے خوش خلق اور زمانہ شناس تھے۔ ۸۳۵ھ میں انتقال کیا۔

بقول علامہ جلال الدین سیوطیؒ شوال ۸۳۵ھ میں آپ کو زہر دے دیا گیا، جس کی وجہ سے آپ شہید ہوئے، کہا جاتا ہے آپ کی ایک لونڈی نے پوشیدہ طور سے کھانے میں زہر ڈال دیا تھا۔ (الفوائد البہیہ ۔ص ۳۴)

مولانا لطفی

آپ زبردست عالم دین تھے، قاضی ارموی کی مشہور کتاب ''مطالع الانوار'' جو کہ حکمت و منطق میں ہے، آپ نے اس کا حاشیہ لکھا ہے، ۹۰۰ھ میں قتل کر دیئے گئے۔

(کشف الظنون ۔ج ۲۔ص ۴۵۳)

مولی لطف اللہ بن حسن توقانی

مولی لطف اللہ بن حسن توقانی بھی ۹۰۰ھ میں قتل ہوئے۔

(کشف الظنون ۔ج ۲۔ص ۱۹ و ۴۸۲)

مولانا احمد تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ

آپ بڑے پایہ کے عالم اور شاعر تھے، حضرت چراغ دہلویؒ کے مرید تھے، حضرت چراغ دہلوی نے مولانا احمد اور مولانا خواجگی دہلوی میں رشتۂ مواخات قائم فرما دیا تھا، جس وقت

دہلی پر امیر تیمور کا حملہ ہوا، آپ دہلی میں مقیم تھے اور ہجرت کا موقع نہ مل سکا، تیموری لشکر دہلی میں فاتحانہ داخل ہوگیا اور رسم فاتحانہ کے مطابق قتل وغارت شروع کر دی، اس خونی ہنگامہ میں مولانا احمد تھانیسری کو مصائب سے دوچار ہونا پڑا اور آپ کے خاندان کے لوگ گرفتار کر لیے گئے اور فتنہ فرو ہونے کے بعد رہا کیے گئے، جب امیر تیمور نے دہلی میں آکر آپ کا علمی اور روحانی شہرہ سنا تو آپ کو سر دربار طلب کر کے جوہر علم وفضل کی آزمائش کی اور پھر آپ کو اپنے مصاحبین مخصوص میں داخل کر لیا، لیکن تیموری حملہ سے دہلی اجڑ چکی تھی اور مادی بربادی کے ساتھ ساتھ گلی کوچہ سے علم وفضل کی رونق بھی ختم ہو چکی تھی، اس لیے مولانا نے وہاں سے ہجرت کر کے کالپی کی راہ لی اور وہیں بود و باش اختیار فرمائی، آپ کا مزار مبارک کالپی میں اندرون قلعہ ہے۔

(ماثر الکرام۔ج ا۔ص ۱۸۶)

مولانا خواجگی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا معین الدین عمرانی کے شاگرد ہیں، حضرت شیخ نصیر الدین محمود سے بیعت ہو کر تزکیہ باطن میں کمال کو پہنچے اور دہلی میں درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، جب تیمور نے دہلی کا قصد کیا، میر سید محمد گیسو درازؒ کو خواب میں امیر تیمور کے ارادے کی خبر ہوگئی اور اس کی افواج کی دہلی میں تباہی نگاہوں کے سامنے آگئی، یہ خواب آپ نے لوگوں سے بیان کیا، شیخ وقت سید محمد گیسو درازؒ کا یہ خواب سن کر مولانا خواجگی دہلوی تباہی وبربادی کے خوف سے دہلی سے ہجرت کے ارادے سے کالپی چلے گئے اور زندگی کے بقیہ دن وہیں گزارے۔ (ماثر الکرام۔ج ا۔۱۸۶)

ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی

آپ ہندوستان کے زبردست علماء میں سے ہیں، عرب وعجم میں آپ کا شہرہ ہے اور آپ کی تصنیفات ہر جگہ مقبول ہیں، جس وقت قاضی عبد المقتدرؒ کی شاگردی کے لیے روانہ ہوئے تھے، موصوف نے فرمایا کہ میرے پاس ایک ایسا طالب علم آرہا ہے جس کا چمڑا، ہڈی اور

مغز سب کچھ علم ہی علم ہے۔ ۵/رجب ۸۴۹ھ کو وصال فرمایا، آپ کا مزار جونپور میں سلطان ابراہیم شرقی کی مسجد میں جنوبی حصہ میں ہے۔ دہلی میں آپ مولانا خواجگی اور مولانا قاضی عبدالمقتدر سے علم حاصل کررہے تھے کہ امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کردیا، جس سے دہلی کی علمی مجالس اجڑنے لگیں، چناں چہ آپ کے استاد مولانا خواجگی نے بھی دہلی سے ہجرت کی، قاضی شہاب الدین بھی استاد کے ہمراہ ہجرت میں نکلے، استاد کالپی پہنچے اور شاگرد نے جونپور کی راہ لی، جہاں سلطان ابراہیم شرقی نے آپ کو اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا۔

(ماثر الکرام۔ ج ا۔ ص ۱۸۸)

دسویں صدی ہجری

فتنے اور تحریکیں

اس صدی کا سب سے بڑا فتنہ اکبر کا ایجاد کردہ فتنہ ''دین الٰہی'' ہے، اکبر بادشاہ ۹۶۳ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور ۹۸۰ھ کے بعد اس نے اپنے نئے دین کی تحریک شروع کی، ۱۰۱۴ھ میں اس نے انتقال کیا، اس کے بعد جہاں گیر نے اس کی رسم کو زندہ رکھا، یہ فتنہ دورِ بنوعباسیہ کے فتنۂ ''خلق قرآن'' کے مشابہ تھا، اکبر ایک ناخواندہ بادشاہ تھا، مگر اس کو ہر قسم کی علمی تحقیقات سے دلچسپی تھی، یہی چیز اس کے لیے ''دین الٰہی'' کی ایجاد کا باعث بنی، علمائے سوء نے اس کے دربار میں آپس میں جنگ کی حلت وحرمت میں اختلاف کیا، ایک دوسرے کے درپے ہوئے، جس کے نتیجے میں اکبر نے ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی، شریعت اسلامیہ کے اصول وفروع سے سخت منحرف ہوا، حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا، خود صاحب شریعت بن بیٹھا، یہ زمانہ علمائے حق کے لیے بڑے مصائب کا زمانہ تھا، اس کی پوری تفصیل تاریخ میں ملاحظہ فرمائیے۔

نیز ایرانی لوگوں کا رسوخ اس کے دربار میں بہت بڑھ گیا تھا، خود اکبر کو تاریخ سے دلچسپی تھی، ایرانیوں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر شیعیت کا خوب پرچار کیا، بنوامیہ، بنوعباس کے معائب اور حضراتِ شیخینؓ اور حضرت عثمانؓ کے خلاف زہر آلود واقعات اور ناگوار قصے بادشاہ کے حضور میں بیان کیے جاتے تھے۔

خانقاہوں میں ایک دوسرے کے خلاف فتوے مرتب ہوتے، علمائے سوء ہر وقت علمائے حق کی فکر میں رہتے، اکبر کے دربار میں باریاب بن کر اپنے مخالف کے لیے شاہی طاقت کا سامان کرتے تھے۔

''دین الٰہی'' کی برکت سے یہودی، عیسائی اور ہندو وغیرہ کو اسلام کے خلاف زہر اگلنے کے لیے آسانیاں فراہم تھیں، عیسائی مشنری کا وعظ بحکم شاہی باعث برکت و بہبودی ثابت ہوا۔

دسویں صدی کا آخری زمانہ اور گیارہویں صدی کا ابتدائی دور اسی الحاد و بے دینی کے

ساتھ گزرا، جہاں گیر نے بھی شروع میں اپنے باپ اکبر کی صحیح جانشینی کی، پھر بعد میں راہ راست پر آیا، ان دو بادشاہوں کا زمانہ علمائے حق کے لیے بڑے ابتلاء وآزمائش کا زمانہ تھا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ فرماتے ہیں:

”وتولّی السلطنة بعده ولدهٗ	اکبر تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد
اکبر فتزندق وارتفعت رایةُ	زندیق ہوگیا، گمراہی اور جہالت
الجهل والضلال و ثاب مِن	کے سرنگوں جھنڈے بلند ہوگئے،
کل اوب اهل الملل المختلفة	مذاہب باطلہ نے ہر طرف سے سر
والمذاهب الباطلة وعظمت	اٹھایا اور ایک فتنۂ عظیم برپا ہوگیا،
الفتنة وتولی بعده ولده	پھر اس کے بعد جہاں گیر بادشاہ
جهانگیر وکان ماجنا مدمنا	ہوا، یہ ہمیشہ شراب میں مست رہتا
للخمر فرفعت الهنود	تھا، اس کے وقت میں ہندوؤں
رؤسها وبغت الروافض	اور رافضیوں نے شورش برپا کی
رؤساء ها وضیعت الدیاناتُ	اور دیانت داری اور مذہب کا
الخ“۔(شرح رسالہ ردِروافض)	خاتمہ ہوگیا۔

سر برآوردگانِ ظلم وستم

ان ہر دو بادشاہ کے زمانۂ فتنہ وفساد کے بانی مبانی ملا مبارک ناگوری اور اس کے دونوں بیٹے ابوالفضل اور فیضی ہیں، ان کی حیثیت وہی ہے جو ”مامون“ کے فتنۂ خلق قرآن میں احمد بن ابی داؤد معتزلی اور اس کے ساتھیوں کی تھی، جاہل اکبر کو ان ملاؤں نے بڑھا بڑھا کر اس سے نیا دین ایجاد کرایا اور خود دنیاوی دولت کے مالک بنے، ان ہی درباری علماء نے اس کا دماغ خراب کر دیا، مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس نے حج کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا اور بادشاہ کو راضی کر کے مُردوں کی طرح اپنے گھر میں سونے کی

سلوں کو دفن کر کے مقبرہ بنایا اور آخر میں ذلت سے جان دی۔

بادشاہ، علمائے سوء اور ارباب خانقاہ تینوں ہی مجرم نظر آتے ہیں، واقعی بات ہے:

وما بدّل الذين الا الملوك	دین کی تباہی و بربادی کے اسباب تین ہی
واحبارُ سوءٍ و رهبا نها	ہیں، سلاطین، علمائے سوء اور خانقاہی گروہ۔

مددگارانِ حق وصداقت

اکبر اور جہاں گیر دونوں کے دورِ فتن میں صرف ایک ذات بابرکات ہے، جو دین متین کی صحیح حامی نظر آتی ہے، یعنی حضرت امام مجدد الف ثانی احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء و مریدین، حضرت مجدد صاحب نے ابوالفضل اور فیضی سے مناظرے کیے، اُن کو مسکت جواب دیئے، اکبر کے آخری دور میں اکبرآباد تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی صحیح تعلیم سے آگاہ کرنے کی کوشش کی، اپنے مریدوں کے ذریعہ آپ نے اس کی اصلاح کر کے سجدہ کرانے کا حکم موقوف کرادیا، اکبر کے زمانہ میں رفض کو فروغ ہو رہا تھا، آپ نے رفض کے خلاف ''رسالہ ردِ رفض'' تحریر فرمایا (جس کی شرح شاہ ولی اللہ نے فرمائی ہے) گائے کی قربانی اکبر نے بند کرادی تھی، آپ نے اس کو ہندوستان میں اسلامی شعار قرار دے کر جاری کرادیا۔

جونپور کے علماء نے اکبر کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرمایا اور واقعات کی تائید کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ سید محمد جونپوری کا دعوائے مہدویت بھی اکبر کے زمانۂ جہل وضلالت کے خلاف جہاد ہی کے لیے تھا، چاہے بعد میں اس کی دوسری شکل ہوگئی ہو۔

خدا کی قدرت دیکھیے کہ دورِ اکبر اور جہاں گیری میں جس طرح فتن ومصائب، شرک وبدعت اور ظلم وستم کا زور تھا، اسی طرح ان دونوں عہدوں میں علمائے ربانی اور اولیاء کرام کا اجتماع ایسا تھا کہ اس سے قبل اس کی مثال نہیں ملتی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''ومن عجيب صنع اللّٰه انه	اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب قدرت
كما تراكم فى عهد هٰذين من	ہے کہ جس طرح ان دونوں

الفتن الدھماء مالم یرولا	بادشاہوں کے عہد میں ایسے
معشاره فی عهد القدماء	عظیم الشان فتنے پیدا ہوئے،
وکذلک لم یرمثل عهد هما	جن کا عشر عشیر بھی اس دور سے
فی اجتماع الاولیاء	پہلے نہ ہوا ہوگا، اسی طرح
اصحاب الاٰیات الظاهرة	ان دونوں کے دورِ حکومت
والکرامات الباهرة والعلماء	میں بڑے بڑے اولیاء اور
اصحاب التصانیف	جید علماء کا اجتماع بھی تھا، جو
المفیدة والتوالیف	اس سے پہلے ہندوستان میں
المجیدة"۔(شرح رسالہ ردِرفض)	نظر نہیں آتا۔

اِسی دور میں حضرت علامہ سید عبدالوہاب بخاریؒ، شاہ محمد خیالیؒ، شیخ عبدالعزیز چشتی، خواجہ محمد باقی باللہ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، مولانا سید رفیع الدین اکبرآبادیؒ مولانا محمد طاہر گجراتیؒ، شاہ وجیہ الدین گجراتیؒ جیسے ائمۂ حدیث وفقہ اور ماہرین علم وفن موجود تھے، جو دین اسلام کی خدمتگاری میں پیش پیش رہتے تھے، درحقیقت یہ زمانہ اسلام وکفر کی کشاکش کا پورا آئینہ دار ہے۔

قورقود خان عثمان

قورقود خان ابن سلطان بایزید ثانی عثمانی ترکی کے سلاطین عثمانیہ میں سے ہیں، آپ زبردست عالم تھے، چناں چہ آپ کے فتاوے "فتاویٰ قورقودخانیہ" کے نام سے کتابی شکل میں مدون ہیں، ۹۱۸ھ میں آپ قتل کیے گئے۔(کشف الظنون۔ج۲۔ص۱۷۰)

شیخ عبداللہ بیابانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سماء الدین دہلوی متوفی ۹۰۱ھ کے صاحبزادے ہیں، زہّاد وقت سے تھے،

ابتداء میں شادی کر لی تھی، مگر پھر اس سلسلہ کو معرفت میں حائل پا کر رضامندی کے ساتھ بیوی سے مفارقت حاصل کر لی، ہر نماز کے لیے غسل فرماتے اور کپڑے دھلا ہوا پہنتے تھے۔

بادشاہِ وقت نے کچھ لوگوں کو کسی معاملہ میں قید کیا، قیدیوں میں سادات کی ایک جماعت بھی تھی، حضرت شیخ عبداللہ بیابانیؒ نے بادشاہ کے یہاں خود کہا کہ ''ان سادات کو چھوڑ دو'' بادشاہ نے آپ کی درخواست منظور نہ کی، آپ نے فرمایا ''جس شہر کا تو بادشاہ ہے، اُس میں سکونت حرام ہے'' اس کے بعد آپ وہاں سے نکل کر مقام ''مندو'' چلے گئے، بادشاہ نے ایک مرتبہ آپ کو مندو دیکھ لیا، بطور ہدیہ کے کچھ چیزیں آپ کے پاس بھیج دیں، مگر آپ نے انکار کر دیا اور کہا کہ تیری ان چیزوں کی مجھے ضرورت نہیں ہے، البتہ اپنے فلاں حاکم کو حکم دے دو کہ مجھ کو فلاں بیابان میں رہنے دے، مجھ پر کوئی ظلم و ستم نہ کرے، چناں چہ آپ نے مندو کے ایک گاؤں میں جا کر پناہ لی اور بیابانی کہلائے، آپ کا مزار مقدس بھی اسی گاؤں میں ہے۔ (اخبار الاخیار۔ ص ۲۱۳)

عبدالرحمٰن بن علی اماسی رحمۃ اللہ علیہ

تمام علوم وفنون میں ماہر تھے، ''مؤیدزادہ'' کے لقب سے مشہور تھے، علوم عقلیہ، نقلیہ اور تفسیر وحدیث میں مہارت رکھتے تھے، بڑے بڑے علمی سفر کیے، سلاطین روم کے یہاں آپ کی بڑی قدر ومنزلت تھی، شعبان ۹۲۲ھ میں انتقال فرمایا۔

عہد شباب ہی میں اپنی قابلیت کی وجہ سے سلطان بایزید خان کے مصاحبین میں ہو گئے تھے، یہ بات حاسدوں اور چغل خوروں سے نہ دیکھی جا سکی، چناں چہ بایزید خان کے باپ سلطان محمد خان کے پاس آپ کے خلاف طرح طرح کی شکایتیں پہنچائی گئیں، جن سے متاثر ہو کر سلطان محمد خان نے آپ کے قتل کر دینے کا حکم دے دیا، مگر بایزید خان نے خفیہ آپ کو حدود سلطنت سے نکال کر بلادِ حلب کی طرف بھیج دیا، پھر حلب سے عجم کے دوسرے شہروں میں روپوشی کے ایام گزارتے رہے اور علوم حاصل کرتے رہے، جب سلطان بایزید خان کا زمانہ آیا تو

پھر آپ لوٹ کر ترکی گئے۔ (الفوائد البہیہ۔ص ۳۵)

مولانا امیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ جودتِ طبع، استقامت ذہن کے ساتھ ساتھ سرتاجِ شعراء بھی تھے، طہران میں پیدا ہوئے، ۹۳۰ھ میں قتل کیے گئے۔

میر عبدالباقی اور خواجہ حبیب اللہ ایران کی دولت صفیہ شاہ اسماعیل صفوی کے ارکان سے اور مولانا امیری سے تعلقات تھے، کسی معاملہ میں مولانا امیری کے اور شاہ قوام الدین نور بخشی کے مابین شکر رنجی ہوگئی اور شاہ قوام الدین نور بخشی نے موقع پا کر مولانا کو ۹۳۰ھ میں قتل کر دیا۔ (مفتاح التواریخ۔ص ۱۴۳)

مولانا ہلالی استر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

ایام جوانی میں ہرات گئے اور امیر علی شیر سے اچھے تعلقات قائم ہوئے، آپ کے غزلیات کا دیوان بھی ہے، جو نہایت فصیح و بلیغ ہے، ۹۳۹ھ میں قتل ہوئے۔

جب ۹۳۰ھ میں عبداللہ خان ازبک نے بلادِ خراسان پر قبضہ کیا تو مولانا ہلالی کو خوب نوازا، جس کے باعث حاسدین کی نظر میں آپ خار بن گئے، لوگ ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑ گئے اور سازش یہ کی کہ سب جمع ہو کر عبداللہ خان ازبک کے پاس گئے اور مولانا پر رفض کا بہتان لگایا، عبداللہ خاں شیعوں میں سنیت نوازی کے لیے مشہور تھا، جب خان نے مولانا کے متعلق یہ بات سنی تو حقیقت حال کی تفتیش کیے بغیر آپ کو قتل کرا دیا، قاتل کا نام سیف اللہ تھا۔

(مفتاح التواریخ۔ص ۱۴۵ھ)

قاضی شمس الدین کورانی رحمۃ اللہ علیہ

روم کے بادشاہ سلطان محمد خاں نے ایک بار اپنا ایک مراسلہ بروسہ کے قاضی مولانا

شمس الدین کورائیؒ کی خدمت میں بھیجا، اس خط میں کوئی بات خلاف شرع درج تھی، قاضی صاحب دیکھ کر اتنا برافروختہ ہوئے کہ فرمانِ سلطانی کو پھاڑ کر پھینک دیا اور قاصد کو باہر نکال دیا، جب سلطان محمد خاں کو یہ خبر لگی تو بہت غصہ ہوا اور مولانا شمس الدین کو عہدۂ قضا کے ساتھ ساتھ زمین روم کو بھی خیر باد کہنا پڑا اور حدودِ غیر میں جا کر پناہ لی۔ (شقائق نعمانیہ۔ج ا۔ص ۹۱)

رمضان تیروی

قاضی رمضان تیروی ''ممک زادہ'' کے لقب سے مشہور ہیں، آپ اپنے ہی غلاموں کے ہاتھوں ۹۶۰ھ میں مقتول ہوئے۔ (کشف الظنون۔ج ا۔ص ۵۱۲)

مولانا شمس الدین کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

۹۵۰ھ میں کشمیر کا فرماں روا حسین شاہ چک کشمیر تھا، وہ شیعہ تھا، اس نے بہت سے علماء اہل سنت کے خوں سے اپنا ہاتھ رنگا، اکثر اہل سنت کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب بھاگ آئے، مولانا شمس الدینؒ کو اس نے شہید کیا۔ (مشاہیر کشمیر۔ص ۶۱)

قاضی فیروز رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی کشمیر کے علماء اہل سنت میں سے تھے، حسین شاہ چک کشمیر نے دیگر علماء کے ساتھ آپ کو شہید کرا دیا تھا۔ (مشاہیر کشمیر۔ص ۶۱)

شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مشائخ قادریہ میں سے ہیں، بڑے صاحب کمال و صاحب حال تھے، بہت سی کرامتیں مشہور ہیں، ابتداء میں علوم ظاہری حاصل کیے، پھر مشرب عشق و محبت غالب آ گیا، بلیات

ومصائب کے برداشت کرنے میں ثابت قدم اور صاحب عزیمت تھے، ۹۴۹ھ میں وصال ہوا۔

ایک مرتبہ ایک سید صاحب گرفتار ہو گئے، جب شاہ عبدالرزاق نے ان کو اس حال میں دیکھا تو رحم آ گیا اور ان کی ضمانت کر کے کہا کہ ''آپ شہر سے باہر نکل جائیں، میں آپ کی جگہ قید کاٹ لوں گا'' اس سلسلہ میں آپ کے سر پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے، آپ نے بڑی ثابت قدمی سے تمام تکلیف برداشت کی، مگر اپنے کو ظاہر نہ کیا کہ میرا نام فلاں ہے اور میں فلاں ہوں۔ (اخبار الاخیار۔ ص ۲۳۷)

شیخ علائی رحمۃ اللہ علیہ

آپ سید محمد جونپوری مہدی کے خلفاء میں سے تھے۔ سلطان سلیم نے شیخ علائی کا معاملہ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری کے حوالہ کر دیا، شیخ اس وقت سخت بیمار تھے، گلے میں ایک بہت بڑا زخم تھا، مخدوم الملک نے حکم دیا کہ شیخ کو کوڑے لگائے جائیں، جلاد نے تیسری ہی ضرب لگائی تھی کہ اس شہید حق کی روح پرواز کر گئی، افسوس کہ مرنے کے بعد بھی ظالموں کو تسکین نہ ہوئی، بدایونی لکھتے ہیں کہ ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر نعش کو چروایا گیا اور اس کے بعد ٹکڑوں کی تمام لشکر میں تشہیر کی، پھر حکم دیا کہ دفن نہ کیا جائے اور اس غرض سے پہرہ بٹھا دیا گیا، یہ واقعہ ۹۵۷ھ کا ہے، ''ذاکر اللّٰہ'' اور ''سقاھم ربھم شرابا'' تاریخ شہادت ہے۔

(تذکرۂ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ص ۶۱)

شیخ عبداللہ نیازی رحمۃ اللہ علیہ

سلیم شاہ سرحدی افغانوں کی شورش کا حال سن کر پنجاب کی جانب روانہ ہوا، جب بیانہ کے قریب لشکر شاہی پہنچا تو مخدوم الملک نے موقع کو غنیمت سمجھا اور سلیم شاہ سے کہا ''از فتنۂ صغیر کہ عبارت از شیخ علائی باشد چندے خلاصی یافتیم، اما فتنۂ عظیم ہنوز برپا است'' یہ سن کر سلیم شاہ نے پوچھا وہ کون ہے؟ جواب دیا ''شیخ عبداللہ نیازی جو کہ بیانہ میں مقیم ہے اور شیخ علائی کا پیر

ہے''، سلیم شاہ نے میاں بہوہ لوحانی حاکم بیانہ کو حکم بھیجا کہ فوراً شیخ کو حاضر کرو، میاں بہوہ شیخ کا مرید تھا، اس نے شیخ کو بہت سمجھایا کہ آپ یہاں سے راتوں رات نکل جائیں، میں کوئی بہانہ کرلوں گا، لیکن شیخ نے کہا ''ارادۂ خداوندی درحال واستقبال وآن جاواین جابرابرست تاہر چہ مقدرست خواہد رسید'' اس نے مجبوراً شیخ کو ساتھ لیا اور لشکر شاہی میں دونوں پہنچے، سلیم شاہ سوار کوچ کے لیے تیار تھا، شیخ عبداللہ جب سامنے پہنچے تو بے باکانہ گردن اٹھائے ہوئے جا کر کھڑے ہوگئے اور ''السلام علیکم'' کہا، میاں بہوہ کسی نہ کسی طرح سلیم شاہ کے غیظ وغضب سے ان کو بچانا چاہتا تھا، گردن پکڑ کر جھکادی اور کہا ''بادشاہوں کو یوں نہیں یوں سلام کرتے ہیں'' اس پر شیخ نے گرج کر کہا ''جو سلام کہ سنت ہے اور صحابہ اللہ کے رسول کے سامنے کیا کرتے تھے، یہی ہے اس کے سوا میں اور کوئی سلام نہیں جانتا'' اس پر سلیم شاہ نے غضب ناک ہو کر اشارہ کیا اور لشکر نے لاٹھیوں، کوڑوں، مکوں اور لاتوں سے پیٹنا شروع کردیا، یہاں تک شیخ بے ہوش ہوگئے، جب تک ہوش رہا یہ آیت وردِ زبان رہی:

''ربّنا افرغ علینا صبراً وثبّت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین''۔ (سورہ بقرہ۔ پ۲۔ آیت ۲۵۰)

یارب ہم کو صبر کی فراوانی دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہم کو فتح دے۔

جب سلیم شاہ نے شیخ کو یہ پڑھتے دیکھا تو پوچھا ''کیا کہتا ہے؟'' مخدوم الملک سلطانپوری نے کہا ''شمارا کافر می گوید'' (آپ کو کافر کہتا ہے) اس پر اس کو اور زیادہ طیش آیا اور جب تک موت کا یقین نہیں ہوگیا، برابر زدوکوب کا حکم دیتا رہا، حتیٰ کہ آپ شہید ہوگئے۔

(تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ص ۶۲)

خواجہ منصور شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو شاہ منصور بھی کہتے ہیں، حساب، تدبر اور حکمت وصنعت کے کاموں میں ماہر تھے، اکبر کے دربار میں تمام درباری سے قدر ومنزلت میں بڑھے ہوئے تھے، حتیٰ کہ وزارت

کے عہدے پر فائز ہو گئے اور یہی بلندیٔ اقبالی موت کا باعث بنی۔

جب آپ وزیر بن گئے تو حاسدین نے آپ کی جانب سے ایک خط مرزا محمد حکیم برادر اکبر کو جو اُن دنوں کابل سے لاہور کی تسخیر کا ارادہ کر رہا تھا لکھا، راجہ ٹوڈرمل اور دیگر اہل دربار آپ کی سخت گیریوں سے سخت نالاں تھے، ان لوگوں کی کوشش سے ان کی حلق سے زبان کھینچنے کا حکم ہوا اور سرائے کوٹ کھجوہ کے قریب فرمان روایانِ سلطنت کے ہاتھوں آپ کی زبان حلق سے کھینچ لی گئی۔ یہ واقعہ ۲۳ محرم ۹۸۰ھ کا ہے۔ اسی سال جب اکبر بادشاہ اپنے بھائی مرزا محمد حکیم کی تنبیہ کے لیے کابل گیا اور لوگوں سے شاہ منصور کے حالات معلوم کیے تو ان کا جرم ثابت ہوا بلکہ معلوم ہوا کہ شاہ منصور کے نام سے جو خطوط مرزا محمد حکیم کے پاس جاتے تھے، سب کے سب خود ساختہ اور جعلی تھے، تو بادشاہ نے ان کے ناحق قتل پر افسوس کی، اس واقعہ سے پہلے کسی نے آپ کے متعلق یہ نظم کہی تھی:

شاہ منصور فارسی کہ بود — دائم آزارِ مرد ماں کارش
زیں عمل عنقریب می بینم — ہمچو منصور برسر دارش

چناں چہ آپ کی تاریخ وفات بھی ''ثانی منصور حلاّج'' ہے۔ (مفتاح التواریخ۔ ص ۱۸۹-۱۹۰)

ملک شیخ زین الدین اور شیخ وزیر الدینؒ

یہ دونوں بھائی شرفاء زمانہ اور صلحائے امت سے ہیں، ان کے آباء پہلے زمانے سے بادشاہوں کی خدمت میں رہا کرتے تھے، خیرات وصدقات میں آپ دونوں بہت آگے تھے، شیخ زین الدین قرآن مجید کی تلاوت ہمیشہ کھڑے کھڑے کیا کرتے تھے، سینہ سے بلند ایک رِحل بنوائی تھی، جس پہ قرآن مجید رکھ کر پڑھتے رہے، ایک رسّی چھت سے باندھ کر لٹکا دیتے، جب رات کو نیند کا غلبہ ہوتا تو رسّی کا پھندہ اپنی گردن میں ڈال لیتے، گھر کے تمام متعلقین اور نوکروں کو آدھی رات کو اٹھا دیتے، جو چاشت تک تہجد، ذکر واذکار اور تلاوت میں مشغول رہتے، اسی وجہ سے چاشت تک ساری گفتگو اشاروں ہی سے ہوا کرتی تھی۔

دونوں بھائی قرآن مجید کا ختم کرایا کرتے اور ہر چہار شنبہ کو باقاعدہ غسل کرتے اور عبادت کے بعد خدا سے دعا کرتے کہ ہم دونوں کو شہادت کا درجہ نصیب ہو، چناں چہ اللہ نے دونوں بزرگوں کی دعا قبول فرمائی۔

۹۲۶ھ میں شیخ زین الدین کوان کے ایک خادم نے دودھ میں زہر دے دیا، جس سے آپ شہید ہوگئے اور ۹۳۲ھ میں دوسرے بھائی شیخ وزیرالدین ابراہیم کے ہمراہ شہید ہوئے، آپ دونوں بھائیوں کے مزارات دہلی میں ہیں۔ (اخبارالاخیار۔ص ۲۲۶-۲۲۷)

علامہ محمد طاہر بن علی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محمد طاہر پٹنی گجراتی کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل عطا فرمایا تھا، لہٰذ والہ میں ۹۱۴ھ میں پیدا ہوئے، ہندوستان میں استاذِ زمانہ علامہ مہتہؒ، مولانا ناگوریؒ، شیخ برہان الدین سمہودیؒ اور مولانا یداللہ سوہیؒ وغیرہ سے علم حاصل کرکے، حرمین شریفین جاکر شیخ ابوعبیداللہ زبیدی، سید عبداللہ عدنیؒ، شیخ عبیداللہ حضرمیؒ، شیخ جاراللہ مکیؒ، علامہ ابن حجر مکیؒ، شیخ برخوردار مکیؒ اور امام علی متقی ہندی سے علوم وفیوض حاصل کیے، آپ کی تصنیفات علماء عرب وعجم کے لیے مشعل راہ ہیں، ''مجمع البحار'' اور ''تذکرۃ الموضوعات'' ممتاز درجہ رکھتی ہیں، ۹۸۶ھ میں شہید ہوئے۔

شیخ گجرات کی بوہرہ قوم سے تھے، اس قوم کی بدعات وخرافات کے ازالہ میں آپ نے کوشش بلیغ فرمائی، جس کی وجہ سے اس قوم نے اہل سنت اور اہل بدعت (شیعہ) میں فرق جانا، ۹۸۰ھ میں جب اکبر بادشاہ گجرات پر قابض ہوا تو شیخ کے پاس آیا اور اپنے ہاتھ سے شیخ کے سر پر عمامہ باندھا اور کہا ''اہل سنت کی مدد کیجیے اور بدعت کو توڑیئے'' پھر اکبر نے خان اعظم کو گجرات کا صوبہ دار بنایا گیا، خان اعظم نے ردِ بدعات کے جہاد میں شیخ کی امداد کی اور بدعات کا ازالہ کیا، پھر خان اعظم کی معزولی کے بعد عبدالرحیم خانخاناں صوبہ دار بنایا گیا، یہ شخص شیعہ مذہب کا تھا، اسی زمانہ میں سید محمد جونپوری نے اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، آپ کی قوم (بوہرہ) کے لوگ جو پٹن احمد آباد میں تھے، سید محمد جونپوری کے تابع ہوکر آپ کے مخالف بن گئے

اور خانخاناں کی امداد سے زور پکڑ گئے، جب حضرت شیخ نے دیکھا کہ حکومت کا آدمی ان لوگوں کی امداد کر رہا ہے اور بدعات ورسومات کو رواج دے رہا ہے، تو جو عمامہ اکبر نے اپنے ہاتھ سے آپ کے سر پر بدعات ورسوم کے مٹانے کے لیے باندھا تھا اس کو اپنے ہاتھ سے کھول دیا اور آپ فریادی کی حیثیت سے اکبر کے پاس گجرات سے روانہ ہوئے، اکبر ان دنوں آگرہ میں مقیم تھا، جب مہدویہ فرقہ کو آپ کے جانے کی خبر لگی تو خفیہ طور سے اس فرقہ کی ایک جماعت آپ کے پیچھے لگ گئی اور اجین اور مالوہ کے درمیان سارنگ پور کے قریب موقعہ پا کر آپ کو قتل کر دیا، یہ واقعہ ۹۸۶ھ کا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۲۷ ر سال کی تھی۔

(اخبارالاخیار۔ ص ۲۸۰ و خاتمہ تذکرۃ الوضوعات و ماثر الکرام۔ ج ا۔ ص ۱۹۴)

شیخ عبدالنبی گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے صاحبزادے ہیں، کچھ علوم ظاہری حاصل کر کے جوانی ہی میں حرمین شریفین کی زیارت کو چلے گئے، مکہ معظمہ میں کچھ احادیث پڑھیں، پھر ہندوستان لوٹ کر زہد وتصوف میں پڑ گئے، ۹۷۱ھ میں اکبر بادشاہ کی طرف سے منصب صدارت پر فائز ہوئے، بڑی عزت وشوکت اور بہت سا مال و دولت حاصل کیا، ۹۹۲ھ میں قید خانہ میں وصال ہوا، منصب صدارت پر آنے کے بعد اکبر بادشاہ ان کی بڑی تعظیم وتکریم کرتا تھا، آپ بھی لوگوں کا لحاظ ان کے منصب کے مطابق کرنے لگے، چند سال کے بعد جب آپ نے اکبر کے ''دین الٰہی'' کے خلاف بلاخوف وخطر آواز بلند کی اور اکبر کی گمراہی پر اس کو تنبیہ کی تو بادشاہ کی توجہ ہٹ گئی، صدارت سے معزول کر دیئے گئے، شیخ عبدالنبی اور ملا عبداللہ سلطانپوری مکہ بھیج دیئے گئے، پہلے ان دونوں میں اَن بَن رہا کرتی تھی، مگر اس سفر میں دونوں نے رفاقت کو بنایا، واپسی پر مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری کا گجرات میں ۹۹۱ھ میں انتقال ہو گیا اور شیخ عبدالنبی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس نے ان کو جیل خانہ میں بند کر دیا اور جو کچھ عزت وآبرو باقی تھی سب کو ذلت اور بے اعتباری نے ختم کر دیا، اسی ذلت واہانت میں جیل خانہ کے اندر ہی

۹۹۲ھ میں انتقال ہوا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے کہا ہے کہ اکبر نے آپ کو صدائے حق بلند کرنے کے صلے میں قتل کرا دیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قید خانہ ہی میں آپ کو قتل کیا گیا تھا۔

(اخبار الاخیار۔ص ۲۲۲-۲۲۳)

میر سید شمس الدینؒ، سید ابو طالبؒ اور سید شاہ محمد فیروز آبادیؒ

میر شمس الدین محمد بہت بڑے عقل مند، فاضل اور فقیر مشرب تھے، علم طب میں ماہر روزگار تھے، دنیا سے بے تعلقی اور نفرت کے سلسلہ میں دنیا کی سیر کی، صرف چند کتابیں اور تین خادم ساتھ رہتے تھے، مدتوں کابل میں رہے، سیر وسفر کرتے کرتے ہندوستان تشریف لائے، ہمایوں آپ کی بڑی عزت کرتا تھا، یہیں شہید ہوئے۔

سید ابو طالب عراق کے سادات میں سے تھے، بڑے خوبصورت، نیک سیرت نوجوان تھے، کسی مصیبت کی وجہ سے وطن چھوڑنا پڑا اور اثنائے سفر میں میر سید شمس الدین سے ملاقات ہوگئی، دینی محبت نے دونوں بزرگوں کو شیر وشکر بنا دیا، اور میر صاحب کے ساتھ ہی آپ بھی ہندوستان تشریف لائے اور ساتھ ہی شہید ہوئے۔

سید شاہ محمد فیروز آبادیؒ سلطان ابراہیم بن سکندر لودی کے زمانے میں دکن سے دہلی آئے اور اپنے کو شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نسب سے ظاہر کیا، ہمایوں بادشاہ آپ کی بڑی قدر کرتا تھا، آپ کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ بہت بڑھا ہوا تھا، بزرگی اور عزت میں ہر طرف شہرت تھی۔

میر سید شمس الدین محمد اور سید ابو طالب جس وقت ہندوستان میں آئے، تو شاہ محمد نے غایت درجہ محبت کی وجہ سے چاہا کہ یہ سادات کرام میرے ہی پاس رہیں، شاہ محمد کے چند لڑکیاں تھیں، جن کی شادی کا انتظام اس دیار میں اب تک نہ ہو سکا تھا، انہوں نے لوگوں میں کہنا شروع کیا کہ یہ دونوں حضرات میرے کفو ہیں، اگر یہ لوگ یہیں رہ جائیں تو شاید میری کوئی صورت نکل آئے، یہ سوچ کر ان دونوں کو اپنا مہمان بنایا، بڑی خاطر داری اور تواضع سے ان کے ساتھ

پیش آئے، یہ حضرات بھی مسافر ہی تھے، سوچا کہ اس سے اچھی جگہ اور کہاں ملے گی؟ وہیں ٹھہر گئے، ایک مدت کے بعد سید ابوطالب سے سید شاہ محمد نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، اس وقت یہ بات سید ابوطالب کے مزاج کے خلاف ہوئی، فرمایا کہ ہم لوگ مسافر ہیں، تجرد اور علیحدگی کی زندگی گزار رہے ہیں، اس لیے آپ ہمیں معاف رکھیے، اتفاق سے اسی دوران میں دونوں حضرات کو سید شاہ محمد کے گھر میں قتل کر دیا گیا، اس واقعہ سے لوگوں میں سخت ہیجان پیدا ہوا، کربلا کی یاد تازہ ہوگئی، لوگوں نے ان کے خوں آلود کپڑے اور سیاہ جھنڈے لے کر اِدھر اُدھر گھمایا، کوئی شخص ایسا نہ تھا جس نے اس دن اپنا کپڑا چاک نہ کیا ہو، سر پر خاک نہ ڈالی ہو، آنکھ سے خون نہ بہایا ہو اور ان کے سینوں سے آہ نہ نکلی ہو، ان دونوں بزرگوں کو حرم مدینہ منورہ میں دفن کیا گیا، یہ واقعۂ شہادت ۹۹۵ھ کا ہے۔

عوام نے اس قتل کی نسبت سید شاہ محمد کی طرف کی، تمام ماننے والے مخالف ہو گئے، دوست، احباب، معتقدین اور دور و نزدیک کے تمام لوگ برگشتہ ہو گئے، تاج خان کرانی اور شیخ فرید جو صوبہ دہلی کے دہ ہزاری تھے، اس واقعہ کی تحقیق و تفتیش کے لیے شاہ محمد کے یہاں آئے، شاہ محمد نے انکار کر دیا اور کہا کہ ”مجھے اس ناگوار واقعہ کی پہلے سے کوئی خبر بھی نہ تھی، چہ جائے کہ میں نے قتل کیا ہو یا شرکت کی ہو، یہ کام چوروں نے میرے گھر میں آ کر کیا ہے“ جب اسلام شاہ بن شیر شاہ کو اس کی خبر ہوئی کہ وہ قتل سے انکار کر رہے ہیں، تو اس نے اشارہ کیا کہ تمام صورتِ حال علمائے وقت کے سامنے رکھ دی جائے، جو اُن کا فیصلہ ہوگا، اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، چناں چہ حکم سلطانی کے بموجب دہلی، لاہور، دیارِ جونپور اور بہار کے تمام علماء جمع کیے گئے اور ان کا ایک محضر بنا، جس میں شاہ محمد نے مطلق انکار کر دیا، جس وقت شاہ محمد سر مجلس لائے گئے تو انہوں نے بھرے مجمع میں فرمایا ”جو کچھ کرنا ہو آپ لوگ کیجیے، میں ایک بے گناہ مظلوم اور اس معصیت سے بَری ہوں، بے عزت اور مظلوم ہونا اہل بیت کی قدیم سنت ہے اور ہم کو ورثہ میں ملی ہے، جو مصیبت سر پر آئے گی ہم صبر کریں گے“ شاہ محمد کی اس تقریر سے علمائے وقت ان کے بارے میں فتویٰ دینے میں مختلف ہو گئے، بہت غور و فکر کیا گیا مگر کوئی ایسا شرعی ثبوت نہ ملا جس

میں شبہہ نہ ہو اور حدود کے لیے ایسا ہی ثبوت ضروری ہے، ذرا بھی شبہہ ہو تو حد جاری نہ ہو سکے گی، شیخ اَمان پانی پتیؒ نے تو یہ کہہ کر اس مجلس میں جانے سے انکار کر دیا کہ ''معرکۂ اہل بیت میں پہنچ کر ان کو ذلیل وخوار کر کے دوزخ میں کیوں قدم رکھ دیں، اُن دونوں کا قتل افسوس کی بات ہے، اب اِن کو ذلیل کرنا دوسری افسوس کی بات ہوگی، اُن کے قتل سے جگر کا خون ہو رہا ہے اور اس کو ذلیل ورسوا کرنے سے بھی دل کانپ رہا ہے، بہت سے جنات اس قسم کے کام کیا کرتے ہیں، معاذ اللہ شاہ محمد ایسی معصیت نہیں کر سکتے''۔

بہر حال علماء کے نزدیک شاہ محمد کا قتل کرنا ثابت نہ ہو سکا، مگر پھر بھی مدتوں ان کے خلاف ہنگامہ رہا، قید خانہ میں بند کیے گئے، ان پر کڑی نگرانی مقرر کی گئی اور جو کچھ توہین وتذلیل ان کے مقدر میں تھی اُسے پورا کرنے میں لوگوں نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، حتیٰ کہ جیل خانہ ہی میں شاہ محمد کا انتقال ہو گیا، بعض لوگوں نے ان کے انتقال کے بعد ان کی نعش کے ساتھ بے حرمتی کی، اُن کا پاؤں باندھ کر بازار میں گھسیٹا اور لاش کو ایک گلی میں ڈال دیا، قلعۂ دہلی کے نیچے مدفون ہیں۔ (اخبار الاخیار۔ص ۲۰۹-۲۱۰)

احمد بن یحییٰ مفید

شیخ الاسلام احمد بن یحییٰ بن محمد مفید محشی تلخیص المفتاح ۹۰۶ھ میں شہید ہوئے۔

(کشف الظنون۔ج ۱۔ص ۳۲۶)

مولیٰ لطف اللہ توقانی

آپ نے تلخیص المفتاح کی ایک تلخیص بنام ''تلخیص التلخیص''، لکھی ہے، ۹۶۰ھ میں شہید ہوئے۔ (کشف الظنون۔ج ۱۔ص ۳۲۷)

علامہ شاہ وجیہ الدین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ صاحب کا نام احمد ہے، مگر وجیہ الدین کے لقب سے مشہور ہیں، باپ کا نام قاضی سید نصر اللہ بن قاضی سید عماد الدین ہے۔ سلسلۂ نسب امام محمد تقی تک پہنچتا ہے، آپ کے اجداد میں سے سید بہاء الدین ایک دن کعبہ میں معتکف تھے، بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''ہند کے صوبہ گجرات میں جا کر خلق کی ہدایت کرو'' جناب شاہ صاحب ۲۴ محرم ۹۱۰ھ کو مقام چانپانیر (گجرات) میں پیدا ہوئے، ۷ برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا، سید شمس الدین سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، ماموں سید ابوالقاسم سے حدیث پڑھی، علامہ محمد بن محمد مکی سے حدیث کا اختتام کیا، محقق دوانی کے شاگرد مولانا عماد الدین طارمی جو چند واسطے سے علامہ میر سید شریف جرجانی ۸۱۶ھ سے نسبت رکھتے تھے ان سے علوم عقلیہ علمیہ حاصل کیے، حضرت سید محمد غوث گوالیاری کے مرید تھے، تلویح اور شرح مواقف وغیرہ کے حواشی لکھے، ۲۹ محرم ۹۹۸ھ بروز یکشنبہ صبح صادق کے وقت واصل بحق ہوئے، اس وقت عمر ۸۸ برس کی تھی، اکثر اوقات لوگ اپنی امانتیں آپ کے یہاں رکھ جاتے اور بوقت ضرورت لے جاتے، اس طرح آپ کے مکان میں قیمتی امانتوں کا خزانہ جمع ہو گیا تھا، ۹۸۱ھ میں ایک عجیب واقعہ ظاہر ہوا آپ کے محلّہ میں ایک غریب مغل رہتا تھا، جس کی ملاقات اسی خانوادہ کی کسی خادمہ سے تھی، ایک دن اس خادمہ نے اس کو اس راز سے آگاہ کر دیا، اس مغل نے کوتوال شہر کو اس شرط پر بتانے کا وعدہ کیا کہ اس میں سے اس کا بھی حصہ مقرر کیا جائے، کوتوال نے اپنے نائب میر علاء الدین کو تحقیقات کے لیے بھیجا، اس نے مکان سے قیمتی موتی، جواہرات، زیورات اور بے شمار سونے کے سکے برآمد کیے، واپسی پر حضرت شاہ صاحب کو اپنے گھوڑے کے آگے آگے پیدل دوڑا کر دیوان تک لایا، عوام اور خواص نے آپ کی اس تکلیف کو محسوس کیا، دیوان میں بڑے بڑے امراء موجود تھے، جن کو اس واقعہ کی مطلق خبر نہ تھی، جب مجلس کے کنارے حضرت شاہ صاحب پہنچے تو سید میران بخاری، مرزا مقیم، سید عبد الرحمٰن اور شاہ ابوتراب شیرازی وغیرہ

تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے، تمام امراء مغل نے بھی ان حضرات کی تقلید کی، جب حضرت شاہ صاحب سے حاکم نے سوالات کرنے کا ارادہ کیا تو سید میراں بخاری آپ کی بغل میں بیٹھ گئے، تا کہ بوقت ضرورت امداد کر سکیں، یہ دیکھ کر حاکم نے صرف ایک ہی سوال پر اکتفاء کیا کہ ''منادی نے ڈھنڈھورا سارے شہر میں پیٹا تھا، کیا آپ کو اس کی خبر نہیں ملی؟'' مطلب یہ کہ سرکار کی طرف سے اعلان کر دیا گیا تھا کہ کوئی باغی کو پناہ نہ دے، نہ ان کے امداد کرے اور نہ ان کا مال واسباب اپنے پاس رکھے بلکہ تمام مال سرکاری خزانہ میں داخل کر دے، یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اوّل تو مجھ کو اس کا علم نہیں ہے، دوسرے شریعت میں یہ جائز نہیں ہے کہ امانت کو ظاہر کر کے ضائع کر دیا جائے، حاکم نے اس جواب کے بعد آپ کو رخصت کر دیا، سید بخاری اپنی سواری پر آپ کو آپ کی مسجد تک لائے اور کچھ دیر تک تسلی دیتے رہے، حضرت شاہ صاحب کئی دن تک اس واقعہ سے مضطرب رہے اور درس ملتوی کر دیا، اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد وزیر میر علاء الدین اسی حاکم کے ہاتھ سے رسی میں بندھوا کر مارا گیا اور وارثوں کی فریاد پر خود حاکم بھی قصاص میں قتل ہوا، اور مرزا عزیز ''کوکلتاش'' ملقب بہ خان اعظم جو اس صوبہ کا حاکم اعلیٰ تھا معتوب سلطانی ہو کر ایک باغ میں گوشہ نشین ہو گیا۔

(معارف۔فروری ۱۹۳۳ء ، ظفر الوالہ بمظفر الہ۔ج ۲۔ص ۶۰۵۔لندن)

شیخ بہلول

آپ شیخ محمد الملقلب بہ غوث متوفی ۹۶۷ھ کے بھائی ہیں، شیخ محمد کے توسط سے ہمایوں بادشاہ شیخ بہلول کا بھی معتقد ہو گیا تھا اور اس سلسلے سے بڑے جاہ و مرتبہ کو پہنچے تھے، آخر کار مرزا ہندال کے ہاتھوں شہید ہوئے، آپ کا مزار بیانہ کے قلعہ کے دروازے پر ہے۔

(اخبار الاخیار۔ص ۲۵۴)

ملا فیروز کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ''سچا گنائی'' کے لقب سے مشہور ہیں، عنفوان شباب میں حرمین شریفن کی زیارت سے واپس آ کر بدایوں میں تحصیل علم میں کوشش فرمائی اور بالآخر تائید غیبی سے دولت علم سے مالا مال ہوئے، آپ کو فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ میں کمال حاصل تھا، کشمیر کے مفتی تھے، میر حمزہ کشمیری کے مرید تھے، سید شاہ والی کشمیر کے عہد میں شیعوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، آپ کی شہادت ۹۷۳ھ میں ہوئی۔ (تذکرہ علمائے ہند۔ص ۱۶۶)

گیارہویں صدی ہجری

فتنے اور تحریکیں

۱۰۱۴ھ میں شہنشاہ اکبر کا انتقال ہوا، اس کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے جہاں گیر نے تخت حکومت پر قدم جمائے اور ابتداء میں اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا رہا، وہی فتنے، وہی عیاشیاں اور حرام کاری وعیاری ہر طرف عام تھی، حلت وحرمت میں کوئی تمیز نہ تھی، رواداری کے پردے میں اسلامی اصول وفروع سے عام بے پروائی تھی، فتنۂ رفض کا زور تھا، ہنود ہر طرف سر اٹھائے ہوئے تھے، اربابِ خانقاہ اپنی خرمستیوں میں دین وایمان سے بے خبر تھے، علمائے سوء اور علمائے حق کے درمیان چپقلش جاری تھی۔

سر برآوردگانِ ظلم وستم

وہی درباری نمک خوار، من چلے اربابِ علم وفن، اور جانشینانِ ابوالفضل وفیضی اس دور کے تمام فواحشات اور ظلم وستم کے ہیرو ہیں، جنہوں نے جہاں گیر کی اصلاح کے بجائے اس کے دل ودماغ کو بداعتقادی کے جال میں الجھا دیا تھا۔

مددگارانِ حق وصداقت

اکبر کی بدتمیزی کے زمانہ میں حضرت مجدد صاحب کی جوانی کا دور تھا، آپ نے اصلاحی پروگرام اسی زمانے میں شروع کر دیا تھا، مگر عہد جہاں گیر میں آپ نے کھل کر فتنوں کا مقابلہ شروع کر دیا، علی الاعلان ان بدتمیزیوں کے خلاف تحریر وتقریر سے جہاد کرنے لگے، اپنے مریدوں کو اس کے مقابلہ کے لیے تیار کیا، جس کے صلے میں دو سال تک آپ جیل خانہ میں بند رہے اور جیل خانہ کو دارالعلم، خانقاہ اور ملجائے اُنس وسکون بنایا، اور آخر میں خود جہاں گیر آپ کے دست اقدس پر بیعت ہوا۔

علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی ''مآثرالکرام'' (سرورِ آزاد) میں شیدا فتح پوری کے

تذکرے میں کہتے ہیں:

''الحق در عہد اکبر بادشاہ و جہاں گیر	در حقیقت اکبر اور جہاں گیر کے دور
بادشاہ دہنے در بنیاد اسلام راہ یافتہ	میں اسلام کی بنیاد میں دراڑ پیدا ہوئی،
صاحبقران ثانی (شاہ جہاں) از سرنو	شاہ جہاں نے نئے سرے سے قوانین
مؤسّس قوانین شریعت	شریعت کی اساس کو مستحکم کیا اور اورنگ
شد و سلطان اورنگ زیب عالم گیر	زیب عالم گیر نے اس کام کو انجام تک
متمم، واین ہر دو بادشاہ غفران پناہ حق	پہنچایا، ہندوستانی مسلمانوں پر ان
عظیم بر اسلامیان ہند ثابت کردہ	دونوں بادشاہوں کا بہت بڑا حق و
اند۔ (ج ۲۔ص ۸۳)	احسان ہے۔

شاہ موسیٰ

ایک درویش تھے، جو ۱۰۱۰ھ میں شہید ہوئے، یہ نہ معلوم ہوسکا کہ کس وجہ سے شہید کیے گئے، تاریخ شہادت یہ ہے:

شجاعِ ملکِ ملت شاہ موسیٰ — بہ میدانِ شہادت چوں علم زد

زرُوئے صدق شمس الدیں محمد — قتیل عشق تاریخش رقم زد

(مفتاح التواریخ۔ص ۲۰۵)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

قطب الاقطاب مجاہدِ اعظم، حضرت شیخ بدرالدین احمد فاروقیؒ ۱۴؍شوال ۹۷۱ھ میں بمقام نوسوا کھتر پیدا ہوئے، ۱۷؍سال کی عمر میں ظاہری و باطنی علوم و کمالات سے فارغ ہوئے، اکبر اور جہاں گیر کے مقابلہ میں اس فقیر نے شہنشاہی کا پانسہ پلٹ دیا، ۱۰۳۴ھ میں بہ عمر ۶۳؍سال اپنے وطن سرہند (پٹیالہ) میں واصل بحق ہوئے۔

اقتدار کے دیوتاؤں نے موقع پا کر حضرت مجدد صاحب کے خلاف خفیہ سازش کی اور آپ سے جہاں گیر کو یہ کہہ کر بدظن کر دیا کہ ''شیخ احمد دربار کے طریقوں کو خلاف شریعت کہتا ہے، زمیں بوسی، درشن اور کورنس وغیرہ کو کفر وشرک کے مراسم کہہ کر ان کو حرام قرار دیتا ہے، عام مسلمان اس اشتعال سے متاثر ہوتے جاتے ہیں، خطرہ ہے کہ اگر یہی لیل ونہار رہا اور شیخ احمد کو کچھ اور مہلت دے دی گئی تو وہ اتنی قوت جمع کرلے گا کہ اس سے مقابلہ سخت مشکل ہو جائے گا'' چوں کہ اس سے پہلے جہاں گیر زمیں بوسی کا انکار شیخ کی طرف سے دیکھ چکا تھا، اس لیے دوسرے الزاموں کی بھی تصدیق کی اور حضرت مجدد صاحب کی گرفتاری کا حکم دے دیا، چناں چہ مجدد صاحب گرفتار کر کے گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیئے گئے۔

جیل خانہ میں پہنچ کر آپ کو خلوت کا موقع نصیب ہوا، آپ نے ان ہزاروں انسانوں کی حالت پر غور کرنا شروع کیا، جو اخلاقی جرائم کی سزا میں جیل خانہ میں پڑے تھے اور آپ کی رشد وہدایت اور نصیحت نے ان کے دلوں کو موہ لیا، رفتہ رفتہ اصلاح اور وعظ ونصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جیل خانہ خانقاہ بن گیا۔

آپ کے قید خانہ میں پڑنے کے دو سال بعد جہاں گیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ دانتوں میں انگشت مبارک دبائے ہوئے فرماتے ہیں: ''جہاں گیر! تو نے کتنے بڑے شخص کو گرفتار کرلیا ہے'' جہاں گیر جب خواب سے بیدار ہوا تو فوراً مجدد صاحب کی رہائی کا حکم دیا اور اپنی بارگاہ میں آپ کو طلب کیا۔

اس قید و بند کے سلسلہ میں حضرت مجدد صاحب کا یہ قول سننے کے قابل ہے:
''بادشاہوں کے لیے بددعا مخلوق کے لیے بددعا ہے، جو بادشاہ کو نقصان پہنچائے میں اس سے بیزار ہوں، بادشاہ نے میرا کچھ نہیں بگاڑا، اگر قید وبند کے یہ امتحانات نہ ہوتے تو میں جیل کے ہزاروں بدنصیبوں کو راہِ راست پر کیسے لاسکتا؟ اور درگاہِ ایزدی میں میرے مراتب کس طرح بلند ہوتے؟''۔ (انوار احمدیہ۔ ص ۱۳)

عبدالرحمٰن بن عیسیٰ عمری

آپ حنفی المشرب تھے، مکہ مکرمہ کے مفتی تھے، ۱۰۳۷ھ میں قتل کردیئے گئے۔

(کشف الظنون۔ ج ا۔ص ۱۹۳)

مُلّا شاہ بدخشی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میاں میر لاہوریؒ کے مرید وخلیفہ تھے، بدخشاں کے رہنے والے تھے، تحصیل علم کے سلسلہ میں کابل آئے اور وہاں سے ایک تاجر کے ساتھ ہندوستان آئے اور میاں میرؒ کی خدمت میں رہ گئے، کہتے ہیں کہ عبادت وریاضت کے سلسلہ میں تیس سال تک نہ سوئے، ۱۰۷۰ھ میں وصال ہوا، لاہور میں مزارِمقدس ہے۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد کشمیر چلے گئے، شاہ جہاں اور داراشکوہ آپ کے معتقد تھے، آپ نے کوہِ سلیمان کے برابر کوہِ ماران کے دامن میں نہایت پرتکلف ایک باغ لگایا اوراس کا نام چشمہ شاہی رکھا، اس باغ میں جس مقام پر پہاڑ سے آبشار گرتا تھا اسی جگہ آپ رہا کرتے تھے، جب بادشاہ کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو اپنی لاٹھی ہاتھ میں لی اور بیابان کو چل دیئے، اس سے شاہ جہاں کا اعتقاد آپ کے بارے میں اور بڑھ گیا، وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ''ہندوستان میں دوشاہ ہیں، ایک میں اور دوسرا شاہ مُلّا'' شاہ جہاں کی گرفتاری اور داراشکوہ کے قتل کے بعد آپ پر الحاد و بے دینی کا الزام لگایا گیا، یہ زمانہ عالم گیرؒ کا تھا، اس اتہام سے متاثر ہوکر عالم گیر نے آپ کو کشمیر سے جبراً وکرہاً طلب کیا، حضرت ملا شاہ بدخشانی مجبور ہوکر لاہور تک آئے، کشمیر سے لاہور آتے ہوئے راستہ میں ایک رباعی کہی جو سلطان عالم گیر کے جلوس کی تاریخ میں تھی، اس رباعی کو لاہور آکر دہلی کے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا، جب عالم گیر نے اس رباعی کو پڑھا تو ملا شاہ کو حاضری کی تکلیف سے معاف کردیا اور حکم دے دیا کہ آپ لاہور ہی میں قیام فرمائیں۔ (مفتاح التواریخ۔ص ۲۶۸)

غازی کمال الدین بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

''از جملہ اصحاب حال وارباب کمال بودہ است اصلش از قصبہ بانگرمئو من توابع لکھنؤ است'' آپ نہایت ہی صالح اور ظاہری و باطنی اخلاق سے مزیّن تھے، چوں کہ آپ کے صاحبزادے بانگرمئو میں تعلیم حاصل کررہے تھے، اس لیے انہیں چھوڑ کر خود بلگرام چلے آئے تھے، ایک دن کفار نے بلگرام کے مسلمانوں پر حملہ کردیا، تمام مسلمان مقابلہ کے لیے باہر نکلے، انہیں کے ساتھ حضرت غازی کمال الدین بھی آئے، ایک کافر کی تلوار سے آپ کا سر مبارک تن سے جدا ہوگیا، آپ گھوڑے پر سوار تھے، لکھا ہے کہ آپ نے بہ حالت سواری ایک ہاتھ میں اپنا نیزہ سنبھالا اور دوسرے میں اپنا سر مبارک، اور اسی حالت میں شہر کی طرف چلے، جو لوگ جنگ کا تماشا دیکھنے آئے تھے ان میں ایک شخص نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ ''دیکھو ایک آدمی اپنا سر ہاتھ میں لیے چلتا آرہا ہے'' یہ سنتے ہی آپ نے نیزہ ہاتھ سے چھوڑ دیا اور خود گھوڑے سے اتر کر اپنی جان، جانِ آفرین کے حوالے کردی، نیزہ کی لکڑی سے وہاں ایک بہت بڑا درخت اُگ گیا، آپ کا مزار مبارک بھی اسی مقام پر مرجع خلائق ہے۔ (مآثر الکرام۔ ج ۱۔ ص ۱۴-۱۵۔ مطبوعہ مفید عام آگرہ)

بارہویں صدی ہجری

فتنے اور تحریکیں

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ اور شیعیت میں چولی دامن کا ساتھ رہا، وزارت پر ہمیشہ شیعیت قابض رہی، حضرت عالم گیرؒ کے عہد تک رفض کے جراثیم دبے رہے اور آپ کی وفات کے چالیس سال بعد شاہ عالم بہادر شاہ نے ۱۱۲۲ھ میں علی الاعلان رفض اختیا کرلیا، شیعیت کے پرچار میں بڑے بڑے ہنگامے برپا ہوئے، بادشاہ کا علماء اہل سنت سے مناظرہ ہوا، ان کو گرفتار کر کے قید و بند میں مبتلا کیا گیا، لاہور کی جامع مسجد میں سخت فساد برپا ہوا، احمد آباد میں ایک خطیب قتل کر دیا گیا، سارے ہندوستان پر چھائے ہوئے رفض کے اقتدار کے لیے آسان تھا کہ اپنے مخالف کو جلاوطن کر دے، قید و بند کی سزا دے اور قتل کرا کے شہید کر دے۔

اس صدی میں ہندوستان کے اندر خانقاہوں کا فساد بھی ایک اندوہناک حقیقت ہے، ایک زمانہ تھا کہ خانقاہوں میں انقلاب واقتدار کے پروگرام مرتب ہوتے تھے، سلاطین مغلیہ فقیروں اور درویشوں کی دعاؤں اور ان کی امداد سے ملکی فتوحات حاصل کرتے تھے، مگر ایک زمانہ یہ بھی آ گیا کہ اب ان خانقاہوں میں فسق وفجور اور ہوا وہوس کا ذکر وشغل رہنے لگا، بہادر شاہ اوّل کے زمانے میں ایران کے ایک شخص نے لاہور میں محسنؓ لخت جگر فاطمہؓ ہونے کا دعویٰ کیا، ایک اور فرقہ ''امام شاہی'' یا ''رسول شاہی'' کے نام سے پیدا ہوا، اور اسی قسم کے دوسرے بیہودہ فرقے اور مکار لوگ پیدا ہوئے اور دورِ مغلیہ کے آخری سلاطین اِن پر فریفتہ وشیدا ہو کر زوالِ دولت کا سامان بنے۔

اُس دور کے علمائے حق نے ان کے خلاف آواز صداقت بلند کر کے اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے رنج وبلا مول لیا، خود حکومت ان کی مخالفت کرتی اور وہ غنڈے بھی آزادی سے علمائے حق کے درپئے آزار رہتے۔

حکومت وسلطنت کا انحطاط بھی علمائے حق وصداقت کے لیے بڑی ابتلاء وآزمائش کا مقام ہوتا ہے، ایک طرف حکومت کا فساد وانحطاط ہوتا ہے، دوسری طرف علمائے حق کی کوشش

اصلاح وترقی ہوتی ہے اوراس آویزش میں بڑے بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں، ہندوستان میں یہ صدی اس ہنگامہ خیز کشاکش کی آئینہ دار ہے۔

شاہ عالم اپنی تمام شیعہ نوازی کے ساتھ محرم ۱۱۲۳ھ میں انتقال کرگیا، اس کے چار بیٹے تھے، چاروں میں جنگ ہوئی، تین بھائی قتل ہوئے، ان کی اولاد بھی باپ کے ساتھ یا قتل ہوئی یا گرفتار ہوئی۔

معزالدین جہاں دار شاہ کے عہد میں فسق و فجور کی گرم بازاری خوب رہی، راگ گانے، باجے اور فواحش کو خوب عروج ہوا، ''فرخ سیر'' جہاں دار شاہ کے بھتیجے (گورنر بنگال) نے حسین علی خان گورنر بہار اور سید عبداللہ گورنر الہ آباد سے ساز باز کر کے دہلی پر چڑھائی کردی اور جہاں دار شاہ قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش کے ساتھ ''فرخ سیر'' نہایت بری طرح پیش آیا اور تینوں نے عہدے تقسیم کر لیے۔

۱۱۳۱ھ میں دہلی پر مرہٹے چڑھ آئے، اسی فتنہ میں عبداللہ قطب الملک نے فرخ سیر کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور ایک مدقوق شاہزادے رفیع الشان پسر شاہ عالم کو دہلی کے تخت پر برائے نام بٹھا دیا، اس شاہزادے کے مرنے کے بعد اس کے بھائی رفیع الدولہ کو قید خانہ سے نکال کر تخت پر بٹھایا اور ۱۱۳۱ھ میں اس کے مرنے کے بعد شاہزادہ روشن اختر پسر شاہ عالم تخت نشیں ہوا، پہلے فتح پور میں قید تھا۔

حسین علی خان امیر الامراء اور عبداللہ قطب الملک نے ۱۳؍سال کے اندر کئی بادشاہ بدلے اور درحقیقت سلطنت مغلیہ کو ختم کر دیا اور شیعہ وزارت تباہی کا باعث بنی۔

دربار میں ایرانی اور تورانی پارٹیوں کا ہمیشہ مقابلہ رہا کرتا تھا، ایرانی عموماً شیعہ تھے اور تورانی عموماً سُنّی، یہ مقابلہ محمد شاہ ۱۱۶۱ھ کے دربار تک باقی رہا، اس مقابلہ کا پہلا ثمرہ دہلی پر مرہٹوں کی یورش تھا اور دوسرا ثمرہ نادرشاہ کا دہلی پر حملہ تھا (اس میں اختلاف ہے نادرشاہ کا حملہ بذات خود تھا یا ارکان دربار کی دعوت پر) نادرشاہ کی واپسی پر احمد شاہ دُرّانی کا حملہ ہوا، اس کے چند دنوں کے بعد ۱۱۶۱ھ کو محمد شاہ کی وفات ہوئی، اس کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ تخت نشیں ہوا اور

غازی الدین خاں عمادالملک شیعہ اس کا وزیر بنا۔

صفدر جنگ نے احمد شاہ بادشاہ کے خلاف، سورج مل جاٹ، راجہ بھرت پور، اندر گُسائیں اورفوجدار بادلی خاں کو بلاکر دہلی کا محاصرہ کرلیا، طرفین سے مورچہ قائم ہوا، شیعہ سُنّی بازار خوب گرم ہوا، ۶؍ماہ تک جوتی، پیزار، چھُری، کٹاری، توپ اور بندوق دارالخلافہ کے اندر باہر چلتی رہی، بعد میں صفدر جنگ صلح کر کے الٰہ آباد کی صوبہ داری پر راضی ہوگیا، ۱۱۶۷ھ میں اس کا بیٹا شجاع الدولہ باپ کا جانشیں ہوا، اس نے مرہٹوں اور انگریزوں سے مل کر روہیل کھنڈ سے روہیلوں کی حکومت برباد کردی۔

احمد شاہ ۱۱۶۷ھ میں وزراء کی چپقلش سے معزول کردیا گیا اور عزیز الدین پسر معزالدین کو عالم گیر ثانی کا خطاب دے کر تخت نشین کیا گیا اور پھر ۱۱۷۳ھ میں دھوکہ سے قتل کردیا گیا اوراسی سال شاہزادہ علی گُہر عرف شاہ عالم نے تخت دہلی پر قبضہ کرلیا۔

۱۱۷۰ھ میں پلاسی کی مشہور لڑائی ہوئی، ہندوستان کے مشہور غدار میر جعفر نے (جو سراج الدولہ کی ماں کا پھوپھا تھا) اور ایرج خاں نے (جو سراج الدولہ کا خسر تھا) انگریزوں کا ساتھ دیا اور لارڈ کلایو کو مرشد آباد کا حاکم بنادیا اور ان دونوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدم بنگال میں جمائے، میر جعفر کے داماد میر قاسم نے (جو بہ ظاہر ناظم اڑیسہ تھا) بادشاہ عالی گہر اور شجاع الدولہ (لکھنؤ) کے پاس حاضر ہوا (ان دنوں بادشاہ عمادالملک کی فتنہ انگیزی سے تنگ آ کر لکھنؤ میں مقیم تھے) اور انگریزوں سے مقابلہ کے لیے بہار لے گیا، آخر میں شجاع الدولہ اور میر قاسم میں مخالفت ختم ہوگئی، جس سے بادشاہ کو شکست ہوئی، اب شاہزادہ عالی گہر نہ دہلی کے رہے نہ بہار و بنگال کے، مجبوراً شاہزادہ الٰہ آباد آگیا اور انگریزوں سے معاہدہ کرلیا، یہ معاہدہ نجف خاں کی انگریز پرستی کا نتیجہ تھا، جو پہلے انگریزی فوج کا ملازم تھا اور آج کل شاہ عالم کا خاص اور مخلص بنا تھا، بعد کو شاہ عالم کی آخری پناہ شجاع الدولہ (لکھنؤ) نے بھی انگریزوں سے ساز باز کرلیا اور بادشاہ کی جائے قیام الٰہ آباد اور علاقہ کوڑ چکلہ انگریزوں نے اس کے حوالہ کردیا اور شاہ عالم کے لیے الٰہ آباد میں پناہ نہ رہی، نیز شجاع الدولہ میں طے ہوا کہ دونوں مل کر حافظ رحمت والیِ روہیل کھنڈ

کو ختم کر دیں اور بعد کو روہیل کھنڈ شجاع الدولہ کو دے دیں، انگریزی اقتدار بڑھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ شجاع الدولہ خود ختم ہو گیا، یہ سب کچھ ہو رہا تھا مگر سادہ لوح اور نیک دل بادشاہ شاہ عالم اب بھی شجاع الدولہ، نجف خان اور انگریزوں کو اپنا غمخوار سمجھ رہا تھا، بہر حال اب بادشاہ مرہٹوں کی امداد سے الٰہ آباد سے چل کر دہلی پہنچے اور نجف خان کو وزیر اعظم بنایا، نجف خان سیاہ وسفید کا مالک بن گیا، اس وقت آسام سے دہلی تک انگریز، میر جعفر، میر قاسم اور نجف خان کا اقتدار تھا، یہ تینوں شیعہ تھے، بادشاہ شجاع الدولہ اور نجف خان کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنا تھا۔

اندازِ ستم کوشی

شیعہ گردی، خانقاہی فساد اور احتلال سلطنت کے باعث ہر جگہ بحث ومباحثہ کا بازار گرم ہوا، مسجدیں میدان کی طرح رزمگاہ بنیں منبروں اور محرابوں میں مردانِ شر وفساد نے جوہر دکھائے، گلی، کوچوں اور بازاروں میں اوباشوں نے علمائے حق کی تذلیل وتوہین کی، لاٹھی، ڈنڈے، چھری، تلوار اور بندوق سے وار کیا گیا، قتل وغارت اور قید وبند سے بندگانِ خدا کو دوچار ہونا پڑا، مذہبی تعصب اور اوباش گردی میں جو کچھ ہونا چاہیے سب ہو کر رہا۔

سر برآوردگانِ ستم

اس صدی میں سرگروہِ فتنہ پردازاں ''شیعہ وزارت'' ہے، جس طرح خلافت راشدہ کی تباہی ابن سبا کے ہاتھوں ہوئی اور خلافت عباسیہ کی ہلاکت طوسی اور ابن علقمی کی بدولت ہوئی، اسی طرح سلطنت مغلیہ کی بربادی میر جعفر، میر قاسم، میر صادق، عماد الملک اور نجف علی خاں روافض کا شاندار کارنامہ ہے، ان میں چوں کہ نجف علی خاں وزیر اعظم عالی گہر بادشاہ کا خصوصی خیر خواہ اور انگریزوں کا معتمد علیہ تھا، اس لیے اس نے اپنی طاقت کی بدولت خوب خوب فتنہ پروری کی، اور علمائے اہل سنت کے ستانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا، خانقاہی فتنہ پرداز بھی اہل حق کے لیے کچھ کم رنج دہ نہ تھے، طریقت کے پردے میں شریعت'' کا خون کرنے والے علماء دین

کے جانی دشمن بنے تھے، کہ ان کی روٹیوں کے لیے یہ حضرات خطرناک تھے، آج بھی خانقاہ اور مدرسہ میں جو تضاد پایا جاتا ہے اسی زمانہ کی کشاکش کا نتیجہ ہے، موجودہ دور سیاست میں علماء سیاست اور اربابِ خانقاہ میں ہنگامہ آرائی اور بریلویت، دیوبندیت، سنی، وہابی کی پیداوار اسی زمانہ کی ''باقی السیّأت'' ہیں۔

مددگارانِ حق وصداقت

اس دور کی فضائے ہند بلکہ تمام عالم اسلام ملکی، ملی اور سیاسی فساد سے پُر ہے، ارباب دولت و اقتدار گرفتار ہوا و ہوس ہیں، خودغرض اور چاپلوس لوگ وفاداری، بہی خواہی اور نمک خواری کے پردے میں تخت وتاج کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔

علماء کا ایک گروہ خانقاہوں میں دنیاداری کا وظیفہ پڑھ رہا ہے، عوام بھی وقت کی ہر دو طاقت ''حکومت اور مذہبی علماء'' کی بے راہ روی کی وجہ سے بے راہ ہوگئے ہیں، مختلف ٹولیوں میں لوگ بٹے ہوئے ایک دوسرے کے مخالف پر شر وفساد برپا کر رہے ہیں، اس دور میں سرزمین دہلی میں جو ان تمام بدکرداریوں کا گہوارہ ہے صرف ایک مردِ خدا اور ایک خاندانِ باصفا یعنی سیدالطائفہ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے متعلقین حق وصداقت کی امداد واعانت میں سامنے نظر آتے ہیں، شیعہ گردی کے خلاف حضرت شاہ صاحب نے ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' اور ''قرۃ العینین'' تصنیف فرمائی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے ''تحفۂ اثناعشریہ'' لکھی، یہ کتابیں قیامت تک کے لیے اپنے مخالفین کے لیے براہین قاطعہ ہیں، ان حضرات نے ان کتابوں کے ذریعہ سے عوام کو اصل حقیقت سے آگاہ فرمایا۔

نظامِ حکومت میں اختلال پیدا ہو چکا تھا، سراسر غیر اسلامی نظام ملک میں رائج تھا، قرآن وحدیث کا نام ونشان دنیاوی حیثیت سے ختم ہوکر صرف مخصوص خانقاہوں اور گروہوں کا نظری فلسفہ بن چکا تھا، حضرت شاہ ولی اللہ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' ''البدور البازغۃ'' اور ''الخیر الکثیر'' وغیرہ لکھ کر اسلام کا نظام حیات دنیا کے سامنے پیش فرمایا، خانقاہوں کے فساد نے

''شریعت وطریقت'' کو دو جداگانہ امور بنا کر ایک دوسرے سے الگ کرلیا تھا، حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی تصانیف اور تحریک کے ذریعہ دونوں چیزوں کو ایک مرکز پر جمع کیا، عوام کو اسلام کی صحیح تعلیم سمجھانے کی غرض سے قرآن حکیم کا فارسی میں (جو اس زمانہ میں عام زبان تھی) ترجمہ فرمایا، اصول تفسیر میں ''الفوز الکبیر'' بھی فارسی ہی میں لکھی اور عوام کو اس طرح اصلی اسلام سے روشناس کرانے کی کوشش بلیغ فرمائی، یہ آپ کا ایک مشن تھا جسے آپ کے متوسلین اور متعلقین چلاتے رہے، یہی اسلام کا پروگرام آج ''تحریک ولی اللہ دہلویؒ'' کے نام سے ملک میں مشہور ہے، جس کے باقاعدہ علم بردار حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ تھے اور اس کی مرکزیت کا شرف ''دار العلوم دیوبند'' اور متوسلین دار العلوم کو حاصل ہے۔

سرخیل مظلومین

ظاہر ہے کہ وقت کے ماحول کے خلاف جو فرد یا جماعت اٹھے گی ظلم وستم کے پہاڑ اسی پر توڑے جائیں گے، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کا گھرانا کس کس طرح برباد کیا گیا، آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے، حقیقت یہ ہے کہ یہ خاندان جو اس زمانہ کی آندھی میں چراغ کی حیثیت رکھتا تھا، بے پناہ جھونکوں کا شکار ہوا، مگر اس چراغ کو بجھنے کے لیے قدرت نے نہیں جلایا تھا، آج اس کی حدود ہند سے نکل کر عرب وعجم تک پھیلی ہیں، بلکہ حال ہی میں یہ خبر آچکی ہے کہ ''فلسفۂ ولی اللہی'' کا درس یورپ میں بھی جاری ہوگیا۔

امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت ۴؍شوال ۱۱۱۴ھ یوم چہارشنبہ کو ہوئی، یہ زمانہ شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیرؒ کا تھا، حضرت شاہ صاحب کے زمانے میں عالم گیر کے بعد بڑے بڑے فتنے پیدا ہوئے، شاہی عزل ونصب اور رفض کی تحریکیں چلیں، نظام حکومت دن بدن ابتر ہونے لگا، طوائف الملوکی عام ہونے لگی، حضرت شاہ صاحب نے مذہب کی خدمت کے

ساتھ ساتھ سیاسی خدمات بھی انجام دیں، شریعت اور طریقت کو ایک مرکز پر جمع کیا، عوام کے اندر مذہبی رجحانات پیدا کرنے کی غرض سے قرآن حکیم کا فارسی میں ترجمہ کیا، نظام اسلام پر ''البدور البازغہ'' ''الخیر الکثیر'' اور حجۃ اللہ البالغہ'' جیسی اہم کتابیں تصنیف کیں، ۱۱۷۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تکالیف و مصائب کی تفصیلات معلوم نہیں، یقیناً آپ کو بڑے بڑے امتحانات سے دوچار ہونا پڑا ہوگا، اندازہ کے لیے ''امیر الروایات'' کے یہ الفاظ کافی ہیں:

''دہلی میں نجف خان کا تسلط تھا، جس نے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے پہنچے اتروا کر ہاتھ بیکار کر دیئے تھے، تاکہ کوئی کتاب یا مضمون تحریر نہ کر سکیں، مرزا مظہر خان خاناںؒ کو شہید کرایا، شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین صاحب کو اپنی قلمرو سے نکال دیا''۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی۔ ج ۲۔ ص ۱۰۵)

آپ نے جب قرآن حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تو ایک تہلکہ مچ گیا، ملاؤں نے سمجھ لیا کہ ہماری روزی ختم ہوگئی، اب جہلا قبضہ میں نہ آئیں گے اور ہر بات پر بحث و مباحثہ کے لیے تیار ہو جائیں گے (شاہ صاحب نے بھی اسی خیال سے ترجمہ لکھا تھا کہ عوام میں قرآن حکیم سے دلچسپی پیدا ہو) اسی خیال نے ان لوگوں کے دلوں میں آگ بھڑکا دی اور کفر کے فتوے دینے کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کے جانی دشمن ہوگئے اور آپس میں مشورے کرنے لگے کہ ان کو کسی طرح قتل کر دیا جائے، ان ملاؤں کے اثرات شہر کے بدوضع، اکھاڑیوں اور پٹے بازوں میں پھیلے ہوئے تھے، انہوں نے چند بدمعاشوں کو جمع کیا اور شاہ صاحب کی تاک میں لگے رہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنے اصلاحی مشاغل میں تھے، ان کو اس سازش کا وہم و گمان بھی نہ تھا، ایک روز شاہ صاحب فتح پوری میں عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، سلام پھیرتے ہی دروازہ پر سے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آوارہ گردوں کی ایک جماعت تباہ کن ارادے سے حملہ آور ہونا چاہتی ہے، شاہ صاحب کے ہمراہ چند خدام تھے اور وہ جماعت بڑی تعداد میں تھی، اس لیے آپ نے چاہا کہ کھاری باؤلی والے دروازہ سے نکل جائیں مگر بدمعاشوں نے اس طرف آ کر گھیر لیا، حضرت شاہ صاحب کے پاس ایک چھڑی تھی،

آپ نے حملہ آوروں سے دریافت فرمایا آخر آپ لوگ میرے قتل کے درپے کیوں ہیں؟ حملہ آوروں نے جواب دیا ''تونے قرآن پاک ترجمہ کرکے عوام کی نگاہ میں ہماری وقعت برباد کردی ہے، دن بدن ہماری روزی میں خلل پڑ رہا ہے، معتقد کم ہوتے جارہے ہیں، اگر یہی حالت رہی تو ہماری آئندہ نسلوں کو کوئی کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا، تو نے نہ صرف ہمیں بلکہ ہماری اولاد کو بھی برباد کیا'' حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ''یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا کی عام نعمت کو چند افراد یا ان کی اولاد کے لیے خاص کردیا جائے وہ ہر ایک کے لیے ہے، میں نے اس کو ہر ایک کے لیے عام کردیا'' کچھ دیر تک یوں ہی ردوکد ہوتی رہی، قریب تھا کہ بلوائی حضرت شاہ صاحب پر اقدام بالقتل کریں کہ خدام نے بطور تحفظ جان تلواریں سونت لیں، وہ اوباش بھلا اُن ملاؤں کے لیے اپنی جان کیوں دیتے، تلواروں کی صورت دیکھتے ہی چھٹ گئے۔

(حیات ولی۔ص ۲۳۱)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے، علمی اور روحانی حیثیت سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے سچے جانشین تھے، تقریباً پندرہ سال کی عمر میں ظاہری اور باطنی علوم سے فارغ ہوکر علمی اور سیاسی خدمات میں مشغول ہوگئے، آپ حضرت شاہ صاحب کے سب سے بڑے فرزند ہیں، درس وتدریس، ابلاغ وتبلیغ اور سیاسی خدمات مشغلۂ حیات تھیں، آپ نے ۱۷ر شوال ۱۲۳۹ھ بوقت صبح وصال فرمایا۔

اس زمانہ میں روافض کا زور تھا، چناں چہ دہلی میں نجف علی خان کا تسلط تھا، جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اتروائے، مرزا مظہر جان جاناں کو شہید کرایا، نیز عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کو اپنی قلمرو سے نکال دیا، یہ دونوں حضرات مع مستورات کے شاہدرہ تک پیدل آئے، اس کے بعد مولانا فخر الدین صاحب کی کوشش سے مستورات کو تو سواری مل گئی اور وہ پھلت روانہ ہوگئے، مگر شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو

سواری بھی نہ ملی، پس شاہ رفیع الدین پیدل لکھنؤ چلے گئے اور شاہ عبدالعزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے، کیوں کہ ان دونوں کو نہ سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا۔

دو دفعہ روافض نے شاہ عبدالعزیز صاحب کو زہر دیا تھا اور ایک دفعہ چھپکلی کا ابٹن ملوا دیا، جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام ہوگیا، جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لُو لگ جانے سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہوگئی، جس کی وجہ سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی اور ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے۔ (ارواح ثلاثہ۔ص ۲۴)

روح الامین خاں

بلگرام کے عثمانی شیوخ سے ہیں ''تائید یافتۂ روح القدس بود، ودرفنون عربی وفارسی و ہندی، دم یکتائی می زد، وغالیہ حسن وخلق دماغہا معطرمی ساخت بسیار ظریف طبع طلق اللسان لطیفہ سنج بود، داز کمال قوت حافظہ واستحضار مسائل علمی وحکایات واشعار ہر سہ زبان وقصائد و مثنویات طولانی از برداشت، در ہر علمی کہ سوال می کردند الب بہ حاضر جوابی می کشوذ'' سید العارفین حضرت میر سید لطیف سے مرید تھے، ظاہری و باطنی خوبیوں کے باوجود نہایت ہی سخی و شجاع تھے، زندگی حشم وخدم اور طبل وعلم میں گزاری، ہر یگانہ و بیگانہ کے ساتھ احسان فرماتے تھے، صوبہ سیالکوٹ و جالندھر کے حاکم رہے، کچھ دنوں صوبہ اودھ کے نائب صوبہ دار رہے پھر برہان الملک سعادت خان نیشاپوری ناظم صوبہ اودھ کی رفاقت میں رہنے لگے، ملازمت کے باوجود کبھی علمی شغل سے باہر نہ ہوئے، اسی حالت میں عمر ستر سال سے تجاوز ہو چکی تھی، لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی خود کتابت کر کے ان کو محشی کیا، حدیث میں زیادہ مشغول رہتے تھے، آخر نادر شاہ ایرانی کے مشہور حملہ میں جو کہ پانی پت کرنال کے میدان میں ہوا دادِ شجاعت وسپہ گری دیتے ہوئے شربت شہادت نوش فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے، آپ کی شہادت ۱۵/ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ کو سہ شنبہ کے دن ہوئی۔ (ماثر الکرام۔ج۱۔ص ۲۸۸)

میر محمد خان بلگرامی

علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی کے چچازاد بھائی ہیں، علامہ عبدالجلیل میر صاحب کو عقل مجسم کہا کرتے تھے، ۱۱؍ربیع الاول ۱۰۸۳ھ میں پیدا ہوئے، نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے، نماز میں خشیت کا یہ عالم ہوتا کہ آپ کے رونے سے در و دیوار پر رقت طاری ہو جاتی تھی، بڑھاپے میں بھی عبادت گزاری شباب پر رہی، ۱۵؍رجب ۱۱۴۹ھ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔

نادر شاہ اپنے خونیں حملہ کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں طرح طرح کی ایرانی رسوم و بدعات لایا، میر صاحب ان منکرات سے بیزار ہو کر ہندوستان سے ہجرت کر گئے اور تاجروں کے قافلہ کے ہمراہ مشہد شریف چلے گئے، حج کر کے مدینہ منورہ گئے اور جب قدم اس پاک سرزمین میں رکھا کبھی باہر نہ نکالا، زبان پر ہر وقت حضرت عمرؓ کی یہ دعا رہا کرتی تھی ''اللّٰھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک ''چناں چہ مدینہ منورہ میں وصال پایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (مآثر الکرام۔ ج۱۔ ص۲۸۰)

سید محمد محسن

آپ سید خیر اللہ بلگرامی کے پوتے ہیں، برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری ناظم صوبہ اودھ کے معتبر رفقاء میں ہیں، نادر شاہ کے حملہ میں شربت شہادت نوش فرمایا۔

(مآثر الکرام۔ ج۱۔ ص۱۳)

مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ

آپ شاہ ولی اللہ صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں اور شاہ صاحب کی تحریک کے ایک اہم رکن ہیں، اُردو میں کئی کتابیں لکھیں اور قرآن حکیم کا ترجمہ بھی لکھا، ظاہری اور باطنی خوبیوں کے مالک تھے، ــــھ میں انتقال فرمایا۔

نجف خان نے شاہ عبدالعزیز کے ہمراہ آپ کو بھی دہلی سے مع عورتوں کے نکال دیا اور آپ دہلی سے لکھنؤ تک پیدل آئے، یہ بھی نجف خاں کا ایک اندازِ ستم تھا کہ دونوں کو مع مستورات کے شہر بدر کیا اور دونوں پیدل پورب کو چلے، آپ لکھنؤ پہنچے اور شاہ عبدالعزیز صاحب جونپور، کیوں کہ دونوں کو ایک ساتھ سفر کرنے یا سوار ہونے کی اجازت نہ تھی۔

مرزا مظہر جانِ جاناںؒ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے شاگردوں میں سے ہیں، علم فقہ و حدیث میں تبحر حاصل تھا، حنفی المذہب اور نقشبندی المشرب تھے، اُردو اور فارسی کے نازک خیال شاعر تھے، گفتگو میں بڑی لچک تھی، نزاکت و نفاست کا پتلہ تھے، ولایت کے مرتبۂ بلند پر فائض تھے، باپ کا نام جان تھا، مولانا رومؒ کا ایک شعر اس طرح آپ پر صادق آرہا ہے، گویا سو سال پہلے مولانا رومؒ نے آپ ہی کی بشارت میں کہا تھا، مولانا فرماتے ہیں:

جان دراوّل مظہر درگاہ شد جانِ جاں خود مظہر اللہ شد

دہلی میں نجف خاں کی بدولت شیعیت کا زور تھا، اس نے علماء اہل سنت کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں کو اس نے شہید کرا دیا اور اس کی پردہ پوشی کے لیے ایک نامناسب واقعہ حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کیا گیا۔

حضرت مرزا صاحب ردِ رفض میں پیش پیش تھے، عشرۂ محرم کے آخر میں شیعوں نے موقعہ نکال کر ایک شخص سے یہ کام کرایا، چناں چہ جب آپ اپنے بالاخانہ پر تشریف فرما تھے نیچے سے اس نے آپ کو بندوق سے مارا، آپ شہید ہوگئے، یہ واقعہ فاجعہ محرم ۱۱۹۴ھ کا ہے، کسی نے تاریخ شہادت کہی ہے:

جان جاناں کہ جان جاناں بود در محرم شہید شد بہ جفا
سالِ تاریخ جستم از ہاتف گفت ''حشرش سید شہدا''

دہلی میں شاہ غلام علیؒ کی خانقاہ میں آپ کا مزار فیض بار ہے۔

سید احمد بلگرامی

سید غلام مصطفیٰ کے حقیقی بھائی ہیں، نہایت صالح و متقی عالم تھے، فقر و مستی کی لذت سے خوب آشنا تھے، اکثر تصوف وسلوک کی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں، آپ شاعری میں احمدؔ تخلص رکھتے تھے، رباعیات زیادہ کہتے، چناں چہ آپ کی رباعیاں چار سو سے زائد ہیں، ۱۶/ربیع الاوّل ۱۱۶۱ھ میں شہید ہوئے۔

جب احمد خاں ابدالی نے ۱۱۶۱ھ میں قندہار سے اٹھ کر لاہور کو تاراج کیا تو محمد شاہ بادشاہ دہلی نے اس کے مقابلے کے لیے اپنے بیٹے احمد شاہ کو وزیر الملک نواب قمر الدین خاں اور صفدر جنگ ابوالمنصور خاں اور دیگر امراء کے ہمراہ دہلی سے روانہ کیا، حضرت میر سید احمدؒ نواب صفدر جنگ کے ہمراہ تھے، اثنائے راہ میں آپ درد جگر کی بیماری میں مبتلا ہو کر سرہند میں ٹھہر گئے، جس وقت شاہزادہ دریائے ستلج پار کر کے ماچھی واڑ پہنچا احمد خاں ابدالی تیس ہزار سواروں کو لے کر لوویانہ کی راہ سے بالا بالا سرہند میں داخل ہوگیا اور ۱۹/ربیع الاول ۱۱۶۱ھ کو سارا شہر تاراج کر ڈالا، میر سید احمد بحالت بیماری ایک جگہ ٹھہرے ہوئے بعض شیوخ و سادات کی عزت و آبرو کی بھی حفاظت کر رہے تھے، قضاء و قدر نے درد جگر ختم کر کے زخم جانستان دیا اور ابدالی بندوق کی گولی آپ کے شکم مبارک میں آ کر لگ گئی اور وصال فرما گئے، جمعہ کے دن اسی حویلی میں دفن کیے گئے۔

جب ایک ماہ کے بعد ابدالی فتنہ محمد شاہ کی فتح کی وجہ سے فرو ہوا تو آپ کی نعش مبارک کو نکال کر سرہند کے لاہوری دروازہ کے باہر شیخ محمد نامدار خان کے مقبرے میں دفن کیے گئے، جب آپ کی نعش نکالی گئی تو بالکل صحیح و سالم تھی۔ (مآثر الکرام۔ ج ۲۔ ص ۳۳۳-۳۳۴)

سید قادری بلگرامیؒ

''سید قادری الاسم والطریقۃ صاحب العرفان کاشف الحقیقۃ است، جامع فضائل صوری و معنوی بود، وشان شریعت حزم ونہایت اعتناء می کرد''۔

بچپن میں اپنے والد حضرت سید ضیاء اللہ بلگرامی سے حفظ قرآن وتجوید اور ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر حضرت ملا جیون امیتوی صاحب ''نورالانوار'' سے تلمذ کر کے، حضرت غلام نقش بند لکھنوی گھوسوی کے پاس پہنچے، فراغت کے بعد حرمین شریفین کو روانہ ہوئے، وہاں سے فارغ ہو کر کربلا اور بغداد گئے، بغداد میں سید یٰسین حموی سجادہ نشین حضرت غوث الاعظمؒ سے استفادہ کر کے وطن آئے اور ۱۱۴۵ھ میں وصال فرمایا، جس وقت آپ مدینہ منورہ سے کربلا وبغداد کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں ڈاکوؤں نے آپ کو گھیرا اور ہتھیاروں سے زخمی کر کے تمام سامان لوٹ لیا، بعض بدویوں نے آپ پر رحم کیا اور اپنے قریہ میں لے جا کر آپ کی مرہم پٹی کی کچھ دنوں کے بعد جب تمام زخم مندمل ہوئے تو آپ نے اپنا علمی اور روحانی سفر جاری فرمایا اور کربلائے معلیٰ کی زیارت کی۔ (مآثر الکرام۔ ج ا۔ص ۱۴۴)

سید غلام حسین بلگرامیؒ

ابن سید محمد اشرف بن سید ضیاء اللہؒ ''جواں صالح ومتقی بود و مدۃ العمر پیراہن مناہی نگر دیدہ'' درسی کتابیں علی الترتیب استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی سے پڑھیں، اکتیس سال کی عمر میں اپنے بھائی سید احمدی کے ہمراہ شعبان ۱۱۴۴ھ میں سفر کے ارادے سے وطن سے نکلے، یہ آپ کا پہلا علمی اور روحانی سفر تھا، لیکن منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں اٹاوہ کے قریب ڈاکوؤں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے، ساتھ ہی آپ کے بھائی سید احمدی بھی شہید ہو گئے۔ (مآثر الکرام۔ ج ا۔ص ۲۴۲)

سید محمد فیض بلگرامیؒ

آپ نے کتب متداولہ میر سید اسماعیل بلگرمی سے پڑھیں اور احادیث کی سند قطب المحدثین میر سید مبارک بلگرامی سے حاصل کی، علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی سے آپ نے خاص تعلقات پیدا کر کے بے شمار علمی فوائد حاصل کیے، ۱۱۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔

اپنے زمانہ میں آپ بلگرام کے تعلقہ زمیندار تھے، اس خدمت کو بوجہ احسن انجام دیا اور آپ کے رعب وداب کا شہرہ انتہاء کو پہنچ گیا، اسی سلسلہ میں حاکم شہر خاں عالم میں اور آپ میں نزاع پڑ گئی، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۹ ررمضان ۱۱۰۳ھ کو روبرو جنگ ہوئی، خاں عالم غالب آیا اور مولانا کے تمام مال ومتاع پر اس نے قبضہ کرلیا، اسی میں آپ کی اہم کتب ترجمہ شمائل ترمذی کا مسودہ بھی گم ہوگیا، آپ دکن میں عالم گیر کے دربار میں پہنچے، اور علامہ میر عبد الجلیل بلگرامی کے توسط سے عالم گیر نے آپ کی فریاد سن کر خاں عالم کو بلگرام کی حکومت سے معزول فرمایا، جب آپ کو اطمینان کامل ہوگیا تو پھر شمائل ترمذی کی شرح کے لیے ہمت کی ۱۱ رذی الحجہ ۱۱۱۲ھ کو اسے پورا کیا۔ (مآثر الکرام۔ ج ا۔ص ۲۴۶-۲۴۷)

سید کرم اللہ بن سید معین الدین بلگرامیؒ

''صاحب اخلاق حمیدہ واوصاف پسندیدہ بود حظے مستوفی از فضیلت داشت دور سجیہ مرضیہ تقوی وصلاح وسخاوت وشجاعت یگانہ می زیست'' ۱۰۸۷ھ میں پیدا ہوئے، احادیث وسیر سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے، کہولت میں کلام اللہ کے حفظ کا شوق پیدا ہوا تو قرآن مجید حفظ کرڈالا، مدتوں علامہ میر عبد الجلیل بلگرامی کے نائب کی حیثیت سے سرکار سیوستان کے وقائع نگار رہے، دریائے سندھ کے کنارے وقائع نگار کی حویلی کے متصل ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کرائی تھی، ایک تقریب کے سلسلے میں سیوستان سے پنجاب آئے تھے، سیالکوٹ کے اطراف میں ایک کافر کے ہاتھ سے جو کہ ان اطراف پر قابض ہوگیا تھا، جامِ شہادت نوش فرمایا، یہ واقعہ ۲ رمحرم ۱۱۳۴ھ کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیش آیا۔ (مآثر الکرام۔ ج ا۔ص ۲۸۴-۲۸۵)

میر غلام نبی بلگرامی

علامہ میر عبد الجلیل بلگرامی کے بھانجے ہیں، آپ نے ان کی پیدائش کے وقت فرمایا تھا کہ یہ بچہ شاعر ہوگا، چناں چہ ایسا ہی ہوا، غلام تخلص رکھتے تھے، ساری کتابیں استاذ المحققین

میر طفیل بلگرامی سے پڑھیں، آپ نہایت ذکی، بلند ہمت اور عربی، فارسی، ہندی زبان کے مختلف فنون میں یکتائے زمانہ تھے، آپ آخری عمر میں نواب صفدر جنگ وزیر کے رفقاء میں شامل ہوگئے اور وزیر مذکور کی جو جنگ افغانیوں کے ساتھ ہوئی اس میں میر غلام نبی مفقود الخبر ہوگئے۔ یہ واقعہ ۲؍شوال ۱۱۶۳ھ کا ہے۔ (مآثر الکرام۔ ج ۱۔ ص ۳۱۲-۳۱۳)

شیخ عنایت اللہؒ اور شیخ مخدوم رحمت اللہؒ

شیخ عنایت اللہ سندھ کے ایک مردِ حق شناس تھے، لوگوں میں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل تھی اور مخدوم رحمت اللہ آپ ہی کی درسگاہ کے تربیت یافتہ نوجوان حق پسند طالب علم تھے، شیخ عنایت اللہ ۱۱۳۸ھ میں شہید ہوئے۔

۱۱۲۸ھ میں سندھ کی نظامت نوب اعظم خاں کے سپرد ہوئی، اسی زمانہ میں شاہ عنایت اللہ کا سندھ میں چرچا تھا، لیکن بعض سادات اور زمینداروں کو آپ سے پرخاش تھی، ان لوگوں نے نواب اعظم کو شیخ کے خلاف ابھارا، نواب نے شیخ اور ان کے خرقہ پوش مریدوں کو سخت سے سخت تکلیف دینی شروع کی، یہاں تک کہ کشت وخوں کی نوبت پہنچی اور اسی میں آپ کو شہید کردیا گیا۔

بعد میں نواب نے تاوانِ جنگ کے طور پر تاجروں، زمینداروں اور دوسرے لوگوں پر ٹیکس کا اضافہ کردیا، شاہ عنایت اللہ کی درسگاہ کے ایک طالب علم ''مخدوم رحمت اللہ'' نامی نے نواب کو اس سختی سے منع کیا، لیکن اس پر ان کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا، آخرکار مخدوم رحمت اللہ یہ کہہ کر اس کے پاس سے چلے گئے، کہ ''ایسے ظالم کی عمل داری میں رہنا اپنے ضمیر کا خون کرنا ہے'' جب نواب کو اس کی خبر لگی تو اس نے آپ کو قید کردیا، لوگ ایک غریب طالب علم پر یہ زیادتی دیکھ کر بھڑک گئے، جب نواب نے دیکھا کہ غضب کی آگ کے شعلے پھیلتے جارہے ہیں تو مخدوم رحمت اللہ کو رہا کردیا۔ (تاریخ حریت اسلام)

قاضی موسیٰ ارحؒ

یعقوب شاہ چک کے زمانہ میں کشمیر کے قاضی القضاۃ تھے، علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے، عام مسلمانوں کے بڑے خیر خواہ تھے۔

یعقوب شاہ چک اور وزیر محمد بٹ دونوں شیعہ تھے اور اہل سنت کی بربادیوں کے درپے رہتے تھے، قاضی موسیٰ نے جامع مسجد کی مرمت کے لیے مسلمانوں میں تحریک کی، شیعہ حکومت کو قاضی کا یہ فعل ناگوار معلوم ہوا اور یعقوب شاہ نے مختلف طریقہ سے اظہار ناراضگی بھی کیا، مگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئے، آخر یعقوب شاہ نے آپ کے قتل کے لیے ایک بہانہ یہ نکالا کہ آپ اس بات کا فتویٰ دیں کہ تمام اذان دینے والے اذان میں علی ولی اللّٰہ بھی شامل کریں، قاضی نے اس فتویٰ سے انکار کر دیا، آخر قاضی ایک باغی کے ساتھ تعلق رکھنے کے مصنوعی جرم میں سر دربار شہید کیے گئے اور اس شیخ الاسلام کی لاش ہاتھی کی دم میں باندھ کر تمام شہر میں پھرائی گئی، جب لاش اپنے گھر کے سامنے پہنچے تو شیر دل بوڑھی ماں نے اپنے بیٹے کی ننگی لاش دیکھ کر اپنے سر سے کپڑا اتارا اور اس کو ڈھانک کر کہا ’’الحمدللہ میرا بیٹا عالم باعمل نکلا، اس نے دین بیچنے کے لیے نہیں پڑھا تھا، میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ یہ اس کی راہ میں شہید ہوا‘‘۔ (تاریخ حریت اسلام)

عبداللہ پاشا کپوری زادہ

آپ مصطفیٰ پاشا وزیر اعظم کے صاحبزادے تھے، آپ کپوری زادہ کے لقب سے مشہور تھے، آپ کا ایک قصیدہ بھی ہے، جس میں شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی کی مدح کی گئی ہے، ۱۱۴۸ھ میں آپ شہید ہوئے۔ (کشف الظنون۔ ج ۲۔ ص ۲۳۲)

شیخ الاسلام فیض اللہ آفندیؒ

شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی ترکی کے زبردست علماء میں سے ہیں، وزیرزادہ کپوری زادہ شہید نے آپ ہی کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا ہے، آپ بھی شہید ہوئے۔ (کشف الظنون۔ج۱۔ص۲۳۲)

سید غلام مصطفیٰؒ

ابن سید عبداللہ ''صاحب مشرب عالی بود، ونشاء فقر ودرویشی دوبالا داشت، ودر کمال حسن خلق وتواضع می زیست'' بچپن میں پڑھنے لکھنے کی توجہ نہ تھی، مگر شروع جوانی میں توفیق ایزدی نے رہبری کی اور ظاہری وباطنی دولت سے مالا مال ہوئے، ذریعۂ معاش فن سپہ گری تھا، ''اسدٌ فی النهار و رهبان فی اللیل'' کے زمرے میں شامل تھے، ۸؍ربیع الآخر ۱۱۴۳ھ کو شہید ہوئے۔

آپ نے دہلی میں نواب مبارز الملک سربلند خاں تونی کے یہاں نوکری کی تھی، جس وقت نواب مذکور کو صوبہ گجرات احمد آباد کی گورنری سپرد ہوئی تو سید غلام مصطفیٰ بھی اس کے ہمراہ گجرات تشریف لائے اور جب گجرات کی حکومت سے نواب مذکور کو معزول کر کے راجہ ابے سنگ ولد راجہ اجیت سنگ والی واڑ دار کے سپرد ہوئی تو راجہ مذکور اور نواب میں احمد آباد کے قریب سخت جنگ ہوئی، حضرت غلام مصطفیٰ بھی نواب کے ہمراہ جنگ میں شریک تھے اور اسی معرکہ میں دوسرے ساتھیوں کے ساتھ آپ بھی شہید ہوئے، جنگ بند ہونے کے بعد تمام شہداء کی لاش میدان جنگ میں موجود تھی، مگر حضرت غلام مصطفیٰ کی نعش مبارک باوجود تلاش کے ہاتھ نہ لگی اور اس واقعہ سے چند دن بیشتر آپ نے ایک رباعی کہی تھی جو پوری ہوئی:

در خلوت ماورای مایارے نیست ۔۔۔ یعنی کہ بہ عرش وفرش اغیارے نیست
ماروئے مجردیم ز آرائش مرگ ۔۔۔ مارا بہ جنازہ وکفن کارے نیست

اسی جنگ میں آپ کے بڑے بھائی حضرت سید نجابت بھی شہید ہوئے۔

(مآثر الکرم۔ ج ا۔ص ۱۴۱-۱۴۲)

میر سید لطف اللہ (خورد میر)

بظاہر امراء کی ملازمت کرتے تھے، لیکن حقیقت میں شمع حقیقت بزمِ مجاز میں روشن فرماتے تھے، دنیاوی مالداری میں بھی حظ وافر رکھتے تھے، احسان وسلوک میں بہت آگے تھے، امراء کی ملازمت کے باوجود اصلاح وتقویٰ میں کوشش بلیغ کرتے تھے، کبھی تہجد فوت نہ ہوئی، ۱۱۳۲ھ میں ڈاکوؤں کے ہاتھ شہید ہوئے۔

دہلی سے بلگرام کو روانہ ہوئے، سکندرہ اور قنوج کے درمیان ڈاکوؤں نے حملہ کر کے آپ کو زخم کاری لگائی، اسی حالت میں گھر پہنچے اور ایک ہفتہ بعد ہی وصال فرمایا۔

(مآثر الکرام۔ ج ا۔ص ۱۳۱)

ملا قطب الدین سہالی شہیدؒ

ملا صاحب سہالی (ضلع بارہ بنکی) کے رہنے والے تھے، سلسلۂ نسب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، آپ کے والد لاہور میں مدرس تھے، ابتدائی تعلیم انہیں سے حاصل کی، ان کے علاوہ حضرت گھانسیؒ خلیفہ حضرت محبّ اللہ الہ آبادی اور حضرت مولانا عبدالسلام صاحب دیوہ سے علوم حاصل کیے، علمی شہرہ سن کر عالم گیر نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، مگر آپ نے گوشۂ عزلت نہ چھوڑا، ملا صاحب کا معمول تھا کہ دن کو روزے رکھتے اور رات کو عبادت میں مصروف رہتے تھے، سہ شنبہ اور جمعہ کو تصنیف وتالیف کا کام کرتے تھے، تلامذہ میں نامور علماء پیدا ہوئے، چار مشہور یہ ہیں: ملا نظام الدین بانی درسِ نظامیہ، ملا محبّ اللہ بہاریؒ بیک واسطہ آپ کے شاگرد ہیں، ملا امان اللہ بنارسیؒ، ملا قطب الدین شمس آبادیؒ، آپ ۸/رجب بروز دوشنبہ ۱۱۰۳ھ میں شہید ہوئے۔

قصبہ سہالی کے آس پاس خان زادے رہتے تھے، ان سے اور چودھری محمد آصف سے جو سہالی کے زمیندار اور ملا صاحب کے چچا زاد بھائی تھے، ہمیشہ سرحدی جھگڑے رہتے تھے، ملا صاحب کی شادی محمد آصف کی لڑکی سے ہوئی تھی، اس تعلق سے خان زادوں کو ملا صاحب سے بھی عداوت ہوگئی، تاہم چوں کہ ملا صاحب کی عزت دربار شاہی میں تھی اس لیے یہ لوگ کچھ جرأت نہیں کر سکتے تھے، سوئے اتفاق سے قصبہ سہالی میں عثمانی خاندان کے جو شیخ زادے تھے ان سے چودھری محمد آصف سے آبپاشی کے متعلق نزاع ہوگئی، دونوں طرف سے بڑے زور کی تیاریاں ہوئیں، لیکن ملا صاحبؒ نے جا کر معاملہ رفع دفع کرایا، موقع پا کر خان زادے کئی سو آدمی لے کر سہالی میں آئے اور عثمانیوں کو جا کر ابھارا کہ ''ہم ساتھ ہیں حملہ کیجیے'' چناں چہ سب مل کر محمد آصف کے گھر پر چڑھ آئے، اس روز چودھری صاحب ملا صاحب کے مکان پر تقریب ولادت کی مبارکباد دینے گئے تھے، ظالموں نے جا کر ملا صاحب کے گھر کا محاصرہ کرلیا، دیواروں میں نقب لگا کر اندر گھس گئے، پہلے تیر پھر بندوق اور آخر میں تلوار کے سات واروں نے مل کر اس پیکر روحانی کو برباد کر دینا چاہا اور وہ اپنے مقصد میں اپنے کو کامیاب سمجھے، ملا صاحب کے ساتھ چند طلباء بھی جو مشغول درس تھے شہید ہوئے، ظالموں نے خوں ریزی سے فارغ ہو کر گھر کا مال واسباب لوٹا اور ملا صاحب کا علمی ذخیرہ جس میں نوسو کتابیں تھیں، جلا کر برباد کر دیا، ملا صاحب کی لاش اور چودھری محمد آصف کا سر ساتھ لے گئے، نو دن کے بعد ملا صاحب کے دونوں ہاتھ کاٹ کر رکھ لیے اور لاش سہالی بھیج دی اور ۲۷/رجب کو تجہیز و تکفین ہوئی۔

یہ قاتلین پینتے پور[1] ضلع سیتا پور کے رہنے والے تھے، بحکم عالم گیر صوبہ دار لکھنؤ نے سپاہ بھیج کر ان کے گھر بار اور باغات غارت کر دیئے، مخالفین بھاگ کر جلاوطن ہوگئے، اصل قاتل اسد اللہ نامی تھا، جو قصبہ پینتے پور کا باشندہ تھا، وہ روپوش ہو کر بچ گیا، ۱۲۰۹ھ میں پینتے پور ویران

[1] پینتے پور (ضلع سیتاپور) کا ایک قدیم قصبہ ہے، جہاں شاہی زمانے کے اطلال آثار اب تک موجود ہیں، علماء، اولیاء کے مزارات بھی ہیں، برادرم مولانا خواجہ عبدالعزیز مبارکپوری و برادرم مولانا محمد عوف پینتے پوری نے مجھ کو وہ مقام دکھایا جہاں ملا صاحب مرحوم کو ظالموں نے لے جا کر رکھا تھا۔

وتباہ تھا، گاؤں والے کہتے تھے کہ یہ اسی خون ناحق کی سزا مل رہی ہے۔

ملا صاحب کے صاحبزادے ملا محمد سعید، ملا نظام الدین اور ملا محمد رضا بھی اسی شہادت گاہ میں موجود تھے، یہ لوگ شدید زخمی ہوئے اور قاتلوں کے دامِ بلا میں گرفتار ہوئے۔

(ملخص رسالہ قطبیہ مقالات شبلیؒ)

ملا نظام الدینؒ

آپ ملا قطب الدین شہید کے صاحبزادے ہیں، باپ کی شہادت کے وقت تک شرح جامی پڑھ چکے تھے، ان کی شہادت کے بعد لکھنؤ میں پڑھنا شروع کیا، ابتدائی کتابیں دیوہ میں پڑھیں، اور اکثر کتابیں ''جائس'' میں پڑھیں، امورِ عامہ مولانا امان اللہ بنارسیؒ اور توضیح ملا نقشبند گورکھپوری سے پڑھا، ۲۴ر برس کی عمر میں تمام علوم سے فارغ ہوگئے، پھر تصوف کا رنگ چڑھ گیا، چالیس سال کی عمر میں شاہ عبدالرزاق ہانسویؒ سے بیعت ہوئے، ایثار نفس کا مجسمہ تھے، ''درس نظامیہ'' ہندوستان کی علمی لغت کا وسیع تریں لفظ ہے، اس کے موسس و موجد ملا صاحب ہی ہیں، ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۱۶۹ھ کو وصال ہوا۔

اپنے والد مرحوم ملا قطب الدینؒ کی شہادت کے وقت بھائیوں کے ساتھ آپ بھی باپ کی حفاظت میں تھے، اس وقت آپ کی عمر ۱۴ر سال کی تھی، آپ کا بیان ہے کہ جب قاتلین دوپہر کے وقت قتل وغارت سے فارغ ہوئے تو باپ کی لاش اور نانا (محمد آصف) کے سر کے ساتھ ساتھ مجھ کو بھی گرفتار کر کے اپنے مسکن موضع پینتے پور لے گئے، پھر تین چار دن کے بعد فتح پور اور دیوہ کے بعض شرفاء کے کہنے سے مجھ کو چھوڑا۔

ملا محمد رضاؒ

آپ بھی ملا قطب الدین شہید کے صاحبزادے ہیں، یہ بھی بڑے عالم تھے، سلم پر شرح لکھی، آخر عمر میں درس وتدریس سے الگ ہو کر شاہ عبدالرزاق ہانسویؒ کے مرید ہوگئے اور

دنیا سے قطع تعلق کرلیا۔

باپ کے ہنگامۂ شہادت میں آپ بھی موجود تھے، شدید زخمی ہوئے، اس وقت آپ کی عمر غالباً صرف ۷؍سال کی تھی۔

ملا سعیدؒ

عین جوانی میں آپ نے وفات پائی، مشہور صوفی اور مصنف ملا عبدالحقؒ آپ کے صاحبزادے ہیں۔

اپنے باپ قطب الدین شہید کے ساتھ زخمی ہوئے تھے، زخم اچھا ہونے کے بعد دکن میں عالمگیر کے پاس گئے اور فرنگی محل کا فرمان نامہ لائے جو سہالی کے بعد ''دار العلم'' بن گیا۔

حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ

آپ کی ولادت ۱۱۲۶ھ میں بمقام اورنگ آباد ہوئی، آپ کا سلسلۂ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے توسط سے حضرت صدیق اکبرؓ تک پہنچتا ہے، قرآن وحدیث اور فقہ ومنطق کے علاوہ تصوف، طب اور تیراندازی کے متعلق کتابیں پڑھیں، فن سپہ گری میں کافی شہرت حاصل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد باپ نظام الدین کے سجادہ پر بیٹھنے کے بجائے لشکر میں ملازمت کرلی پھر وہاں سے ملازمت چھوڑ کر اورنگ آباد میں باپ کے مسند مشیخت پر جلوہ فرما ہوئے، پھر دہلی میں مستقل قیام کیا اور اجمیر سا دروازہ کے باہر مدرسہ میں درس وتدریس جاری فرمایا، بڑے اولیائے کاملین اور علمائے کبار میں سے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے بہت بنتی تھی، آپ کے بڑے فضائل اور مناقب ہیں، ۲۷؍جمادی الثانیہ ۱۱۹۹ھ میں دہلی میں انتقال فرمایا۔

ایک شخص ایذا دینے کی نیت سے آپ کے پاس آیا لیکن یہاں آکر از خود رفتہ ہوگیا اور نعرے لگانے لگا، ''رہزن دل ہمیں است'' ایک مرتبہ دس افغانی آپ کو شہید کرنے کی نیت سے آئے قطب صاحبؒ میں جمع ہوئے، لیکن جب نگاہیں ملیں تو عالم بدل گیا۔

’’مناقب فخریہ‘‘ میں ہے جن دنوں دشمنوں نے مرزا مظہر جان جاناںؒ کو شہید کیا میں ایک بڑے درخت کے نیچے کھڑا ہوا تھا کہ ایک ایرانی (شیعہ) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک بڑے سنی عالم کو تو میں قتل کر چکا ہوں لیکن ابھی جو سب سے بڑا سنی عالم ہے وہ باقی ہے، جلد ہی اس کا کام بھی تمام کر دیتا مگر کیا کروں اس کے ارد گرد مریدوں کا جمگھٹا رہتا ہے، میں اسے تنہا نہیں پاتا، اس کی اطلاع جب شاہ صاحب کو دی گئی تو فرمایا ’’حق تعالیٰ حافظ و ناصر است‘‘۔

(برہان۔ بابت فروری ۱۹۴۷ء)

شیخ محمد فاخر الٰہ آبادی

آپ حضرت شیخ محمد یحییٰ الٰہ آبادی المعروف شیخ خوب اللہ کے فرزند اور شیخ محمد افضل الٰہ آبادی کے نواسے ہیں، ابتدا میں آپ نے اپنے والد اور بڑے بھائی شیخ محمد طاہر سے پڑھا اور سفر حجاز میں مولانا محمد حیات سندھی مدنی سے سند حدیث لی، مرزا مظہر جان جاناںؒ کا قول ہے ’’میں نے بہت سے بزرگانِ دین کو دیکھا ہے، گیارہ سو سال کے بعد ایک شخص کو جس کا نام شیخ محمد فاخر ہے، کتاب و سنت کے موافق پایا ہے‘‘، نیز مرزا صاحب فرماتے ہیں ’’بہت سے ارباب کمال سے میں نے ملاقات کی مگر شیخ محمد فاخر کے سامنے جتنا ارذل ہوا کہیں ایسا اتفاق نہ ہوا، مرزا صاحب اپنی وضع کے برخلاف شیخ محمد فاخر کی ملاقات کو اکثر جایا کرتے تھے، آپ کی ولادت ۱۱۲۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۱۶۴ھ میں ہوئی، آپ کا مزار برہان پور میں ہے۔

سید غلام حسین کی شہادت کے بعد جہاز کو کفار نے اپنے قبضہ میں لے لیا اور جہاز کو مسلمانوں کے مال و اسباب کے ساتھ گرفتار کر کے بمبئی کی بندرگاہ لے گئے، کفار نے شیخ صاحب کے حال پر اس قدر رحم کیا کہ ایک سوار کے ذریعہ بمبئی سے سورت بھیج دیا اور آپ کا تمام مال و اسباب اپنے قبضہ میں لے لیا، صرف کتابوں کا صندوق آپ کو دیا، شیخ جہاز کے موسم کے انتظار میں سورت ہی میں مقیم رہے، یہاں تک کہ صفر ۱۱۵۶ھ میں جہاز سے جدہ کے لیے روانہ ہوئے، پھر قضا و قدر نے جہاز کو تباہی میں ڈال دیا اور جدہ کے بجائے وہ جہاز ’’مخا‘‘ کی بندرگاہ پر

جالگا، آپ نے چند ماہ ''فخا'' میں قیام فرمایا اور جب ہوا کا رخ بدلا تو جہاز مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔
(آثر الکرام۔غلام علی آزاد بلگرامی۔ج ۲۔ص ۲۱۶)

میر عبدالواحد ذوقی ترمذی بلگرامی

آپ نہایت لطیف الطبع اور سلیم الذوق عالم وشاعر تھے، مکارم اخلاق میں خلق محمدی کا نمونہ تھے، عزت وشرافت کا ستارہ آپ کی پیشانی پر درخشاں تھا، ۱۱۳۴ھ میں شہید ہوئے، جس زمانے میں آپ کے والد ماجد سید محمد اشرف حکومت لاہور کی طرف سے راہوں نامی گاؤں کا نظم ونسق سنبھال رہے تھے، اطراف ونواحی کے کفار کے ساتھ جنگ ہوئی، سید عبدالواحد ترمذی نے اس معرکہ میں جرعۂ شہادت پیا، یہ واقعہ جمعہ کے دن بعد نماز عصر ۲؍محرم ۱۱۳۴ھ کا ہے، آپ کی عمر اس وقت پچاس سے زائد تھی۔ (آثر الکرام۔غلام علی آزاد بلگرامی۔ج ۲۔ص ۳۴۳)

بندگی سید محمد حسن آیما بلگرامی

سید عبدالواحد مذکور کے چھوٹے بھائی ہیں، بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور پندرہ سال کی عمر میں عربی، فارسی، ہندی کے علوم وفنون کو حاصل کرلیا، آواز اتنی شیریں تھی کہ ان کے نغمہ سے دل سنگ موم ہوجاتا تھا، جب قرآن کی قرأت کرتے تو ایمان کے کان تازہ ہوجاتے، حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کا جوہر رکھتے تھے، نازک مزاجی اور نزاکت میں بہت آگے تھے، شاعری میں آیما تخلص کرتے تھے، ۲۱؍ربیع الاول ۱۱۱۹ھ کو وصال فرمایا، نوجوانی کے زمانے میں کسب حلال کی نیت سے وطن سے نکل کر شاہزادۂ عظیم الشان بن شاہ عالم کی ملازمت کرنے لگے اور اونچے عہدے پر فائز ہوئے، آپ کے والد سید محمد اشرف درگاہی اس زمانے میں شہزادہ محمد اعظم بن خلد مکان کے ملازم تھے، جب خلد مکان کا انتقال ہوگیا تو شاہ عالم کابل سے اور محمد اعظم شاہ دکن سے چل کر برسر جنگ ہوئے اور مقام دھولپور میں جو کہ آگرہ کے قریب ہے، دونوں لشکران میں مڈبھیڑ ہوئی، محمد اعظم شاہ کو موت اور شاہ عالم کو فتح نصیب ہوئی، جنگ ختم

ہونے کے بعد سید محمد حسن جو کہ جوان نازنین تھے ہتھیار پہنے ہوئے ہوا کی گرمی کی تاب نہ لاسکے، اپنے خیمے میں آئے اور لوگوں سے کہا کہ ہتھیار کی گرانی، گرمی اور ہوا کی شدت سے مجھ میں تاب وطاقت نہیں رہی میں نے ہتھیار اتار کر رکھ دیا، یہی چیز آپ کے وصال کا باعث ہوئی، دھولپور کے دروازے پر آپ کو دفن کیا گیا، ۲۰/ربیع الاول ۱۱۱۹ھ کو جنگ ہوئی اور ۲۱/ربیع الاول کو آپ کا وصال ہوا۔ (مآثر الکرام۔غلام علی آزاد بلگرامی۔ج ۲۔ص ۳۴۵-۳۴۶)

حافظ محمد اسعد مکیؒ

آپ مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے، شیخ تاج الدین ودیگر علمائے حرمین شریفین سے فیض یاب ہوئے، علوم نقلیہ خصوصاً حدیث وفقہ میں بے نظیر تھے، پابندی شریعت اور راہِ سلوک میں پوری کوشش فرماتے تھے، آپ نے ہندوستان کا سفر فرمایا اور پھر یہیں ۱۱۶۴ھ میں شہید ہوئے، نواب نظام الدولہ کی شہادت کے بعد افاغنہ اور انگریزوں نے محی الدین خاں کی ماتحتی میں جنگی سرگرمی شروع کی، ہدایت محی الدین خاں افغانوں کو لے کر پھلچری آیا اور وہاں انگریز حاکم سے ملاقات کی، انگریز فوج کے ساتھ حیدرآباد کی سمت روانہ ہوا اور ارکات کے پار افاغنہ کی حدود میں آ گیا، اتفاق کی بات کہ ہدایت محی الدین اور افغانوں میں پھوٹ پڑ گئی اور بالآخر طرفین کی شکر رنجی کھل گئی اور دونوں طرف جنگ کے لیے لشکر کی صف بندی ہوگئی، ہمت خاں اور دوسرے افغان قتل ہوئے اور ہدایت محی الدین خاں کی آنکھ میں ایک تیر لگا جس سے وہ مرگیا اور ہدایت محی الدین خاں کے لشکر نے نواب صلابت جنگ بن آصف جاہ کو سردار بنایا، ہمت خاں اور دوسرے افغانوں کے سروں کو نیزوں کی نوک پر اٹھا کر اظہار خوشی کیا، یہ واقعہ ۱۷/ربیع الاول ۱۱۶۴ھ کو پیش آیا، حضرت حافظ محمد اسعد مکی بھی اسی جنگ میں یک شنبہ کے دن ظہر کے وقت تیروں سے شہید ہوئے۔ (مآثر الکرام ۔ غلام علی آزاد بلگرامی ۔ ج ۲۔ص ۳۴۵-۳۴۶) (یہ سطریں اتفاق سے سورت کے قصبہ ڈابھیل میں لکھ رہا ہوں اور کتاب بھی سورت کے ایک قصبہ لاج پور سے لی ہے۔ قاضی اطہر ۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ)

سید غلام حسین بلگرامی

علامہ میر غلام علی آزاد کے حقیقی بھائی ہیں، آپ کا واقعہ علامہ مذکور خود تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۱۵۴ھ میں میرے بھائی حضرت شیخ محمد فاخر الہ آبادی کے ہمراہ بارادۂ حج گھر سے نکلے اور ۲۴؍محرم ۱۱۵۵ھ کو بندرگاہ سورت سے جہاز پر سوار ہوئے، ۲۹؍محرم کو دکن کے مرہٹوں کے جہاز دریا میں نظر آئے، ان کا کام سمندر میں ڈاکہ زنی تھا، انہوں نے انگریزوں کا کچھ سامان بھی لوٹا تھا، جس کی وجہ سے مرہٹے ڈاکوؤں اور انگریزوں میں سمندر ہی میں صبح کے وقت جنگ چھڑ گئی اور توپیں چلنے لگیں، عصر کے وقت حجاج کے جہاز پر پے درپے گولوں کے گرنے سے سوراخ ہوگئے اور ایک گولہ سید غلام حسین کو آلگا، شیخ محمد فاخر فقیر کے نام ایک خط میں اس کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں:

> ''جب میر غلام حسین گولہ لگنے سے نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگے تو میں نے کہا کہ میر صاحب آپ شہید ہورہے ہیں کلمہ پڑھیے گر قسمت میں ہوگا تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہی چلیں گے، اس درمیان میں لب ہلتے تھے، میں نے ذرا توقف دیکھا تو بار بار کلمہ پڑھنے کی تاکید کی، گفتگو جو آپ نے کی وہ یہ تھی کہ ''میں اس طرح کلمہ پڑھتا ہوں لا الٰــــه الا اللّٰـه مـحـمد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم'' میں نے کہا پڑھے جایئے یہی کام آئے گا، پھر آپ نے کہا جو کچھ ہوا خوب ہوا، آج کون دن ہے؟ میں نے کہا پنج شنبہ ہے، یہ سن کر مسکرائے، غالباً یہ مسکراہٹ اس حدیث کو یاد کر کے تھی جس میں کہا گیا ہے کہ ''جمعہ کے دن اور جمعرات کی موت افضل ہے'' پھر فرمایا میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے، مجھے تیمّم کراؤ، چناں چہ تیمّم کے بعد عصر کی نماز چت لیٹے لیٹے پڑھی، اسی سے مغرب اور عشاء کی نماز ادا فرمائی، ہم لوگ تمام

رات جہاز میں آپ کے سامنے بیٹھے کلمہ پڑھ رہے تھے، رات میں بھی کچھ بات کی، پھر یک بیک تمام رفقاء کو طلب کر کے سب کے سامنے استغفار و توبہ کیا، اس درمیان میں جزع فزع کا اثر بالکل ظاہر نہ ہوا، فرماتے تھے کہ درد کا اثر بالکل نہیں معلوم ہوتا، میرا مزاج پہلے کی طرح بالکل درست ہے، یہ کیسا درد ہے کہ اس کی شدت کا اثر بالکل جگر دوز نہیں ہے، جب میں صبح کی نماز سے اٹھا تو آپ کو پہلی حالت پر نہیں پایا، نماز کے بعد دیکھا تو انتقال فرما چکے تھے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔عرشۂ جہاز پر غسل و تکفین اور نمازِ جنازہ کے بعد نعش مبارک کو ہم لوگوں نے سمندر کے سپرد کر دیا باوجودیکہ ہوا بالکل نہ تھی اور سمندر ساکن تھا، آپ کا جثۂ مبارک تیر کے مانند جہاز سے بالکل دور نکل گیا، جب تک ان کا بدن مبارک جہاز پر تھا جہاز کا رخ مکہ معظّمہ کی جانب تھا، اس کے بعد دشمنوں نے ہمارے جہاز پر قبضہ کر لیا''۔انتہی

میرزا عنایت اللہ بیگ نے تاریخ کہی ہے:

شہید شد بہ رہِ کعبہ سیدِ سندم

۱۱۵۵ ھ

(مآثر الکرام۔غلام علی آزاد بلگرامی۔ج۲۔ص۲۱۵)

مراجع ومصادر

۱ اخبار الخیار
۲ اخبار العلماء باخبار الحکماء
۳ استیعاب
۴ اِصابہ
۵ ارواح ثلاثہ
۶ الامامۃ والسیاسۃ
۷ الاحکام السلطانیۃ
۸ الغزالی
۹ الفوائد البھیۃ
۱۰ انوار احمدیہ
۱۱ بخاری شریف
۱۲ تاریخ ابن خلکان
۱۳ تاریخ ابن عساکر
۱۴ تاریخ الخلفاء
۱۵ تاریخ بغداد
۱۶ تاریخ حریت اسلام
۱۷ تاریخ طبری
۱۸ تاریخ فرشتہ
۱۹ تاریخ فیروز شاہی
۲۰ تذکرۃ الحفاظ
۲۱ تذکرۃ الموضوعات
۲۲ تذکرۂ علماء ہند
۲۳ تذکرۂ مولانا ابوالکلام آزاد
۲۴ تہذیب التہذیب
۲۵ جہانِ دانش
۲۶ حدائق الحنفیۃ
۲۷ حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ
۲۸ حیات ولی
۲۹ خلاصۃ تذہیب الکمال
۳۰ ذیل طبقات الحنابلہ
۳۱ رحلہ ابن بطوطہ
۳۲ زاد المعاد
۳۳ سیرۃ النبی
۳۴ شرح رسالہ ردِ روافض
۳۵ شقائق نعمانیۃ
۳۶ طبقات ابن سعد
۳۷ طبقات الامم
۳۸ عجائب الاسفار
۳۹ علماء ہند کا شاندار ماضی
۴۰ کتاب الاغانی

۴۱	کشف الظنون	۴۶	مفتاح التواریخ
۴۲	مآثر الکرام	۴۷	مقالاتِ شبلی
۴۳	ماہ نامہ برہان دہلی	۴۸	مناقب الامام ابی حنیفۃ
۴۴	ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ	۴۹	نزہۃ الخواطر
۴۵	مشاہیر کشمیر		

مورّخِ اسلام حضرت مولانا
قاضی اطہر مبارکپوری کی مطبوعہ تصانیف کی فہرست

عربی تصانیف

(۱) رجال السند والهند الى القرن السابع:

ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ساتویں صدی ہجری تک کے ارباب فضل وکمال کا تذکرہ جو تاریخ وتذکرہ اور سیرت وجغرافیہ کا عطر ہے۔ ۱۹۵۸ء میں ۳۲۸ ر صفحات پر مشتمل محمد احمد میمن برادران بمبئی نے مطبع حجازیہ سے شائع کیا۔ دارالانصار قاہرہ (مصر) نے ۱۹۷۸ء میں اضافہ شدہ ایڈیشن دو جلدوں میں چھاپا، جو ۵۸۸ ر صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) العقد الثمين فى فتوح الهند ومن ورد فيها من الصحابة والتابعين:

ہندوستان میں جو صحابہ وتابعین، محدثین وفقہا تشریف لائے، ان کی خدمات کی مبسوط تاریخ، ۱۹۶۸ء میں پہلی بار ابناء مولوی محمد بن غلام رسول سورتی بمبئی نے ۳۳۵ ر صفحات میں دوسری بار دارالانصار قاہرہ (مصر) نے ۱۹۷۹ء میں طبع کرایا، جو ۲۳۱ ر صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳) الهند فى عهد العباسيين:

اس سے عہد عباسی میں ہندوستان کے تعلقات وروابط کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔ ۸۷ ر صفحات میں دارالانصار قاہرہ (مصر) نے ۱۹۷۸ء میں شائع کرایا۔

(۴)جواهر الاصول فی علم حدیث الرسول:

حدیث کے اصول پر اہم علمی کتاب جو حوالہ جاتی کتب میں سے ایک اہم کتاب ہے۔ مورّخِ اسلامؒ نے اس کی تحقیق وموازنہ میں ایک مقدمہ بھی لکھا ہے۔۱۹۷۳ء میں ۱۶۰رصفحات پر شرف الدین الکتبی واولادہٗ بمبئی نے چھاپا۔اس کی طبع ثانی دارالسّلفیہ بمبئی اور مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ نے طبع ثالث کی۔

(۵)تاریخ اسماء الثقات:

ابن شاہین بغدادی کا مخطوطہ ہے۔ جسے قاضی صاحب کے مقدمہ کے ساتھ شرف الدین الکتبی واولادہٗ بمبئی نے شائع کیا۔ یہ کتاب متنی تحقیق کی عمدہ مثال ہے۔ ۱۹۸۶ء میں ۲۳۵ر صفحات پر مشتمل اشاعت پزیر ہوئی۔

(۶) العرب والهند فی عهد الرساله:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس کتاب سے عہد رسالت میں عرب و ہند کے درمیاں گوناگوں تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ دراصل یہ کتاب مورّخِ اسلامؒ کی اُردو تصنیف ’’عرب و ہند عہد رسالت میں‘‘ کا عربی ترجمہ ہے۔ جسے مصر کے ایک ازہری عالم شیخ عبدالعزیز عزت نے ترجمہ کیا ہے۔انہوں نے جامعہ ازہر میں اُردو زبان پڑھی تھی۔ شاہ فاروق کے زمانہ میں شعبۂ اُردو کو ایک ازہری عالم محمد حسن مبارکپوری اعظمی نے جامعہ ازہر میں قائم کیا تھا۔ یہ کتاب ۱۹۷۳ء میں **الهيئة المصريه العامة للكتاب** قاہرہ سے شائع ہوئی، جو ۱۴۰ رصفحات پر مشتمل ہے۔

(۷) حکومات العرب فی السند والهند:

جیسا کہ عنوان سے پتہ چلتا ہے، عربوں کی اسلامی حکومتیں ہندوستان میں اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تھیں۔ عربوں نے ہندوستان پر اسلامی علوم وفنون اور اپنی تہذیب کے کیا

اثرات چھوڑے ہیں، یہ کتاب اسی کی جھلکیاں پیش کرتی ہے۔

یہ کتاب مورّخِ اسلامؒ کی اُردو تالیف (ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں) کا عربی ترجمہ ہے۔ جسے مصر کے مشہور عالم ڈاکٹر عبدالعزیز عزت عبدالجلیل نے کیا ہے۔ سعودی عرب ریاض سے یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۵ء میں طبع ہوئی۔

(۸) دیوانِ احمد:

مولانا کے نانا مولانا احمد حسین رسول پوری کے عربی کلام کا مجموعہ ہے۔ جو مورّخِ اسلامؒ کی ترتیب و مقدمہ کے ساتھ ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔ مولانا محمد یحییٰ رسول پوری کا علمی تعاون بھی مولانا کو حاصل رہا۔ یہ دیوان ۴۸ر صفحات پر مشتمل ہے۔

اُردو تالیفات

(۹) اسلامی شادی:

خیر القرون میں اسلامی شادی بیاہ اور حقوق زوجین کی نوعیت احادیث کی روشنی میں بتائی گئی ہے۔ یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ جو صرف ۳۵؍صفحات کا ہے۔ اس کو ۱۹۸۵ء میں مکتبۃ الحق جوگیشوری بمبئی نے شائع کیا تھا۔ دوبارہ شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا اور فرید بک ڈپو دہلی نے ۲۰۰۵ء میں چھاپا، جو ۵۶؍صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۰) اسلامی نظام زندگی:

ایک مسلمان کو دنیا میں کس طرح زندگی گزارنی چاہیے اس کا بیان ہے۔ کتاب جیبی سائز ۲۵۶؍صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو الحاج عبداللہ سمکری ابن حاجی احمد مکی نے رفاہِ عام کے لیے اپنی طرف سے ۱۹۵۰ء میں شائع کیا تھا۔ ادارہ فیضان معرفت بلساڑ گجرات نے مارچ ۲۰۰۴ء میں طبع کیا۔ جو بڑے سائز کے ۱۶۰؍صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۱) اسلامی ہند کی عظمت رفتہ:

ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون، مسلمانوں کی علمی و دینی اور تاریخی وتمدنی سرگرمیوں کے حوالے سے اہم پہلوؤں کی نشان دہی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کا وجود ہندوستان کے لیے موسم بہار ثابت ہوا۔ یہ کتاب ۲۴۳؍صفحات پر مشتمل ہے۔ ندوۃ المصنفین دہلی نے اس کو ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔

(۱۲) افاداتِ حسن بصری:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و واقعات میں ۵۶؍صفحات کا کتابچہ

ہے۔جس کو دائرہ ملیہ اسلامیہ مبارکپور نے ۱۹۵۰ء میں شائع کیا تھا۔دوبارہ فرید بک ڈپو نئی دہلی سے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا گیا۔

(۱۳) الصالحات:

یہ بھی ۶۴/صفحات کا کتابچہ ہے۔جو خاص طور پر خواتین کے لیے لکھا گیا تھا۔یہ پہلی بار بمبئی سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔دوبارہ انصار گرلس انٹر کالج مبارکپور ضلع اعظم گڑھ نے شائع کیا۔

(۱۴) ائمہ اربعہ:

اس میں امام ابوحنیفہؒ، امام حنبلؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے حالات وفقہ پر اجمالی بحث کی گئی ہے۔کتاب ۲۵۵/صفحات پر مشتمل ہے۔جس کو شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے ۱۹۸۹ء میں اہتمام سے طبع کرا کے شائع کیا ہے۔اس کا پہلا ایڈیشن مکتبہ تنظیم اہل سنت لاہور نے ۱۹۴۶ء میں شائع کیا تھا۔

(۱۵) آثار واخبار:

چار علمی، دینی، تاریخی مقالات کا مجموعہ ہے۔جو ۱۵۰/صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں تین مقالات آل عبدالرحمٰن سلیمانی، آل ابومعشر سندی اور آل مقسم قیقانی بصری کا تعلق قدیم اسلامی ہند کے علمی و دینی خانوادوں سے ہے، جو قدیم زمانے سے عرب میں مقیم تھے۔چوتھا مقالہ امام ابوالحسن مدائنی کے سوانح پر ہے، جو اسلامی ہند کے پہلے مورخ ہیں۔یہ کتاب نومبر ۱۹۸۸ء میں ندوۃ المصنفین دہلی سے اشاعت پزیر ہوئی۔

(۱۶) آسودگانِ خاک:

ان معروف وگم نام لوگوں کا تذکرہ ہے جو پیوند خاک ہو چکے ہیں۔ان کی چالیس سالہ علمی زندگی میں روزنامہ انقلاب اور ماہنامہ البلاغ ممبئی میں ان کی اشاعت ہو چکی ہے اور ۳۳۵/صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۷) بناتِ اسلام کی علمی و دینی خدمات:

یہ کتاب خواتین اسلام کی دینی و علمی خدمات پر روشنی ڈالتی ہے۔اس کو بمبئی کے مشہور مکتبہ شرف الدین الکتبی واولادہ' نے شائع کیا تھا۔دوبارہ اس کو دائرہ ملیہ مبارک پور کی طرف سے شائع کیا گیا۔تیسری بار اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی سے ۲۰۰۶ء میں مطبوع ہوئی جو ۱۰۴ر صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۸) تبلیغی و تعلیمی سرگرمیاں عہد سلف میں:

اس کا موضوع نام ہی سے ظاہر ہے۔یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔جو صرف ۳۵ر صفحات کا ہے۔اس کو ۱۹۸۵ء میں مکتبۃ الحق جوگیشوری بمبئی نے شائع کیا تھا۔دوبارہ شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا اور فرید بک ڈپو نئی دہلی نے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا، جو ۱۳۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۹) تدوین سیر و مغازی:

یہ کتاب ۳۲۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔اپنے موضوع پر اُردو میں یہ پہلی کتاب ہے۔جو علم و تحقیق کا شاہکار ہے۔اس کو شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند نے ۱۹۸۰ء میں اور فرید بک ڈپو نئی دہلی نے ۲۰۰۴ء میں زیورِ طبع سے آراستہ کیا۔

(۲۰) تذکرۂ علمائے مبارکپور:

یہ قاضی صاحب کی پچیس سالہ تحقیق و تلاش کا ثمرہ ہے۔اس سے مبارکپور کی ساڑھے چار سو سالہ تاریخ، مدارس و مساجد اور شخصیات کا پتہ چلتا ہے۔یہ کتاب ۲۹۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔اس کو دائرہ ملیہ مبارکپور نے ۱۹۷۴ء میں شائع کیا تھا۔ترمیم و اضافہ کے بعد ۲۰۰۸ء میں دوبارہ شائع ہورہی ہے اور ۳۷۵ر صفحات پر شامل ہے۔

(۲۱) جواہر القرآن:

مورّخِ اسلامؒ نے مسلسل چالیس سال تک روزنامہ انقلاب بمبئی کے لیے جواہر القرآن کے عنوان سے قرآن مجید کی آیات کی تفسیر لکھی۔ جس میں عصری حالات و مسائل پر بھی روشنی ڈالی۔ یہ کتاب مولانا کی قرآن فہمی اور تفسیری علوم پر ان کی مکمل دستگاہ کی تحریری دستاویز ہے۔

(۲۲) حج کے بعد:

یہ مختصر سا رسالہ ہے۔ جو ۴۰؍ صفحات کا ہے۔ انجمن خدام النبی بمبئی نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا تھا۔ دانش بک ڈپو ٹانڈہ ضلع امبیڈکر نگر نے جون ۲۰۰۴ء مین اور فرید بک ڈپو نئی دہلی نے ستمبر ۲۰۰۵ء میں شائع کیا۔

(۲۳) خلافت راشدہ اور ہندوستان:

خلافت راشدہ کے عہد مبارک میں ہندوستان میں مسلمانوں سے تعلقات کی نوعیت، علمی و دینی اور فکری و تمدنی اخذ و استفادہ اور سیاسی و سماجی حالات کا بیان ہے۔ یہ کتاب ۲۸۰؍ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۷۲ء میں ندوۃ المصنفین دہلی نے اس کو شائع کیا۔ بعد میں تنظیم فکر و نظر سندھ پاکستان نے اس کا نیا ایڈیشن چھاپا۔

(۲۴) خلافت بنوامیّہ اور ہندوستان:

یہ بھی عرب و ہند تعلقات اور مسلمانوں کی علمی و دینی سرگرمیوں کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ قاضی صاحب کے قلم نے ماضی کے نہاں خانوں کی خوب سیر کرائی ہے۔ یہ کتاب ۱۷۱؍ صفحات پر مشتمل ہے۔ ندوۃ المصنفین دہلی نے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں شائع کیا۔ پھر تنظیم فکر و نظر سندھ پاکستان نے اپنے یہاں سے اس کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا۔

(۲۵) خلافت عباسیہ اور ہندوستان:

اس میں عباسی دورِ خلافت میں مسلمانوں اور ہندوستان کے درمیان کے تعلقات کی وضاحت ہے۔ یہ تاریخ وتذکرہ نگاری کی عمدہ روایت اور اسلامی اثرات کا نادر نمونہ ہے۔ کتاب ۵۵۸ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ندوۃ المصنفین دہلی نے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا۔ دوبارہ تنظیم فکرونظر سندھ پاکستان نے اپنے اہتمام میں چھاپا۔

(۲۶) خواتین اسلام کی علمی ودینی خدمات:

یہ کتاب پہلے ''بنات اسلام کی علمی و دینی خدمات'' کے نام سے شرف الدین الکتبی بمبئی اور دائرہ ملیہ مبارکپور نے شائع کیا تھا۔ بعد میں کچھ حک و اضافہ کے بعد اس کو شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے شائع کیا۔ کتاب میں مزید معلومات کا اضافہ ہے۔ یہ کتاب ۱۸۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲۷) خیر القرون کی درسگاہیں اور اُن کا نظامِ تعلیم وتربیت:

اس کتاب میں خیر القرون کی اسلامی درسگاہوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ عہدِ رسالت سے دورِ صحابہ وتابعین تک کے علمی حلقوں، طریقۂ تدریس اور نظامِ تعلیم کا بیان تاریخ وسیر کی کتابوں کی مدد سے کیا گیا ہے۔ ۳۹۲ر صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۹۵ء میں شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے اس کو شائع کیا۔ دوبارہ فرید بک ڈپوئی دہلی سے ۲۰۰۴ء میں اشاعت پزیر ہوئی۔

(۲۸) دیارِ پورب میں علم اور علماء:

پوربی اضلاع کی سات سوسالہ علمی و دینی تاریخ، یہاں کے علمی خانوادوں کی خدمات، اہم تصنیفی کارناموں کی تفصیلات، علماء وصوفیاء کے تمدنی آثار، مدارس وخانقاہوں کے احوال مستند کتابوں کے حوالے سے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب ۴۸۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔ جس

میں مشرقی ہندوستان میں علمی سرگرمیوں کا محققانہ تذکرہ ہے۔اس کو بھی ندوۃ المصنفین دہلی نے پہلی بار ۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔دوسری بار ۲۰۰۸ء میں البلاغ پبلیشرز دلی نے شائع کیا جو ۵۰۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲۹) طبقات الحجاج:

یہ ۱۹۵ر صفحات کی کتاب ہے۔جس کو انجمن خدام النبی صابوصدیق مسافر خانہ بمبئی نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا تھا اور فرید بک ڈپو دلی نے ۲۰۰۶ء میں طبع کرایا۔جو ۳۶۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳۰) عرب و ہند عہد رسالت میں:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عرب و ہند کے درمیان جو مختلف نوع کے تعلقات تھے، ان پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہ کتاب ۲۰۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔۱۹۶۴ء میں اس کا پہلا ایڈیشن ندوۃ المصنیفین دہلی نے شائع کیا۔ اس کو مصر کے ایک مشہور عالم الدکتور عبدالعزیز عزت عبدالجلیل نے عربی میں ترجمہ کیا اور ۱۹۷۳ء میں **الھیئة المصریه** قاہرہ نے اس کو شائع کیا۔سندھ (پاکستان) کی تنظیم فکر ونظر نے اس کا سندھی زبان میں ترجمہ کر کے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔کراچی کے ایک ادارہ مکتبہ عارفین نے بھی اسے طبع کرایا۔فرید بک ڈپوئی دہلی نے مئی ۲۰۰۴ء میں اور مکتبہ الحق جوگیشوری بمبئی نے ۲۰۰۷ء میں اس کی اشاعت کی۔

(۳۱) علمائے اسلام کی خونیں داستانیں:

پہلی صدی ہجری سے موجودہ دور تک کی اسلامی تحریکوں اور مسلم حکومتوں کے فتنوں میں علمائے اسلام کو دار و رسن کی جن آزمائشوں سے گزرنا پڑا، اُس کی داستان اس کتاب میں پیش کی گئی ہے۔ یہ کتاب احسان دانش کے اصرار پر لکھی گئی تھی، مگر اس کی اشاعت تقسیم ہند کے ہنگاموں کی نذر ہوگئی تھی۔ ساٹھ سال بعد اس کا مسودہ دستیاب ہوا اور ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی، جو ۲۴۸ر صفحات پر مشتمل ہے، ناشر قاضی اطہر اکیڈمی مبارکپور ضلع اعظم گڑھ اتر پردیش انڈیا۔

(۳۲) علمائے اسلام کے القاب وخطابات:

یہ کتابچہ علمائے اسلام کے القاب وخطابات پر انتہائی تحقیقی مقالہ ہے۔ جس کو کتابی شکل دی گئی ہے۔ یہ مقالہ آپ کی کتاب (مآثر ومعارف) میں شامل ہے۔ خاص طور سے اس سے مدارسِ عربیہ کے طلباء عزیز استفادہ کر سکتے ہیں۔ تاریخی اور تحقیقی طور پر بتایا گیا ہے کہ کون سا لقب کب اور کس کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ کی شکل میں ۴۸ ؍صفحات پر مشتمل ہے۔ ۲۰۰۴ء میں پہلی بار فرید بک ڈپو دلی نے شائع کیا ہے۔

(۳۳) علی وحسین:

یہ چھوٹے سائز کے ۳۳۶ ؍صفحات پر مشتمل ہے۔ ایک کتاب کی تاریخی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کو ۱۹۶۰ء میں مکتبہ دائرہ ملیہ مبارکپور نے شائع کیا تھا۔ پاکستان سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی اور اسلامک بک فاؤنڈیشن دلی نے بھی ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔ جو ۲۹۶ ؍صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳۴) قاضی اطہر مبارکپوری کے سفرنامے:

یہ سفرنامہ مورّخِ اسلامؒ کے اُن علمی ودینی اور تہذیبی وتاریخی دَورے کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ جو وقتاً فوقتاً ہندوستان اور بلادِ اسلامیہ وعربیہ اور ممالک افریقہ کے حوالے سے مولانا کے قلم سے صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوئے۔ یہ سفرنامہ عام سفرناموں سے مختلف اور انتہائی معلوماتی و تحقیقی ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ مورّخِ اسلامؒ کی نظر اسلامی ودینی پہلوؤں کی طرف خاص طور سے اُٹھتی تھی اور ان کا قلم علوم ومعارف کی کہکشاں بناتا تھا۔ اس کو قاضی اطہر اکیڈمی لکھنؤ نے اگست ۲۰۰۵ء میں ۳۴۹ ؍صفحات پر مشتمل شائع کرایا۔

(۳۵) قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک:

یہ قاضی صاحب کی خودنوشت نہایت مختصر آپ بیتی ہے۔ پہلے اس کو دائرہ ملیہ مبارکپور نے شائع کیا تھا۔ پھر مکتبہ صوت القرآن دیوبند نے دوسرا صاف ستھرا ایڈیشن شائع کیا۔ اس کے صفحات ۵۶/ ہیں۔

(۳۶) کاروانِ حیات:

خودنوشت سوانح حیات کو ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخوپور نے اپنے قاضی اطہر مبارکپوری نمبر اگست تا دسمبر ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔ دوبارہ الگ سے کتابی صورت میں فرید بک ڈپو دہلی نے ۲۰۰۴ء میں بہت خوب صورت انداز میں چھاپ کر شائع کیا۔ اس میں ''قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک'' کو بھی شامل کرلیا گیا ہے۔ جو ۲۳۸/ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳۷) مآثر ومعارف:

یہ پچیس مقالات کا مجموعہ ہے۔ مختلف موضوعات مثلاً حدیث کی جمع وتدوین، دارِ ارقم کی علمی مرکزیت وحیثیت، تاریخ ورجال، فرقہ ومکاتب فکر، یوروپ میں مسلمانوں کی علمی خدمات وغیرہ پر محققانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب ۲۷۱/ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۷۱ء میں اس کو ندوۃ المصنفین دہلی نے شائع کیا۔

(۳۸) محمد کے زمانہ کا ہندوستان مع ہندوستان صحابہ کے زمانہ میں:

ناشر فرید بک ڈپو دلی۔ صفحات ۳۶۶/ سن طباعت ۲۰۰۵ء۔ اصل میں یہ کتاب مورّخِ اسلام کی دو کتابوں کی تلخیص ہے۔ پہلا حصہ ''عرب و ہند عہد رسالت میں''۔ دوسرا حصہ ''خلافت راشدہ اور ہندوستان'' سے ملخص ہے اور دونوں کو ایک جلد میں شائع کیا گیا ہے۔ اس کی تلخیص وتسہیل کرنے والے ایک پاکستانی عالم جناب مولانا ابومجاہد شمشیر ہیں۔ یہ کتاب پہلے مکتبہ ارسلان بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان سے شائع ہوئی۔ اس کے بعد فرید بک ڈپو دلی نے اسی کا عکسی ایڈیشن طبع کرایا۔

(۳۹) مسلمان:

اسلامی آداب معاشرت پر ایک عام فہم انداز کا ۶۴ر صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے۔ جس کو جمعیۃ المسلمین جنجیرہ بمبئی نے ۱۹۵۳ء میں شائع کیا تھا۔ دوبارہ انصار ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر اکیڈمی مبارکپور نے ۱۹۷۶ء میں پھر انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی نے شائع کیا۔ ساجد لکھنوی نے بھی لکھنؤ سے شائع کیا۔ فرید بک ڈپو نئی دہلی نے ۲۰۰۴ء میں اور انجمن شیخ الہند قاسم آباد انجان شہید ضلع اعظم گڑھ یوپی نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا۔

(۴۰) مسلمانوں کے ہر طبقے میں علم وعلماء:

یہ کتاب ۲۲۸ر صفحات میں قاضی صاحب کی وفات کے بعد چھپی اور اس پر مقدمہ بھی قاضی صاحب کے قلم سے ہے۔ اس کو شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے بڑے خوب صورت انداز میں ۱۹۹۸ء میں شائع کیا۔

(۴۱) مطالعات وتعلیقات:

اس میں مورّخِ اسلام کے وہ مقالات ہیں جو ماہنامہ البلاغ ممبئی کی ۲۶ر سال تک آپ کی اڈیٹری میں مستقل عنوان سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ کتابوں کے مطالعہ کے بعد تعلیقات وتبصرہ کی صورت میں یہ مضامین نہایت پر مغز اور تحقیقی ہوا کرتے تھے۔

(۴۲) معارف القرآن:

توحید، رسالت، کتاب اور دینی زندگی کے عنوانات پر قرآن کریم کی ایک سو آیات کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔ یہ ۱۵۰ر صفحات کی کتاب ہے۔ جس کو تاج کمپنی بمبئی نے ۱۹۵۶ء میں شائع کیا۔ کتب خانہ فیض ابرار انکلیشور ضلع بھروچ گجرات نے ۲۰۰۶ء میں دوبارہ چھاپا۔

(۴۳) مکتوبات امام احمد بن حنبل:

اس کتابچہ میں امام احمد بن حنبل کے مکتوبات ہیں۔ جو مختلف اوقات میں مختلف طبقہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں لکھے گئے ہیں۔ یہ مکتوبات ایمان و یقین کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس رسالہ کو فہیم بک ڈپو مئو ناتھ بھنجن یوپی نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا ہے۔ جو ۴۸ر صفحات پر مشتمل ہے۔

(۴۴) مئے طہور:

قاضی صاحب کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔ جو ''مئے طہور'' کے نام سے مرتب ہوکر مولانا قمرالزماں مبارکپوری کے مبسوط مقدمہ کے ساتھ فرید بک ڈپو دہلی کی طرف سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جو ۴۵۸ر صفحات پر مشتمل ہے۔ ناشر قاضی اطہر اکیڈمی مبارکپور ضلع اعظم گڑھ اتر پردیش انڈیا۔

(۴۵) ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں:

جیسا کہ عنوان کتاب سے متبادر ہے۔ اس کتاب میں عربوں کی حکومت اور ہندوستان کی سیاسی و سماجی، علمی و دینی اور تمدنی زندگی پر اسلام کے اثر و نفوذ کی مکمل تاریخ بیان کی گئی ہے۔ ۳۴۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۷ء میں ندوۃ المصنفین دہلی نے شائع کیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مکتبہ عارفین کراچی نے شائع کیا۔ تنظیم فکر و نظر سندھ پاکستان نے اس کا ایک اور ایڈیشن شائع کیا۔ مصر کے دکتور عبدالعزیز عزت عبدالجلیل نے اس کا عربی میں ترجمہ کر کے ''حکومات العرب فی السند والهند'' کے نام سے شائع کیا اور اس کو اسلام آباد یونی ورسٹی پاکستان کے مجلّہ الدراسات العلمیۃ نے قسط وار شائع کیا۔ پھر مکتبہ آل یداللہ بکریہ ریاض نے اس کو کتابی شکل میں شائع کیا۔

(۴۶) ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت:

یہ رسالہ اصل میں ایک مقالہ ہے۔ جو سندھ پاکستان کی ادبی سندھی کانفرنس منعقدہ ۱۹۸۴ء میں مورّخِ اسلامؒ نے خود شریک ہوکر پڑھا تھا۔ اس میں پوری تحقیق کی گئی ہے کہ ہندوستان میں علم حدیث ابتداء اسلام میں آیا ہے۔ جب اسلام کی روشنی سندھ میں پہنچی تو ساتھ ہی یہ بہار بھی آئی۔ ناشر فہیم بک ڈپو مئوناتھ بھنجن صفحات ۴۸ / طباعت ۲۰۰۶ء۔ ناشر فرید بک ڈپو دلی صفحات ۴۸ / طباعت ۲۰۰۶ء۔